وہ سجدہ رُوحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اُسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

المنبر

ماھانہ ایڈیشن

لائلپور

اشاعت خاص

رئیس التحریر

عبدالرحیم اشرف

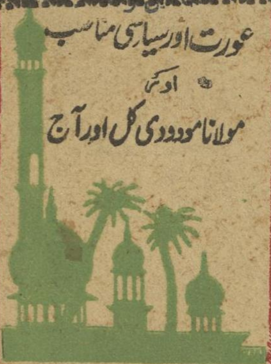
اس اشاعت میں!

[redacted]

عورت اور سیاسی مناصب

اور

مولانا مودودی کل اور آج



زرِ تبادلہ
بشمول
ماہوار اشاعت

سالانہ ۱۲ روپے
فی پرچہ ۵۰ پیسے

رجسٹرڈ ایل نمبر ۷۲۹۴

فون نمبر ۱۰۰۳

مرزائیت لٹریچر کے آئینہ میں

فاتح قادیانی

قادیانی مبلغ اور مولانا ثناءاللہ رحمۃ علیہ کے مابین
مناظرہ اور ایک غیر مسلم کا مولانا مرحوم کے حق
میں فیصلہ — ۷۵ پیسے

ایک دلچسپ روئداد

تعلیمات مرزا

مولانا ثناءاللہ امرتسری مرحوم نے مرزائی عقائد اور انکی
تعلیمات کا خلاصہ جمع کر کے دلائل سے انکی تردید
کی ہے اور انہیں اسلامی تعلیمات کی رو سے باطل
ثابت کر دیا ہے۔ — ۶۲ پیسے

محمدی پاکٹ بک

احمدیہ پاکٹ بک کے جواب میں مولانا عبداللہ
معمار رحمۃاللہ علیہ فاضل مرزائیت کی بے نظیر و لا
جواب کتاب نئی مطبوعہ اترمیم و اضافہ۔ — ۷ روپے

قادیانی اور مسلمان

اُمت مسلمہ اور امت قادیانی دو فرقے نہیں بلکہ دو
الگ الگ امتیں ہیں اس موضوع پر مدیر المنبر کا
ایک عجیب مگر جامع مقالہ بصورت کتابچہ — ۱۳ پیسے

قادیانیت

مرزا قادیانی کون تھے مرزائیت کسے کہتے ہیں؟
لاہوری اور ربوی مرزائیت میں کیا فرق ہے نیز
قادیانی نبی قادیانی امت پر عجیب و غریب مگر
تحقیقی انداز میں مولانا ابوالحسن علی حسنی
ندوی نے بحث فرمائی ہے۔ — زیر طبع

مکتبہ المنبر - ۳۴۸ جناح کالونی لائلپور

"المنبر" کو پریس برانچ کی جانب سے

وارننگ

حکام قادیانیوں کے واویلا سے متاثر ہو گئے

مدیر المنبر کو نوٹس موصول ہوا کہ المنبر کے متعلق ایک "انکوائری" کے سلسلے میں اے ڈی ایم کی عدالت میں حاضری دو — ایڈیٹر المنبر اے ڈی ایم کی عدالت میں حاضر ہوا بیسیوں ملزم موجود تھے، اسی دوران اسے اے ڈی نے وارننگ دی کہ قادیانیوں کے خلاف مورخہ ۲۱/۲۸ اگست، ۴ ستمبر کے شماروں میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں وہ سخت ہیں لہذا آئندہ ایسی تحریروں سے گریز کرو ورنہ حکومت مغربی پاکستان تمہارے خلاف کارروائی کرنے میں حق بجانب ہو گی۔

مدیر المنبر نے معلوم کیا کہ کیا قادیانیوں کیخلاف لکھنا ہی جرم ہے یا کوئی خاص حصہ ان مضامین کا آپ کے نزدیک قابل اعتراض ہے؟

اے ڈی ایم صاحب نے کافی رد و کد کے بعد حکم صادر فرمایا کہ دفتر میں جا کر ان عبارتوں کو دیکھ لو جن پر سرخ نشان لگایا گیا ہے — یہ عبارتیں دیکھی گئیں — معاملہ خاصہ دلچسپ ہے۔ آئندہ صحبت میں اس سلسلے میں کچھ عرض کیا جائیگا۔

(ادارہ المنبر)

المنبر کا

قادیانیت نمبر

اس عظیم نمبر کی

تیاری پورے اہتمام سے شروع ہے

ادارہ المنبر کی کوشش یہ ہے کہ یہ نمبر

ایک تاریخی شاہکار کی صورت میں پیش کیا جائے

بفضلہ تعالیٰ توقع بھی ہے کہ

مقالات و مضامین ۔ عنوانات و مباحث اور اسلوب نگارش

ہر اعتبار سے منفرد حیثیت کا حامل ہوگا

یہ نمبر بفضلہ تعالیٰ عنقریب شائع ہوگا ۔ ضخامت تین سو صفحات ۔ قیمت اڑھائی روپے

مستقل خریداروں کو مفت

مینجر ہفت روزہ "المنبر" پوسٹ بکس ۱۰۱ لائل پور

المنبر لائلپور

شمارہ ۲۳ – ۲۴	۲۰ / ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۸۴ھ مطابق	۲۵ر دسمبر ۱۹۶۴ء / یکم جنوری ۱۹۶۵ء	جلد ۹

ہفت روزہ اور ماہوار اشاعتوں کا زرتبادلہ بجائے پندرہ کے بارہ روپے رکھا گیا ہے تاکہ احباب توسیع اشاعت میں بیش از بیش حصہ لے سکیں۔

اس اشاعت خاص کی ضخامت زیادہ ہو جانے کے باعث اب اس کی قیمت ۲ روپے ہے۔

ہندوستان میں ترسیل زر کا پتہ

٥ مکتبہ الحسنات (سبسکرپشن ایجنسی) رام پور یوپی

٥ ماہنامہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

تفہیم و تذکیر

ہمارے نزدیک انتخابی سیاست کے بیشتر اجزاء غیر اسلامی ہیں، شخصی یا جماعتی حیثیت سے حصولِ اقتدار کیلئے اُمیدوار بن کر میدان میں اُترنا، ایک اُمت کے افراد کو باقاعدہ دو متضاد بلکہ متحارب گروہوں، حزب اقتدار اور حزب اختلاف میں تقسیم کر دینا، اپنی برتری اور سیاسی کامیابی کیلئے پروپیگنڈہ، کنولیسنگ، بے پناہ مصارف اور اپنے مدمقابل کو حریف قرار دے کر اس کی مخالفت، اس کے خلاف جذبات بھڑکانا اور اسے ہر ممکن طریق سے شکست دینے کی جدّ و جہد کرنا ——— اور جب معرکہ انتخاب گذر جائے تو جسے فتح حاصل ہو وہ مسرت بلکہ فخر و مباہات کا اظہار کرنے کیلئے اور جشن فتح منائے اور جو حریف مقابل سے پٹ جائے وہ منہ چھپاتا پھرے اور یا پھر وہ معرکہ انتخاب سے فارغ ہوتے ہی کامیاب ہونیوالے عنصر کے خلاف نبرد آزما ہو جائے اور تنقید و تنقیص کے اسلحہ سے مجروح کرنے کا پروگرام بنا کر اس پر عمل پیرا ہو۔

ان تمام اجزاء کے بارے میں ہم انشراحِ صدر سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے جو تصورِ حکومت و سیاست ہمیں دیا ہے یہ اجزاء از اوّل تا آخر اسلام کے اس تصورِ حکومت و سیاست کے ہی برعکس نہیں اسلام کا مزاج بھی ان میں سے کسی ایک جزو کو اپنانے سے انکار کرتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ تصور کہ اقتدار کا حصول ہر شخص کا فطری حق ہے، ملک کے ایک ایک باشندے کو قانوناً اور عملاً حصول اور شریک اقتدار ہونے کی اجازت حاصل ہونی چاہیئے۔ ہر باشندہ ملک کو قطع نظر اس سے کہ اسے سیاست اور امورِ مملکت کے مبادیات کا شعور بھی حاصل ہے یا نہیں، اسے مملکت کے ادنیٰ سے اعلیٰ ادارے تک کے مسئلے میں رائے دینے کا حق حاصل ہونا چاہیئے۔ خواہ اسے ہر شاطر سیاستدان مشتعل کرنے اور بیوقوف بنانے کا کاروبار علانیہ کر رہا ہو اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو۔ لیکن اسے بہرحال یہ حق لازماً حاصل ہونا چاہیئے ——— یہ اور اسی قسم کے تصورات اور نعرے اس تصورِ سیاست کے طفیلی ہیں جس کے بعض اہم پہلو ابھی زیرِ بحث آئے اور اگر ہماری یہ رائے

درست ہے کہ یہ انتخابی سیاست فی نفسہٖ اسلام کے سیاسی نظریات کے برعکس ہے اور اسلام کے مزاج کی نقیض ہے تو یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہوگا کہ یہ طفیلی کنبہ بھی اسی کے حکم میں ہے اور اسے بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ہم اپنی اس رائے کو اگرچہ دلائل اور وجدان دونوں کے اعتبار سے مبنی برحق سمجھتے ہیں، تاہم انتخابی سیاست کے ہمہ گیر استبداد اور اذہان پر اس کے غلبہ کے باعث ہم اس پر مفصل بحث کو دوسرے اوقات پر چھوڑتے ہوئے صحبتِ امروز میں ہم اپنی معروضات کو اس حد تک محدود رکھتے ہیں کہ اس انتخابی سیاست کی برائیاں اس وقت بلا اختلاف مذموم ہو جاتی ہیں جب انتخابی سیاست کو اصل اور محور قرار دیکر اگر اس کے حسب منشا ڈھالنے کا کام کسی ادارے، جماعت یا سیاسی شخصیت کی جانب سے شروع ہو جاتا ہے۔

انتخابی سیاست کا مزاج ہزار شیوہ معشوق کا مزاج ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اس کی جبلت و فطرت ہی ناقابلِ اعتماد ہے۔ اس کا اصول بے اصولی ہے اور اس کا عقیدہ بد اعتقادی ہے، اسے مسلمان کرنا تو تو کجا، ہر وہ شخص یا جماعت جو اس انتخابی سیاست کو اپنے راہ کی منزل یا منزل مقصود قرار دے لیتا ہے، اگر ماش کی سفیدی برابر بھی اس کے دل میں ہارنے اور جیتنے کا تصور ہو تو اس کیلئے اسکے سوا چارہ ہی نہیں کہ وہ اصول شکنی کرے کہ مکرنی کا خوگر ہو جائے اور ذُو دھیں نہیں ذوالوجوہ (ہزار شیوہ) ہے۔

انتخابی سیاست کا یہ نتیجہ ایک عام با اخلاق فرد یا جماعت کیلئے رسوا کن ہے، لیکن جب یہ شخص یا جماعت اپنے ساتھ اسلام کو بھی چپکائے ہوئے ہو اور اس میں یہ استقامت نہ ہو کہ لومۃ لائم اور عوام کالانعام کے انبوہ کثیر مزید برآں ہار جیت سے بے نیاز ہو کہ "ان اتبع الا ما یوحی الی" کی ایمانی روش پر ہر چیز کو قربان کر سکے تو اس کا لازمی نتیجہ اس صورت میں برآمد ہوگا کہ وہ خود بھی ادلتا بدلتا رہے گا اور اسلام کو بھی ترمیم و تنسیخ اور لچک و استثنا کی سان پر چڑھاتا رہے گا۔ اور مجبور ہوگا کہ ہر نئی سیاسی ضرورت کے مطابق آیات و احادیث کو تختہ مشق بنائے اور جدھر اس کا اپنا رُخ ہو اس جانب قرآن و حدیث کو گھماتا رہے۔

حالیہ اور ان سے پہلے انتخابات میں جن گروہوں نے دین کے نام پر حصہ لیا ہے انہوں نے بعینہٖ وہی روش اختیار کی ہے جس کی ادنےٰ سی تصویر کشی ابھی ہم نے کی ہے۔ پہلے انتخابات میں دین کے نام پر شہادت حق کے عنوان سے اور ہار جیت کے تصورات سے بے نیازی کے دعوے کے ساتھ جماعت اسلامی نے حصہ لیا تو اس نے

- امیدواری کو ناجائز اور فتنے کی جڑ کہا، امیدوار کو خائن ثابت کیا اور خود امیدوار نہ بننے کے اعلان کے ساتھ ساتھ یہ فیصلہ بھی کیا کہ جماعت اسلامی کا کوئی رکن اور کارکن ہی نہیں، اس کے شائع کردہ ووٹروں کا عہد نامہ پر کرنے والا شخص بھی کسی امیدوار کو ووٹ نہ دے
- پارٹی سسٹم اور "پارٹی ٹکٹ" کے طریقے کو نہ صرف یہ کہ خود قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جائے گا، کا عزم بھی ظاہر کیا ـــــ جماعت نے فیصلہ کیا کہ
- کسی ایسے شخص کی تائید و حمایت نہیں کی جائے گی جو انفرادی زندگی میں اسلام کا سچا پیرو، فرائض کا پابند اور کھلے گناہوں سے مجتنب نہ ہو۔
- ان امور کو صرف جماعتی پالیسی ہی کے طور پر اختیار کرنے کا فیصلہ نہیں کیا گیا تھا بلکہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات سے ثابت کیا گیا تھا کہ یہ فیصلے کتاب و سنت کے عین مطابق ہیں۔

سنہ ۱۹۴۹ء کے انتخابات میں یہ پالیسی کسی نہ کسی حد تک چلی لیکن اس کے بعد جو انتخابات ہوئے ان میں یہ پالیسی بتدریج ترک کر دی گئی اور بات وہیں جا پہنچی جہاں دوسری غیر دینی یا خالص سیاسی جماعتیں پہلے سے مصروف سیاست بازی تھیں۔

یہی صورت حال اب عورت کے مسئلے میں پیش آئی! اس سے پہلے جماعت کے امیر اور دوسرے حضرات نے انتہائی زوردار انداز میں نصوص شرعیہ کے حوالوں سے ثابت کیا تھا۔ عورت کے لئے میدان سیاست میں آنا البتہ حرام ہے، جس میں استثنا کی کوئی گنجائش نہیں ـــــ لیکن حالیہ صدارتی انتخابات میں جماعت اسلامی نے یکسر اس کے برعکس موقف اختیار کیا اور وہ ان مغرب زدہ عناصر سے بھی چند قدم آگے بڑھ گئی جو عورت کو معاشرت اور سیاست میں مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کرنے کیلئے صدیوں سے کوشاں تھے ـــــ اور ندامت واندوہ کے ساتھ یہ اظہار بھی ضروری ہے کہ جماعت نے جس طرح اپنے پہلے موقف کو قرآن وحدیث کا منشا ثابت کیا تھا، اس تازہ مسلک کو بھی اسی طرح آیات و احادیث

منطوق ثابت کرنے کیلئے ڈھیروں لٹریچر مہیا کر دیا۔

جماعت اسلامی کے علاوہ جماعت اہلحدیث کے بعض عناصر نے بھی اس مرتبہ انتخابی سیاست میں حصہ لیا ہے اور بد قسمتی سے وہ بھی اسلام کے مسلمہ اصول "الرجال قوامون علی النساء" کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ایک تو اس لئے کہ انہوں نے فیصلہ ہی معرکہ انتخاب کے آخری ایام میں کیا اور انہیں اس بحث میں الجھنا نہیں پڑا اور دوسرے اس وجہ سے بھی کہ یہ حضرات کسی لگے بندھے منصوبے اور مقصد کے تحت اس میدان میں نہیں آئے تھے بلکہ یونہی ٹہلتے ٹہلتے ادھر آ نکلے۔ ان دونوں وجوہ کی بنا پر انہوں نے اپنے خلاف کتاب و سنت مؤقف کے حق میں لمبی چوڑی بحث نہیں کی اور کھل کر تاویل و تحریف کے مرتکب نہیں ہوئے، تاہم شریک جرم ضرور ہوئے۔

انہی کے ساتھ ساتھ بعض اہل علم اور اصحاب فتاوی نے بھی چودہ سو سالہ اجماع امت کے خلاف یا کم از کم اس سے ہٹ کر اظہار رائے کیا ہے، جس سے امت کے مزاج میں خرابی پیدا ہونے کا بھی اندیشہ ہے اور یہ تو واقعہ ہو گذرا کہ ان کی آراء فتاوی سے امت کے انتشار میں اضافہ ہؤا اور فتنہ جو طبائع کو سہارا ملا۔

ان انتخابات میں شریک ہونے والے عناصر میں سے سب سے بہتر رویہ جمعیت العلماء اسلام کا رہا، جمعیت نے اگرچہ دونوں گروہوں، حزب اختلاف و اقتدار کے سامنے شرائط پیش کیں جس سے یہ تاثر لیا گیا کہ شائد یہ بھی اضطرار یا اہون البلیتین کے سہارے مس فاطمہ جناح کو ووٹ دینے کے جواز کی قائل ہو گئی ہے۔ لیکن یہ وضاحت کسی نہ کسی حد تک قابل اطمینان ہو سکتی ہے کہ جمعیت العلماء اسلام نے حزب اقتدار سے صرف یہ اطمینان چاہا تھا کہ مس فاطمہ جناح کی صدارت یکسر عارضی ہو گی ——— مگر حزب اختلاف یہ اطمینان مہیا نہ کر سکا ——— بہر نوع جمعیت نے درست فیصلہ کیا۔

ادھر علماء کی عظیم اکثریت اور ملت کے بہی خواہ بھی متفق ہیں کہ عورت کا دائرہ کار ہر حالت میں اس کے گھر کی چار دیواری ہے اور سیاست اس کی جبلت اور اس کے فرائض دونوں سے متصادم (باقی صہ۲ پر)

عورت

اور

سیاسی مناصب

عبدالرحیم اشرف

مغربی افکار و نظریات نے مسلمانوں کے تصورات دینی کو جو نقصانات پہنچائے ہیں، ان میں سب سے اہم نقصان تو وہ ہے جو ایمان بالغیب اور ایمان بالآخرت کے عقیدے کو پہنچا ہے۔ اس کے بعد جس سانحہ نے ملت اسلامیہ کے اذہان و قلوب کے ساتھ ساتھ سیرت و کردار کو نیم جان کر دیا ہے وہ ہے آزادیٔ نسواں کا وہ تصور جس کی رو سے عورت کو گھر کی چار دیواری سے باہر نکال کر اول تو اسے شمع محفل بنایا گیا، تھوڑی دیر گذری تو اسے مزدور، کلرک، نرس اور ایرہوسٹس بنا کر اس کی نسوانیت کو مجروح کیا گیا اور اب ہوش و خرد سے محروم کچھ اطفالِ سیاست عورت کو ایوانِ حکومت میں گھسیٹ لانا چاہتے ہیں اور ستم یہ ہے کہ وہ اپنی اس نازیبا حرکت کو "دینی جہاد" کہہ کر دین مقدس کی دھجیاں بکھیرنے لگے ہیں۔

دینی غیرت وحمیت کا تقاضا ہے کہ بازار سیاست کے مدوجزر سے صرف نظر کرتے ہوئے خالصتہً شرعی نقطۂ نظر سے اس "جاہلیت جدیدہ" کا جائزہ لیا جائے اور دین میں ترمیم و تحریف کے اس عظیم فتنے کا سد باب کیا جائے جسے خدانخواستہ اگر دین کے نام پر باور کر لیا گیا تو پوری قوم اسے فتنے میں مبتلا ہو کر اخلاق و دین دونوں سے تہی دامن ہو جائے گی۔

زیر نظر مقالہ اسی مقصد عزیز کو ملحوظ رکھ کر لکھا گیا ہے، خداوند ذوالجلال سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر سعی کو اپنے دین کی خدمت اور اپنے محبوب و عظیم نبی (فداہ ارواحنا و انفسنا صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کی بہبود کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم وصل وسلم علیٰ حبیبک ونبیک محمد علیہ التحیۃ والتسلیم

عبد الرحیم اشرف عفاہ اللہ تعالیٰ وکفاہ

جب سے مغربی فلسفے اور اسلام کے مابین جنگ چھڑی ہے اسلام اور مغربی تہذیب کے مختلف پہلو وقتاً فوقتاً اہمیت حاصل کرتے رہے ہیں کبھی "اسلام تلوار سے پھیلا" کی بحث چھڑی، کسی مرحلہ پر "عورت کی حریت و آزادی" کا عنوان زیر بحث آیا اور کبھی "اسلام جامد ہے یا متحرک"، نے گرمیٔ محفل کا سامان مہیا کیا۔

ان مباحث میں سے بعض تو اب پرانے ہو چکے لیکن بعض نے ہمارے ہاں کے احوال وظروف سے شہ پاکر زیادہ اہمیت حاصل کرلی بالخصوص "عورت سیاسی میدان میں" اس موضوع نے ۱۹۴۷ء کے معاً بعد سر اٹھایا اور اس وقت سے اب تک مد و جزر کے باوجود یہ مسئلہ آگے ہی بڑھتا چلا گیا اور اب جب سے ملک کی مختلف اور متعدد پارٹیوں نے محترمہ فاطمہ جناح کو امیدوارِ صدارت نامزد کیا ہے یہ جامع مسئلہ اس جزوی عنوان میں سمٹ گیا ہے کہ کیا عورت سربراہِ مملکت بننے کی اہلیت رکھتی ہے یا نہیں؟ اس موضوع پر اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس میں بعض اہم اور اصولی عنوان بھی متعلق ہوتے ہیں بالخصوص

۱ : کیا اسلامی شریعت کی حرمت، دو اقسام میں منقسم ہے، ابدی اور وقتی؟

۲ : عورت کا سربراہِ مملکت بننا کس نوع کا حرام ہے، وقتی یا ابدی؟

۳ : کیا اس وقت حالات ایسے ہیں کہ ان میں حرام شرعی میں استثنا پیدا کی جاسکتی ہے؟

۴ : اگر اس استثنا کا امکان ہے تو اس کا حق کسے حاصل ہے؟ کسی ایک فرد کو؟ کسی ایک جماعت کو؟ یا کم از کم اس ملک کے علماء کو جو اس سے پہلے عورت کے سربراہِ مملکت ہونے کے عدم جواز پر "اجماع" کر چکے ہیں؟

۵ : اگر اس استثنا کو جائز تسلیم کر لیا جائے تو کیا اس کی حیثیت اسی طرح کی ہوگی جیسے ایک قریب المرگ بھوکا لحم خنزیر کو کراہت سے صرف اس قدر کھاتا ہے کہ اس کی جان بچ جائے یا یہ استثنا اس قسم کا ہے کہ بڑے ذوق و شوق سے اس سے استفادہ کیا جائے اور اس کے لیے پوری قوم کو دعوت عام دی جائے۔ اور اس کے لیے تن من دھن سب کچھ قربان کر دینے کی اپیل کی جائے ــ یا

۶ : اس سے ایک قدم اور آگے بڑھ کر اس حرام مستثنیٰ کو اقامتِ دین کی جدوجہد کا اہم ترین جزو قرار دیا جائے اس "ارتکاب حرام" کو ناقابلِ گریز دینی خدمت تصور کیا جائے اور جو لوگ اس کے عدم جواز پر اصرار کریں انہیں مطعون کیا جائے، ان کے جذبۂ احترام احکامِ الٰہیہ کو خندہ استہزا بنایا جائے اور ان کے خلاف طرح طرح کے الزامات تراشے جائیں۔

بلا شبہ ضرورت تو ہے کہ ان میں سے ہر ایک عنوان پر سیر حاصل بحث کی جائے لیکن ایک تو اس لیے کہ ان عنوانات میں متعدد ایسے ہیں جو صرف اسی صورت میں زیر بحث لائے جاسکتے ہیں جب کوئی شخص شرعی "حرام" کو وقتی اور ابدی میں منقسم مانتے یا وہ اس بات کا قائل ہو کہ احکامِ شرعیہ میں لچک، استثنا یا ترمیم کا

حق کسی گروہ یا فرد کو حاصل ہے لیکن جب ان سطور کے راقم کے نزدیک عورت کے صدر مملکت بننے کا عدم جواز قرآن مجید سے ثابت ہو احادیث نبویہ نے اس پر مہر تصدیق ثبت فرمادی ہو اور آئمہ سلف نے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف کے بغیر اسی کی منادی کی ہو تو اصل مسئلہ قابل بحث صرف یہی ہو کہ عورت کو صدر مملکت بنانے کی تحریک جائز ہے یا نہیں۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ کیا سیاسی مناصب عورت کے دائرہ کار میں شامل ہیں یا وہ کسی بھی صورت سیاسی مناصب کی اہل نہیں بالفاظ دیگر مذکورۃ الصدر عنوانات پر وسیع ترین بحث کے بجائے کافی ہوگا کہ اسی ایک عنوان پر کتاب و سنت اور آئمہ سلف کے ارشادات پیش کر دیئے جائیں اور صرف تائید کے لیے اس غلط سعی و جہد کے وہ مضرات واضح کر دیئے جائیں جو عقل و نقل سے ثابت ہوں ولیس۔

اس بناء پر ہم اپنی گذارشات کو صرف تین عنوانات تک محدود رکھتے ہیں۔

۱ : عورت کو سیاسی مناصب دلانے اور بالخصوص اسے سربراہ مملکت بنانے کی تحریک کا پس منظر،

۲ : اس کے متعلق شریعت اسلامیہ کے احکام۔

۳ : اس تحریک کے ہولناک نتائج۔

عورت کو سربراہِ مملکت بنانے کی تحریک کا پس منظر،

صورت واقعہ یہ ہے کہ جب مسلم لیگ کی تحریک اور بین الاقوامی عوامل کے نتیجے میں پاکستان معرض وجود میں آیا تو دو ذہین طبقات نے اس کے معاً بعد یہ تحریک شروع کر دی کہ اس مملکت کو عملاً ایک ایسی ترقی پسند ریاست ہونا چاہیئے جو مغربی یا اشتراکی افکار و نظریات پر اپنے نظام حیات کو استوار کرے یہ دو طبقات تھے۔

الف : مغربیت زدہ مسلمان - ب : کمیونسٹ،

یہ دونوں عناصر، اگرچہ اپنے مسلک اور نقطہ ہائے نظر کے اعتبار سے ایک دوسرے کے حریف تھے لیکن ان کے مابین قدر مشترک یہ تھی کہ یہ دونوں "اباحیت مطلقہ" کے قائل تھے اور یہ اس بات پر متفق تھے کہ کہ مسلمانوں کو شریعت کی تمام حدود پھاند کر مادی زندگی کو اختیار کرنا چاہیئے اور اس کے لیے آسان ترین راستہ ان کے سامنے یہ تھا کہ "مرد اور عورت" کو مساوی درجہ دیا جائے اور عورت کو گھر کی چاردیواری سے نکال کر کلب، بازار، مارکیٹ، دفتر، اسمبلی اور قصر صدارت تک لایا جائے اور دوسری جانب اسے نرس، ائیر ہوسٹس اور رقاصہ بنایا جائے۔

ان عناصر نے اس تحریک کو کس طرح چلایا، یہ تحریک کن کن مراحل سے گذری اور ان اٹھارہ برسوں میں اس تحریک نے کیا کیا کامیابیاں حاصل کیں؟ ان کی تفصیلات تو اس وقت ممکن نہیں۔

اور یوں بھی اب یہ کامیابیاں آنکھوں دیکھی حقیقت ہیں۔ لیکن اس کے بغیر اس بحث کا حق ادا نہیں ہو گا کہ ماضی کے دھندلکوں سے ان چند مراحل کو اجاگر کیا جائے جو اس تحریک نے طے کئے ہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اس تحریک کا آغاز ہو تو گیا تھا۔ استقلالِ پاکستان کے تھوڑے عرصے بعد ہی، لیکن اس نے باقاعدہ منظم صورت ۱۹۴۹ء میں اختیار کی اس سال کے آغاز ہی میں (۴ جنوری ۱۹۴۹ء) یونیورسٹی ہال لاہور میں مغربی پنجاب زنانہ مسلم لیگ اور "پاکستان زنانہ رضاکار سروس" نے ایک مشترکہ سپاسنامہ میں اس وقت کے وزیر اعظم خان لیاقت علی خان مرحوم سے یہ مطالبہ کیا کہ عورتوں کو مرکز اور صوبوں میں معقول نمائندگی دی جائے۔ مرحوم لیاقت علی خاں اگرچہ کلیۃً ان تصورات کے حامل تو نہیں تھے جو اس بات میں شریعت اسلامی پیش کرتی ہے تاہم وہ اس تحریک کے گرمجوش سرپرست بھی نہیں تھے انہوں نے اس مطالبے کے جواب میں کہا۔

"اپنے سپاسنامہ میں آپ لوگوں نے کہا ہے کہ عورتوں کو مرکز اور صوبوں میں معقول نمائندگی دی جائے ہر چند میں آپ کی دلشکنی نہیں کرنا چاہتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اس صوبہ کے وزارتی جھمیلوں کی موجودگی میں آپ کو اس سے الگ ہی رہنا چاہیئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو گا عورتوں کو حکومت کے ہر محکمہ میں پوری نمائندگی دی جائے گی[1]"

خان لیاقت علی خاں، اپنے تصورات اور شخصی وجاہت کے باعث اس باب میں قدرے محتاط تھے مگر ان کی بیگم صاحبہ محترمہ رعنا لیاقت علی خاں اس باب میں بہت آگے بھی تھیں اور بے باک بھی اگرچہ اس وقت انہوں نے "اپوا" کی تنظیم عملاً قائم نہیں کی تھی تاہم وہ تحریک کی داعیہ ضرور تھیں۔ انہوں نے اسی جنوری ۱۹۴۹ء کی ۲۸ تاریخ کو جہلم میں کالا رلیفیوجی کیمپ میں جموں و کشمیر کے پناہ گزینوں کے اجلاس میں اعلان کیا۔

"اب وہ وقت نہیں رہا کہ مسلمان عورتیں گھروں کی چاردیواری میں بند بیٹھی رہیں۔ اب انہیں اس خواب غفلت سے بیدار ہونا ہو گا۔ اور گھروں سے نکل کر مردوں کے شانہ بشانہ قوم کی فلاح و بہبود کے کاموں میں حصہ لینا ہو گا۔"

بیگم صاحبہ موصوفہ نے اسی سال ماہ اپریل میں لندن کی ایک پریس کانفرنس میں، پاکستان میں اپنی اس تحریک کی کامیابی پر گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اگرچہ پاکستان کی شہری عورتیں پردہ بھی کرتی ہیں اور نقاب بھی اوڑھتی ہیں تاہم اسی ۸۰ فیصدی عورتیں جو دیہات میں رہتی ہیں وہ ایسا نہیں کرتی ہیں نیز پردہ نشین عورتیں بھی اپنے مردوں پر ویسی ہی حاوی

[1] سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور ۲۹ جنوری ۱۹۴۹ء

اور اپنے گھریلو معاملات میں ویسی ہی بااختیار رہی جیسے کہ بے پردہ عورتیں ...... بہر حال پردہ دیر یا سویر ختم ہو کے رہے گا۔ لڑکیوں کی نئی پود جن کی تربیت لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط درس گاہوں میں ہو رہی ہے وہ پردہ میں نہیں جائے گی ؎

مس فاطمہ جناح کی تائید: بیگم لیاقت علی خاں اگرچہ گرمجوشی سے "آزادی نسواں" کی تحریک کو چلا رہی تھیں لیکن مس فاطمہ جناح بھی اس وقت پہ بہت ٹھوس کام کر رہی تھیں۔ انہوں نے عورتوں کو نرسنگ پر خوب ابھارا اور چونکہ محترمہ فاطمہ جناح تقسیم ملک سے قبل بھی، عورتوں کو سیاسی اور اجتماعی کاموں میں مردوں کے شانہ بشانہ کھڑا کرنے کا "جہاد" شروع کئے ہوئے تھیں اور انہیں اس میدان میں یک گونہ اولیت حاصل تھی اس لیے انہوں نے خاص تکنیک اختیار کی، عورتوں کے اجتماعات بلائے اور انہیں نرس بننے، سوشل کام کرنے کی موثر تبلیغ کی۔

مارچ ۱۹۴۸ء میں مس فاطمہ مشرقی پاکستان کے دورے پر گئیں، ڈھاکہ ڈسٹرکٹ زنانہ مسلم لیگ نے ان کے اعزاز میں ایک اجلاس منعقد کیا۔ اس اجتماع میں خواتین کو خطاب کے دوران کہا۔

لیڈی ڈاکٹرز، نرسیں اور استانیاں پاکستان کی اہم ضرورت ہیں۔ ۲۸ مارچ ۴۸ء کو ڈھاکہ سے ایک نشری تقریر میں کہا:۔

پاکستان کو بہت بڑی تعداد میں سماجی کارکنوں، استانیوں اور اس سے بڑھ کر لیڈی ڈاکٹروں اور نرسوں کی ضرورت ہے ؎

محترمہ فاطمہ جناح اس مہم کو بڑے اہتمام سے شروع کئے ہوئے تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اس سال ڈھاکہ، کراچی، کوئٹہ، لاہور اور دوسرے کئی شہروں کا دورہ کیا اور ہر جگہ عورتوں کو نرسنگ اور دوسرے شعبوں کی جانب راغب کیا۔ انہوں نے اپنی متعدد تقریروں میں یہ بھی کہا کہ

نرسنگ ایک معزز اور شریفانہ پیشہ ہے اس اعزاز کو حاصل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم میں اپنی اور اپنے عوام کی مدد کا عزم موجود ہے یہ خدمت انسانیت کے اس مشن کی بھی تکمیل ہے جس پر ہمارے مذہب اسلام نے بے حد زور دیا ہے۔ الغرض ہمیں نرسنگ کے خلاف ذرا سا بھی تعصب نہیں رکھنا چاہیے ؎

۱۹۴۹ء، ۷ نومبر کو نیویارک میں بین الاقوامی زنانہ نمائش کے سالانہ اجلاس، ملک غلام محمد (سابق وزیر خزانہ اور صدر مملکت) کے خاندان کی ایک اہم رکن بیگم حسین ملک نے اپنی افتتاحی تقریر میں مسرت

؎ سول اینڈ ملٹری گزٹ، ۲۷ اپریل ۱۹۴۹ء ؎ ڈھاکہ ص۵ ؎ ندائے وقت ۴ دسمبر ۱۹۶۴ء

اعلان کیا کہ:۔

"پاکستانی عورتوں کو تعمیر ملی کے کاموں میں عملاً شریک کرنے کے لیے ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی جاتی ہے..... پردہ کے نفاذ سے عورتوں کو ان کے سیاسی اور شہری حقوق سے محروم کرنا مقصود نہ تھا بہرحال اب پردہ پاکستان سے بڑی تیزی کے ساتھ رخصت ہو رہا ہے۔"[1]

اس وقت کے وزیر خزانہ مرحوم ملک غلام محمد صاحب اس تحریک کے سب سے بڑے سرپرست بلکہ اس کے داعیان میں سے ایک تھے انہوں نے ۲۷ دسمبر ۱۹۴۹ء کو منعقد ہونے والی" بین الاقوامی اسلامی اقتصادی کانفرنس" کے اجلاس میں عریانی کے ساتھ کہا "مجھے افسوس ہے کہ ہماری اس کانفرنس میں کہیں سے کوئی عورت نمائندہ بن کر نہیں آئی مجھے پوری امید ہے کہ طہران میں منعقد ہونے والی کانفرنس کے آئندہ اجلاس میں کچھ نہ کچھ عورتیں بھی نمائندہ حیثیت سے ضرور شریک ہوں گی اس طرف توجہ دلانے کی ضرورت میں نے اس لیے محسوس کی کہ جب تک کسی ملک کی اقتصادی تعمیر میں عورتیں بھی پورا پورا حصہ نہ لیں اس کی اقتصادی حالت درست نہیں کی جا سکتی۔ تمام مذاہب میں اسلام ہی تو تھا جس نے سب سے پہلے عورت کو سیاسیات و اقتصادیات میں عزت و احترام کا وہ مقام عطا کیا جو اس سے پہلے اس کو حاصل نہیں تھا۔ اسلامی ممالک کو چاہیئے کہ اپنے ہاں کی تمام تحریکوں میں عورتوں کو صف اول میں جگہ دے کر ان کے ساتھ انصاف کریں۔ اس کے بغیر اقتصادی بحالی ناممکن نہیں تو سخت مشکل ضرور ہوگی۔

ملک غلام محمد نے مزید کہا: "میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جہالت اور تحکمانہ ملائیت نے مسلمان عورتوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اب ہمیں ان کو اقتصادی بندھنوں سے آزاد کرانا ہے اور احترام اور برابری کا وہ مقام بھی ان کو دلانا ہے جو اسلام کا تقاضا ہے۔"

"عمر بھر کے غور و مطالعہ کے بعد اب میرا ایمان ہو چکا ہے کہ اسلام کوئی جامد شے نہیں ہے۔ اسلام ایک زبردست طاقت اور ایک زندگی بخش قوت ہے۔ اس کی تعمیر کی ابتدا (تحریک آزادی نسواں کی صورت میں ناقل) کی جا چکی ہے اب ہم میں ہر ایک کو اپنا جائزہ برابر لیتے رہنا چاہیئے کہ جس کام کا بیڑہ ہم نے اٹھایا ہے اس کے لیے آپ اپنے کو کس حد تک تیار کر رہے ہیں۔"[2]

ملک صاحب نے جرأت مندانہ انداز میں اس کے معاً بعد کہا تھا:۔

---

[1] سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور ۲۹ جنوری ۱۹۴۹ء [2] سول اینڈ ملٹری گزٹ ۲۷ اپریل ۱۹۴۹ء

[3] ڈان ۲۳، ۲۵ نومبر ۱۹۴۹ء

ہمیں ان خیالات اور جہالتوں سے لڑنا ہے جو صدیوں سے ہم پر مسلط ہیں مگر مجھے اس میں ذرہ برابر شک نہیں ہے کہ اگر ہم نے اسلام کی صحیح رُوح کو پیش نظر رکھ کر کام کیا تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب رہیں گے۔[۱]

فاطمہؓ بنت رسول اللہؐ اور فاطمہ جناح!

بیگم لیاقت علی خاں کی تحریک، خان لیاقت علی خاں کی تائید، بیگم حسین ملک کی گرمجوشی اور ملک غلام محمد کی بے تابانہ اور داعیانہ "عزم" نیز اس وقت کی حکومت کی مالی و اخلاقی مدد نے اس تحریک کو تلخ نوائی، اشتعال انگیزی اور جارحیت کے اسلحہ سے بھی مسلح کر دیا چنانچہ انگریزی اخبارات کے اہم کالم "خطوط و نکات" میں ایک فوجی کیپٹن ظفر اللہ پوشنی نے "سول اینڈ ملٹری گزٹ" میں لکھا ہے

"مس حسین (جنہوں نے انہی صاحب کے ایک مراسلہ کے جواب میں عورت کو اسلامی حدود میں پابند رہنے کے فوائد و ضرورت پر روشنی ڈالی تھی) نے میرے خط کا جو جواب دیا ہے اس نے اس قیدی کی یاد تازہ کر دی ہے جو مدتوں قید رہنے کی وجہ سے اس کوٹھڑی ہی سے محبت کرنے لگ جاتا ہے جس میں وہ بند رکھا گیا ہے

ہاں میں جانتا ہوں کہ پیغمبر کی بیٹی فاطمہؓ پردہ کرتی تھیں، مگر مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ قائد اعظم کی بہن فاطمہ ایسا نہیں کرتیں اور یہی (مس فاطمہ جناح) کا طریقہ صحیح ہے کیونکہ ہمارا ملک دُوسرا ہے ہماری دنیا دُوسری ہے ہمارے حالات دُوسرے ہیں اور سب کچھ اس سے مختلف ہے جو تیرہ سو سال پہلے تھا۔

یہ بالکل بے تکے پن سے ہر معاملہ میں قدیم زمانہ سے جواز تلاش کرنے کا رجحان صرف احمقانہ[۲] ہی نہیں بلکہ خطرناک بھی ہے اس کا نتیجہ سماجی جمود اور ذہنی پستی ہو گا۔"

---

[۱] پاکستان ٹائمز ۸ دسمبر ۴۹ء بحوالہ پاکستانی عورت دو راہے پر" مصنفہ مولانا امین احسن اصلاحی [۲] اس مقام پر مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا ایک ایمان پرور حاشیہ ملاحظہ ہو جو اسی حوالہ پر آپ نے اپنی کتاب "پاکستانی عورت دوراہے پر" میں دیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں: آپ کچھ سمجھے کہ ذات شریف کس بات کو احمقانہ قرار دے رہے ہیں اس بات کو کہ ہر معاملہ میں رسول اللہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ سے سند جواز ڈھونڈنے کی کوشش کریں، ہر امر میں خلافت راشدہ اور سلف صالحین کے تعامل کی دلیل تلاش کریں، ہر قدم اٹھانے سے قبل اس بات کی جستجو کریں کہ پیغمبر اور صحابہ کی زندگی کی روشنی میں یہ قدم اٹھانا صحیح ہے یا غلط یہ رجحان ان حضرات کے نزدیک احمقانہ ہی نہیں بلکہ خطرناک ہے" لطف یہ ہے یہ مراسلہ اسی اخبار میں شائع ہوا جو ۱۹۴۹ء کے وسط میں سیفٹی ایکٹ کے تحت تین مہینے کے لیے اس جرم میں بند کیا گیا کہ اس نے کشمیر کے متعلق ایک ایسی افواہ چھاپ دی تھی جس سے ہمارے وزیر اعظم صاحب کے متعلق عوام میں غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی لیکن اسی اخبار نے جب مسلمانوں کے اتباع صحابہ و رسول کے فعل کو احمقانہ اور خطرناک قرار دیا تو کسی کو اس کی ذرہ پروا نہ ہوئی ہا

اسی قسم کا ایک اور مراسلہ ملاحظہ ہو۔

"پردہ کے معنی چہرے کے اس طرح چھپانے کے نہیں ہیں جس طرح ہمارے ہاں چھپایا جاتا ہے اصل شے اخلاقی طرزِ عمل ہے"۔

ہم عورتوں پر پردہ ان لوگوں نے ٹھونسا تھا جن کی اخلاقی حالت کافی بلند نہیں تھی انہوں نے محسوس کیا کہ وہ اپنے اخلاق کو بآسانی بلند نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے عورتوں کو اس ظالمانہ طریقے سے قید کر دینے کی راہ نکال لی اور وہ سمجھے کہ (اس خرابی پر قابو پانے کا) یہی ٹھیک طریقہ ہے۔

انہی مراسلہ نگار نے لکھا:۔ "اس میں شک نہیں کہ اگر ہم (عورتیں) بھی مردوں کی طرح باہر پھرنے لگیں۔ تو شروع شروع میں ہمیں کچھ تکلیف ہوگی۔ مگر یہ عارضی شے ہوگی"۔[1]

ملاحظہ فرمایا۔ آپ نے کہ جسارت اور رجاحیت اس وحشتناک حد تک بڑھ گئی کہ جن لوگوں نے پردہ کروایا وہ تھے اخلاقی اعتبار سے لپست اور عورتوں کو قید کرنے والے ظالم — اور یہ کون لوگ تھے؟ (نقل کفر کفر نباشد) صحابہ کرامؓ، رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم اور خود، رب عرشِ عظیم! انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آغا خاں کی کمک: ہم نے تھوڑی دیر پہلے عرض کیا کہ پاکستان میں اس تحریک کے علمبردار دو گروہ تھے کمیونسٹ اور مغربیت زدہ افراد و عناصر، اس کا یہ درخشاں ثبوت بھی ملاحظہ فرمائیے کہ اپنے مریدوں کو جنت کے ہیچ نامے عطا کرنے والے ہز ہائی نس، سر آغا خاں، جو ایک بہت بڑے پیر بھی ہیں اور آخری درجے کے مغربیت زدہ بھی، انہوں نے ٹھیک بروقت اس تحریک کو کمک بہم پہنچائی بلکہ اس طرح مصرع کو بند لگایا جو ملک غلام محمد صاحب نے اٹھایا تھا۔ انہوں نے اس تحریک کی سب سے بڑی رکاوٹ — اسلامی شریعت کے بارے میں تحریکیت کا تصور اس انداز سے پیش کیا کہ نفس شریعت کی ضرورت ہی باقی نہ رہے کہ سر آغا خاں نے مسٹر زاہد حسین گورنر سٹیٹ بنک پاکستان کے مکان پر بین الاقوامی امور سے متعلق ادارہ کے جلسہ میں "مسلمان سلطنتوں کا عروج و زوال اور ان کا مستقبل" کے عنوان پر تقریر کے دوران کہا۔ "یقین کیجئے کہ حقیقی اسلام کبھی جامد نہیں تھا یہ ہمیشہ ایک متحرک شے رہا ہے بنو امیہ کے عظیم الشان دور میں جبکہ اس کی بنیادیں گہرائی اور وسعت کے ساتھ رکھی گئیں، یہ متحرک، نہایت سادہ اور واضح تھا۔

انہوں نے اسی اجتماع میں شریک اکابرین پاکستان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اپنے مؤرخوں اور مفکروں کو ہدایت کیجئے کہ وہ اپنی ساری توجہ بنو امیہ کے اس عظیم الشان صد سالہ دور پر مرتکز کریں اور آپ اس اموی دور کو نمونہ کے طور پر سامنے رکھیے"۔[2]

---

[1] سول اینڈ ملٹری گزٹ کالم "ایڈیٹر کے نام خطوط"، ۳۰ را پریل ۱۹۴۹ء [2] ڈان ۹ر فروری ۱۹۵۰ء جنوری ۱۹۶۵ء

اور واقعہ یہ ہے کہ سر آغا خاں کی اس تلقین کو مخاطبین کی اکثریت نے کما حقہ ملحوظ رکھا اور حکومت کی پالیسی بنو امیہ کے ایسے افراد کے نقوشِ پا کے تتبع میں بنائی جو اس اُمت کا مزاج بگاڑنے میں سب سے زیادہ کوشاں رہے ہیں۔ اس تحریک کی دوسری تفصیلات کو ہم نظر انداز کرتے ہوئے صرف اسی قدر کہنے پر اکتفا کریں گے کہ یہ تحریک خاصی تیز رفتاری سے آگے بڑھتی گئی "زنانہ رضاکار سروس" "پاکستان زنانہ مسلم لیگ سے بات آگے بڑھی" "اپوا" کے نام سے "آزادی پسند" خواتین کی ایک مستقل جماعت معرضِ وجود میں آئی۔ خاں لیاقت علی خاں قتل کر دیے گئے تو ان کی بیگم صاحبہ کو ایک غیر مسلم ملک میں سفیر بنا کر بھیج دیا گیا۔ ملک میں نرسنگ کی تحریک شروع ہوئی تو دیکھتے ہی دیکھتے ہسپتال نوخیز لڑکیوں سے بھر گئے اور ان کے لیے استدلال مہیا کیا گیا۔ صحابیاتؓ کے جنگوں میں زخمی مجاہدین کو پانی پلانے اور ان کی مرہم پٹی میں مصروف ہونے سے ــ تحریک ایک قدم اور آگے بڑھی تو مسلمان لڑکیاں ائیر ہوسٹس بنیں، سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں انہیں ملازمتیں دی گئیں اب ادھر کچھ عرصے سے ایک عورت کو وزارت کے عہدے پر فائز کیا گیا اور اس وقت ہم مجبوراً اس عنوان پر بحث کر رہے ہیں کہ کیا عورت کو ملک کی صدارت پر فائز کرنے کی جدوجہد کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

ایک جملہ معترضہ ــ حزبِ اختلاف کے بارے میں

یہاں یہ پہلو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ ان سترہ برسوں میں جو بھی حکومت پاکستان میں قائم ہوئی ہے اور خان لیاقت علی خاں، خواجہ ناظم الدین (خدا تعالےٰ ان کو اپنی مغفرت سے نوازے) سکندر مرزا، حسین شہید سہروردی مرحوم، چوہدری محمد علی اور فیروز خاں نون اور اسی طرح صوبائی وزراء اعلیٰ ان میں سے کوئی شخص اور کوئی حکومت ایسی نہیں جس نے عورتوں کو اجتماعی زندگی میں مردوں کے دوش بدوش آگے بڑھنے اور پردہ نسوانیت چاک کر کے مغربی تہذیب اختیار کرنے کی جدوجہد میں ان کی مدد اور سرپرستی نہ کی ہو۔

وہ تمام سابقہ حکمران جو آج ملک کو فحاشی اور اخلاقی انارکی میں مبتلا ثابت کر کے حالتِ اضطرار ظاہر کرنے میں کوشاں ہیں اور اسی اضطرار کو عورت کے صدر مملکت بنانے کی وجہ جواز ظاہر کر رہے ہیں ان میں سے ہر ایک نے اس تحریک اور اس تحریک کے فروغ کے لیے معرضِ وجود میں آنے والی تنظیموں کے لیے سرکاری خزانے سے لاکھوں روپیہ دیے ہیں۔ یہی نہیں ان سب نے اپنے اپنے زمانۂ اقتدار میں اپنی حکومتوں کے ہر بجٹ میں ان اداروں کے لیے بھی بھاری بھرکم رقوم رکھی ہیں جو اسلام میں ترمیم و تحریف کے لیے معرضِ وجود میں آئے اور جنہوں نے ڈھیروں ایسا لٹریچر تیار کیا جو بالآخر اسلام کے حرام کو حلال ثابت کرنے پر منتج ہوتا ہے۔

ان تمام کارناموں کے بعد اگر یہ حضرات اور ان کے حامی و مددگار حلیف و متحد حضرات، موجودہ صدیقیت

حال کو اضطرار کہہ رہے ہیں۔ اور اس کی بناء پر وہ اسلام کے ایک مسلمہ حرام کو حلال ثابت کرنے میں کوشاں ہیں تو انہیں خدائے غیور کے عذاب سے ڈرنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ اس کی غیرت انہیں دنیا میں بھی رسوا کرے اور آخرت میں بھی انہیں مبتلائے عذاب کر دے۔ اللھم نعوذ بك من غضبك وبعد ابك۔

مصلحت دین؟

اسی طرح وہ لوگ جو "مصلحت دین" اور "حکمت عملی" کی خاطر اس حرام کو جائز ثابت کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ قطع نظر ان کے نظریہ "حکمت عملی" کے غلط یا صحیح ہونے کے انہیں خدائے ذوالجلال کے حضور جوابدہی کے شعور کی بیداری کی حالت میں سوچنا چاہیئے کہ دین کی مصلحت کا کوئی تعلق اس بات سے بھی ہے یا نہیں کہ "عورت کی سیاست بازی" اور عورت کے بے محابا آخری سیاسی اقتدار تک پہنچ جانے کی صورت میں پاکستان کا مسلم معاشرہ کس جنسی انارکی اور اخلاقی موت سے ہمکنار ہوگا اور تحریک کی کامیابی کی صورت میں یہ ملک کتنی تیز رفتاری سے اس منزل سے ہمکنار ہوگا۔ جس منزل تک پہنچ جانے کے بعد مغربی ممالک خدا کی لعنت کے مستحق ہو چکے ہیں۔ اور کہ کیا "آزادیٔ نسواں" کی وہ تحریک جس کا اجمالی تعارف ہم نے ابھی کرایا اس تحریک کی کامیابی کے بعد اس کا مقابلہ ممکن بھی ہوگا؟ یا ہم سب مجبور ہوں گے کہ اپنے ملک کی مسلم لڑکیوں کو وہ سب کچھ کرتا دیکھیں جو یورپ کی مغضوب اقوام کر رہی ہیں اور اس کے بعد یہاں نہ اسلامی نظام کا نام لیا جا سکے نہ اسلام کی جانب دعوت دینا سود مند ہو۔

ایک اور جملہ معترضہ۔ حزب اقتدار سے متعلق

اس جگہ ہم اپنے اوپر اس فرض کو بھی عائد محسوس کر رہے ہیں کہ وہ حضرات جو اس شرعی مسئلے کو بطور دلیل پیش کر کے حزب اختلاف کی مذمت کر رہے ہیں کہ عورت کا صدر مملکت بننا جائز نہیں یہ حضرات اس مسئلے میں حق بجانب ہونے کے باوجود دو وجوہ کی بناء پر خود بھی مورد الزام ہیں ایک تو اس وجہ سے کہ آزادیٔ نسواں اور عورت کو میدان سیاست میں لانے کی جو تحریک قیام پاکستان کے معاً بعد شروع ہو گئی تھی جس طرح اس تحریک کی سرپرستی سابق حکومتوں نے کی ہے۔ موجودہ حکومت بھی اسی جرم کی مجرم ہے کہ اس نے سخنے، درمے، دامے قدمے، ہر پہلو سے اس تحریک کی مدد کی ہے اور اسے پروان چڑھانے میں دوسروں سے قدرے زائد ہی حصہ لیا ہے۔ ثانیاً۔ عورت کا صدر بننا اگر شرعاً حرام ہے تو شرعاً یہ بھی حرام ہے کہ مردوں کی محفلوں میں عورتیں بے پردہ موجود ہوں وہ مردوں سے مصافحے کرتی پھریں اور مردوں کے ہسپتالوں میں نرسیں بنیں، وہ ایئر ہوسٹس ہوں اور مردوں کے ساتھ ٹائپسٹ، کلرک اور دوسرے دفتری کاموں میں برابر کی شریک ہوں اور آخر الامر یہ کہ انہیں سفارت و وزارت پر فائز کیا جائے۔

جب موجودہ حکومت نے یہ تمام ناجائز باتیں خود کی ہیں اور ان کے علاوہ اجتماعی زندگی کے بہت سے دوسرے شعبوں میں بھی اس حکومت کے ذمہ داروں نے حزبِ اختلاف کے سابق حکمرانوں کی طرح بہت سے خلافِ شریعت اقدامات مسلسل کیے ہیں اور جب موجودہ حکومت عورت کے لیے سیاست کا دروازہ کھولنے میں دلچسپی لیتی رہی ہے اور اب اس پر جو کچھ بیت رہی ہے اور وہ جس صورتِ حال سے دوچار ہے یہ اس کے اپنے ہی عمل کا نتیجہ اور اسی کی کاشت کی ہوئی اپنی ہی کھیتی کا حاصل ہے اگر وہ اپنے اس طرزِ عمل پر قائم رہتی ہے اور محض اپنے دنیوی مفاد کی خاطر وہ شریعت کی جانب متوجہ ہوتی ہے تو لسانِ الٰہی میں، بعض احکام و آیاتِ الٰہیہ سے انحراف اور بعض پر ایمان یہ ایسا گھناؤنا جرم ہے۔ جس کی سزا دنیا میں ذلت کی صورت میں دی جاتی ہے اور اس سے بچنے کا امکان کسی کے لیے نہیں ہے۔ ہم موجودہ حکمرانوں کو ان کی دنیوی بہبود اور اخروی فلاح کے لیے انہیں اس راہِ نجات کی جانب متوجہ کریں گے کہ وہ اپنی سابق غلطیوں پر نادم ہوں توبہ بھی کریں اور غلطیوں کی تلافی بھی۔

سیاست اور اجتماعی زندگی میں عورتوں کے بے حد و قید حصہ لینے کی مذکورہ الصدر تحریک کے اس پس منظر کی وضاحت اور ان ہر دو ناگزیر معترضہ جملوں کے بعد اب ہم اصل موضوع کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلے پر تفصیلی بحث کا آغاز کرتے ہیں۔ وبنعمتہ تتم الصالحات

نصوصِ قرآنیہ: خدا کی ناطق بالحق کتاب، زیرِ بحث مسئلہ میں بصراحت اعلان کرتی ہے

عورتوں پر مردوں کی حاکمیت

(۱) الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض و بما انفقوا من اموالھم
(النساء ۳۴)

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس بناء پر کہ بڑائی دی اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پہ اور اس وجہ سے کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

یہ آیت نصِ قطعی ہے مرد اور عورت کے تفاوت، درجات اور اختلافِ مناصب پر بالخصوص اس بارے میں کہ اللہ تعالیٰ کی ودیعت فرمائی ہوئی قوتوں، صلاحیتوں اور مقام و مرتبہ کے اعتبار سے جب بھی مرد اور عورت میں سے کسی ایک کو قوام، حاکم اور والی بنانے کا مسئلہ درپیش ہو تو مطلقاً جنس اور نوع کی بناء پر مرد ہی والی، حاکم اور قوام ہوگا اور عورت اس کے زیرِ نگرانی اور ماتحت۔

جو لوگ لغت، اسلوبِ کلام اور بلاغت کے اصولوں سے آگہی رکھتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ

الرجال قوامون، جملہ اسمیہ ہے اور خبر (قوامون) بصیغہ مبالغہ بیان ہوئی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ رجال کی صفت حاکمیت و قوامیت آخری درجہ میں معروف بھی ہے اور ان کی یہ صفت راسخ بھی ہے بالفاظ دیگر قرآنِ عزیز یہ کہنا چاہتا ہے کہ مرد بحیثیت مرد۔ عورتوں پر قوامیت کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے اور اس کی یہ صفت بحیثیت خلقت ہے اور یہ وہبی ہے اس میں مرد کے کسب کا دخل نہیں ہے اسی حقیقت کو قرآنِ مجید نے "بما فضل اللہ بعضهم علی بعض" سے تعبیر فرمایا ہے۔ دوسری بات یہاں ملحوظ رکھنے کی یہ ہے کہ مرد کو آئین الٰہی نے عورت کا سرپرست بھی بنایا ہے اور اس کی ضروریات کا کفیل و ذمہ دار بھی، اس پہلو سے بھی مرد عورت پر استحقاق حاکمیت و قوامیت رکھتا ہے اور جب بھی عورت کو مردوں پر حکمران بنانے کی غلطی کا ارتکاب کیا جائے گا اس کا انجام وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے فطری اور تشریعی قوانین کی خلاف ورزی کا ہوا کرتا ہے بالخصوص اس وقت جب انسان اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ کسی نعمت کی ناشکری کرے اور اپنے بلند مقام سے پستی کی جانب ڈھلک جائے اور اللہ تعالیٰ نے اسے جو مقام عطا فرمایا ہے اس سے از خود دستکش ہو جائے۔ قرآنِ مجید اسی قسم کے مواقع پر فرماتا ہے۔

اتستبدلون الذی هو ادنی بالذی هو خیر۔

کیا ایک بہتر چیز کے بجائے تم ادنیٰ درجے کی چیز قبول کرنا چاہتے ہو

نص صریح کے طور پر فرمایا:۔

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبهم فتنة او یصیبهم عذاب الیم (نور ۶۳)

تو چاہیئے کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں وہ اس بات سے ڈریں کہ وہ کسی فتنے میں مبتلا کر دیے جائیں یا دردناک عذاب میں گرفتار ہو جائیں۔

جو لوگ قرآنِ عزیز کی اس صریح اور لرزہ خیز وعید کے بعد بھی یہ توقع رکھتے ہیں کہ عورت کو اپنا والی، سرپرست اور حاکم بنا کر وہ عزت و سربلندی، تحفظ حقوق اور ملک و ملت کی بہبودی کی نعمت حاصل کر پائیں گے انہیں اپنے فہم اور خدائے ذوالجلال کے اس بیان فرمودہ انجام، دونوں پر از سر نو غور کر لینا چاہیئے اور پھر فیصلہ کرنا چاہیئے کہ مستحق ترجیح ان کا فہم، ان کی بصیرت اور ان کے تخمینے ہیں یا خدائے قہار و جبار کا یہ فیصلہ اور عورت کو قوام، حاکم اور والیٔ مملکت بنانے کے انجام کے بارے میں واضح انتباہ

عورت کا دائرہ کار: یانساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولاً معروفاً ۝ وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولیٰ الایة (الاحزاب ۳۳)

نبیؐ کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو تو دبی زبان[1] سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص غلط خواہش میں مبتلا ہو جائے اور بھلائی کی بات کیا کرو۔ اپنے گھروں میں سکون اور وقار سے ٹک کر رہو اور سابق دورِ جاہلیت کی طرح زیب و زینت کا مظاہرہ نہ کرو۔

"وقرن فی بیوتکن" عورت کے اس مقام کے لیے نص صریح ہے جو اسلام اسے اجتماعی زندگی میں عطا کرتا ہے اسلام اسے گھر میں عزت و سکون سے بیٹھنے کا حکم دیتا ہے اور اس کے دائرہ کار کو اس چار دیواری تک محدود رکھتا ہے۔

جو عورتیں گھر کے دائرہ عمل میں مطمئن ہو کر نہیں بیٹھتیں اور جو مرد عورت کو اس دائرہ سے باہر نکالنے کو ضروری خیال کرتے ہیں انہیں غور کرنا چاہیئے کہ کیا وہ اپنی عقل، اپنے احساسات اور اپنے فہم و بصیرت کو ترجیح دیتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے لطیف و حکیم ہونے پہ ایمان رکھتے ہیں؟

عورت اور مرد کا فطری تفاوت،

(۳) واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشھداء ان تضل احداھما فتذکر احداھما الاخریٰ (البقرہ ۲۸۲)

اور تم اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بنا لو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ جن کو تم گواہوں میں سے پسند کرو۔ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اسے یاد کرا سکے۔

اس آیت میں مرد اور عورت کے مابین اس فطری اور قانونی تفاوت کو واضح فرمایا گیا ہے جو ہر بحث اور ہر مسئلے میں اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ نفس انسانی اور مرد و عورت کا خالق فرماتا ہے کہ شہادت میں مردوں ہی کی گواہی قبول کرو، اگر مرد موجود نہ ہوں تو عورت کو گواہ بنا سکتے ہو مگر اس کے لیے ایک شرط تو یہ ہے کہ عورت کے ساتھ ایک مرد گواہ ہو دوسرے یہ کہ عورت تنہا گواہ نہ ہو بلکہ دو عورتیں گواہ بنائی جائیں تاکہ اگر ایک عورت (اپنی جبلی کمزوری کی وجہ سے) واقعہ کو بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا سکے

[1] جو لوگ قرآن کو اپنے پیچھے لگانے کی بجائے خود قرآن کو حسب منشا بدلنا چاہتے ہیں۔ انہیں اس آیت میں گفتگو کے بارے میں دی گئی ہدایات اور جاہلیت اولیٰ کی سی زینت کے مظاہرے سے ممانعت کے بالمقابل آج کے دور کی انتخابی مہمات انتخابی جلسوں، انتخابی دوروں، انتخابی تقریروں اور انتخابی گفتگوؤں کا باہمی مقابلہ کر کے دیکھنا چاہیئے کہ کیا کوئی عورت انتخابات میں حصہ لے کر ان ہدایات کی پابندی کر نا تو کجا ان کی صریح خلاف ورزی سے محفوظ رہ سکتی ہے؟

اس آیت میں تو عورت کی شہادت تک کے بارے میں اسے یہ مقام دیا گیا ہے کہ اگر عورتیں ایک ہزار بھی ہوں گی تو ان کی شہادت قابلِ اعتماد نہ ہوگی البتہ اگر ایک مرد ساتھ ہو تو شہادت قبول کر لی جائیگی، شہادت سے آگے مسئلہ آتا ہے عورت کو قاضی (جج) بنانے کا قضا کے بعد مسئلہ ہے ممبرِ مجلس شوریٰ (اسمبلی پارلیمنٹ) کا اس کے بعد مرحلہ آتا ہے نائب سلطنت (گورنر) یا وزیر بننے کا اور سب سے آخری اور سب سے اونچا مقام ہے ملک کی صدارت کا۔ غور فرمائیے جو عورت تنہا شاہد نہیں ہو سکتی اور وہ تمام درمیانی مدارج پر بھی فائز نہیں ہو سکتی اگر کوئی شخص اس کے صدر ہونے کے جواز کا فتویٰ دے رہا ہے تو وہ قرآن کی واضح نصوص کے ساتھ کیا برتاؤ کر رہا ہے؟

صدرِ مملکت کے بعض اختیارات

اسی مقام پر یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ ہمارے ملک میں رائج قانون و آئین کی رُو سے بھی اور دُنیا کے دوسرے ممالک کے قوانین کے مطابق بھی سزائے موت کی تصدیق اور اس سزا کو معاف کرنے کی انفرادی صدر مملکت کو حاصل ہے۔ گویا حدود کے آخری جزو کے بارے میں صدرِ مملکت ہی آخری سند ہے جو عورت اس سلسلے کی ابتدائی کڑی۔ شہادت۔ میں تنہا قابلِ اعتماد نہیں وہ اس کی آخری سند بننے کی صلاحیت کہاں سے حاصل کر سکے گی۔

احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی تصریحات

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ طیبات میں عورت کے بارے میں جو مفصل ہدایات و احکام اُمّت کو دیئے گئے ہیں ان میں سے حسبِ ذیل پانچ عنوانات پر ہم چند احادیث پیش کرتے ہیں عنوانات حسبِ ذیل ہیں:۔

۱ : عورت کی جبلّت و فطرت

۲ : عورت کا دائرہ کار

۳ : اجتماعی زندگی میں عورت کا صحیح مقام

۴ : عورت کی امامت و قیادت۔

۵ : سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید انتباہ

عورت کی جبلت و فطرت

حضور سرورِ کونین بابآنا ہو و امہاتنا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عید کے موقعہ پر عورتوں کے مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔ ما رأیت من ناقصات عقل و دین أذهب للب الرجل الحازم

من احدا کنی ، فقلن وما نقصان دیننا و عقلنا یا رسول اللہ قال الیس شھادۃ المرأۃ مثل نصف شھادۃ الرجل فقلن بلیٰ قال فذالک من نقصان عقلھا ! الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم ؟ قلن بلیٰ ! قال فذالک من نقصان دینھا۔

(بخاری عن ابی سعید الخدری رضؓ)

میں نے عورتوں سے زیادہ کسی کو بھی دین اور عقل میں ناقص نہیں دیکھا اور نہ ہی دانا مرد کی عقل و دانش کو غارت کرنے میں کامیاب عورت سے زیادہ کسی کو پایا۔ عورتوں نے سوال کیا۔ حضور ہمارے دین اور عقل کا نقص کیا ہے ؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا عورت کی شہادت ، مرد کی شہادت کے بالمقابل نصف شہادت کی حیثیت نہیں رکھتی ؟ عورتوں نے اعتراف کیا کہ ہاں ، یہ بات تو درست ہے ، تو حضورؐ نے فرمایا یہ تو ہوا تمہاری عقل کی کمی کا ایک پہلو اور کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو وہ نماز نہیں پڑھتی اور نہ روزہ رکھتی ہے۔ عورتوں نے اسے بھی تسلیم کیا تو آپؐ نے فرمایا یہ عورت کے دین میں ناقص ہونے کا ایک رُخ ہوا۔

اس ارشادِ رسالتؐ میں پہلی حقیقت تو یہ بیان فرمائی گئی کہ عورت اپنی جبلت اور فطرت کے اعتبار سے مرد کے بالمقابل ناقص العقل ہے اور اس کی ایک لیکن سب سے قوی شہادت یہ ہے کہ جس خدا نے مرد اور عورت کو پیدا فرمایا اسی نے عورت کی شہادت کو مرد کی شہادت کے نصف حیثیت دی ہے۔ ایسا کیوں ہے ؟ اس لیے کہ مرد و عورت کے فاطر نے عورت کو جسم ، ذہن ، عقل اور جذبات ہر اعتبار سے ناقص اور منفعل بنایا ہے اور مرد کو جسم و ذہن اور عقل و جذبات ہر پہلو میں قوی اور موثر و فاعل۔

چونکہ امورِ سلطنت کا انتہائی گہرا تعلق عورت کے جسم ، عقل ، ذہن اور جذبات سے ہے اس لیے

---

۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ عقلمند اور دانشور ، مرد کی عقل کو غارت کرنے یا اسے زائل کرنے میں کامیاب ، میں نے عورت سے زیادہ کسی کو نہیں پایا۔ آج کس وضاحت سے یہ ارشاد ان لوگوں پر صادق آ رہا ہے جو عقل و فہم اور بصیرت و دانش سے موصوف خیال کیے جاتے تھے۔ مگر عورت کے پیچھے لگ کر ایسی ایسی بہکی باتیں کر رہے ہیں کہ ان کے زوالِ فہم اور فقدانِ بصیرت پر تعجب بھی ہوتا ہے اور افسوس بھی اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ان کی عقل پر ہوا و حرص کے دبیز پردے پڑ گئے ہیں اور ان کی بصیرت۔ لُب کا معنی اہلِ لغت نے عقلِ خالص یا جوہرِ عقل کیا ہے جسے بصیرت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ کو عورت کی دیمک چاٹ گئی۔ صدق رسول اللہ وکذب عباد المصلحۃ والاھواء۔

مناسب ہوگا کہ اس باب میں علم اعضاء الثانی (فزیالوجی) کے مسلمہ مشاہیر کی چند آراء نقل کر دی جائیں،

ہم اس مقام پر عالم اسلام کے مشہور مصنف، فرید وجدی کی کتاب "المراۃ المسلمۃ" کی ایک فصل کا وہ ترجمہ پیش کرتے ہیں جو مولانا ابوالکلام علیہ الرحمۃ نے کیا مصنف علام لکھتے ہیں

انسائیکلو پیڈیا کی شہادت،

انیسویں صدی کی انسائیکلو پیڈیا کا مصنف لفظ عورت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"مرد اور عورت میں اعضائے تناسل کی ترکیب و صورت کا اختلاف اگرچہ ایک بڑا اختلاف نظر آتا ہے لیکن صرف یہی ایک اختلاف نہیں ہے۔ عورت کے تمام اعضاء سر سے پیر تک مرد کے اعضا سے مختلف ہیں یہاں تک کہ وہ اعضا بھی جو بظاہر آخر الذکر سے بے حد مشابہ نظر آتے ہیں۔

پھر علم تشریح کی تحقیقات جدیدہ کے موافق عورتوں کے اعضاء پر نہایت دقیق بحث کی ہے اور تمام بحث کا آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے۔

" دراصل عورت کی جسمانی ترکیب قریب قریب بچّے کی جسمانی ترکیب کے واقع ہوئی ہے اس لیے تم دیکھتے ہو کہ بچّے کی طرح عورت کا بھی حاسہ ہر قسم کے اثر سے بہت جلد اور بہت زیادہ متاثر ہو جاتا ہے۔ بچّے کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی رنج اور افسوس کا واقعہ پیش آئے تو فوراً رونے لگتا ہے اور اگر کوئی خوشی کی بات ہو تو بے اختیار ہو کر اچھلنے کودنے لگتا ہے قریب قریب یہی حال عورت کا ہے کہ بہ نسبت مرد کے بہت زیادہ اس قسم کے جذبات سے متاثر ہوتی ہے کیونکہ یہ اثرات اس کے تصور پر اس طرح اثر ڈالتے ہیں کہ عقل کو ان سے لگاؤ نہیں ہوتا اور اسی لیے سخت خوفناک موقعوں پر عورت ثابت قدم نہیں رہ سکتی۔

عملی تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے قد کا اوسط طول مرد کے قد کی اوسط درازی سے بارہ سینٹی میٹر کم ہے یہ فرق کسی خاص ملک یا قوم سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ جس طرح وحشی اقوام میں پایا جاتا ہے اسی طرح متمدن ممالک میں بھی پایا جاتا ہے اور جوانوں کی طرح بچے بھی اس اختلاف کی شہادت دیتے ہیں۔

جس طرح عمر کے اوسط میں فرق پایا جاتا ہے اسی طرح جسم کے وزن اور ثقل میں بھی اختلاف ہے مرد کے جسم کے متوسط ثقل سینتالیس ۴۷ کیلو ہے۔ مگر عورت کے جسم کا متوسط ثقل بیالیس کیلو اور نصف سے کسی حالت میں زیادہ نہیں ہوتا۔ یعنی عورت کے جسم کا ثقل مرد کے ثقل سے پانچ کیلو کم ہوتا ہے۔

عضلات کے حجم و قوت کے لحاظ سے بھی عورت مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ڈاکٹر دونارینی انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ:۔ " مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو عورت کے جسم کے عضلات مرد کے عضلات سے

اس درجہ مختلف ہیں اور حجم و قوت کے لحاظ سے اول الذکر کے عضلات اس قدر ضعیف ہیں کہ اگر ان کی بھی قوت کے تین حصے کیے جائیں تو دو حصے قوت مرد کے حصے میں آئے گی اور صرف ایک حصہ قوت عورت میں ثابت ہو گی عضلات کی حرکت کی سُرعت اور ضبط کا بھی یہی حال ہے مرد کے عضلات جسمی عورت کی نسبت حرکت میں زیادہ تیز اور اپنے فعل میں زیادہ قوی ہیں۔

قلب جو انسانی زندگی کا اصل مرکز ہے اسی طرح اس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ عملی تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ عورت کا قلب مرد کے قلب سے ساٹھ ڈرام چھوٹا اور خفیف ہوتا ہے۔

سرعت تنفس کے لحاظ سے بھی عورت اور مرد میں عظیم الشان اختلاف ہے۔ عملی تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ سانس کے ذریعے سے کاربونک ایسڈ کے جو ذرات باہر آتے ہیں وُہ اندرونی حرارت کی گرمی سے بخارات بن کر سانس میں ملے ہوئے نکلتے ہیں اس تجربے کی بناء پر تحقیق کیا گیا تو معلوم ہُوا کہ مرد ایک گھنٹہ میں تقریباً گیارہ ڈرام کاربن کی مقدار جلا دیتا ہے مگر عورت چھ ڈرام سے کچھ زیادہ مقدار جلاتی ہے اس سے ثابت ہوتا کہ عورت کی حرارت غریزی بھی مرد کے مقابلہ میں بہت کم یا نصف سے کچھ ہی زائد ہے۔

عورت کا دماغی ضعف،

یہ تمام تحقیقات اور اقوال عورت کے جسمانی ضعف کو کن قطعی دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں قاسم امین بک (عورتوں کو سیاست میں گھسیٹنے کے نظریہ کا ایک مصری علمبردار) کے دعوئے مساوات پر کس قسم کا اثر ڈالتے ہیں؟ اس کا فیصلہ ناظرین کی طبع سلیم پر چھوڑ کر اب ہم اس مسئلہ کے دُوسرے پہلو پر متوجہ ہوتے ہیں اور عورت اور مرد کا معنوی اختلاف اور اوّل الذکر کا دماغی ضعف وضاحت کے ساتھ دکھلاتے ہیں۔

مرد اور عورت کی وجدانی قوت کا تفاوت

مشہور رشلسٹ فلاسفر علامہ پرودُن اپنی کتاب ابتکار النظام میں لکھتا ہے کہ عورت کا وجدان بمقابلہ مرد کے وجدان کے اس قدر ضعیف ہے جس قدر اس کی عقلی قوت مرد کے مقابلہ میں ضعیف نظر آتی ہے اس کی اخلاقی قوت بھی مرد کے اخلاق سے بالکل مختلف ہے۔ اور دوسری قسم کی طبیعت رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ جس چیز کے حسن و قبح کے متعلق وہ رائے قائم کرتی ہے وُہ مرد کی رائے سے مطابق نہیں ہوتی۔ پس عورت اور مرد میں عدم مساوات کوئی عارضی امر نہیں ہے بلکہ عورت کی طبعی خاصیت پر مبنی ہے حواسِ خمسہ جن پر انسان کی عقلی اور دماغی نشو و نما کا مدار ہے اس میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ نیکوس اور علامہ بیلی نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے حواس خمسہ مرد کے حواس سے ضعیف تر ہیں۔

(الف) عورت کی قوتِ شامہ کی طاقت سے یہ امر باہر ہے کہ وہ ایک خاص فاصلہ سے عطر لیموں کی خوشبو محسوس کر سکے برخلاف مرد کے اس کی قوتِ شامہ اس قدر قوی ہے کہ اس درجہ کی خوشبو کو آسانی سے محسوس کر لیتا ہے جس سے دوچند مقدار کی خوشبو سے عورت کو احساس ہو سکتا ہے۔

(ب) اسی طرح تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ عورت ہلکے براسک ایسڈ کی بو ۱/۲۰۰۰۰۰ کی نسبت سے اور مرد ۱/۱۰۰۰۰۰ سے محسوس کر سکتا ہے جو ضعف کی بین دلیل ہے۔

(ج) ذوق اور سمع کا حاسہ بھی عورت سے مرد کا بہت زیادہ قوی ہے اس کے لیے کسی تشریحی دلیل کی ضرورت نہیں انسائیکلو پیڈیا نے تصریح کر دی ہے کہ

"اسی ضعف کا نتیجہ ہے کہ طعام کی عمدگی اور بدمزگی کے پہچاننے والے، آواز کے پرکھنے والے اور پیانو کی راگوں کے نقاد کل کے کل مرد ہیں۔ ایک عورت نے بھی خود کو ان باتوں میں باکمال ثابت نہیں کیا۔

(د) قوتِ لامسہ کے متعلق علامہ لومبروزر اور سیرجی وغیرہ استادوں کی متفقہ تحقیق ہے کہ عورت میں یہ قوت مرد کی نسبت بہت ضعیف پائی جاتی ہے ان کی محققانہ دلیل یہ ہے کہ جن آلام اور تکالیف کی متحمل عورت ہوتی ہے۔ مرد اس قدر نہیں ہو سکتا یہ ظاہر فرق بتلا رہا ہے کہ مرد کی نسبت عورت کی قوتِ احساس ضعیف بلکہ ضعیف تر ہے علامہ لومبروزر کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔

حمل اور وضع حمل کی شدید تکالیف پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ عورت دُنیا میں کیسے کیسے آلام اور مصائب کی متحمل ہو سکتی ہے اگر مرد کی طرح اس کا احساس قوی ہوتا تو ان تمام سختیوں کی کیونکر متحمل ہو سکتی؟ درحقیقت نوع انسانی کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ قدرت نے اس کو قوی احساس سے محروم رکھا ہے ورنہ بقی نوع انسان کے نازک اور تکلیف دہ فرائض کی انجام دہی ایک غیر ممکن بات ہو جاتی۔"

(س) قوتِ ادراک کا اصلی مرکز انسان میں "بھیجا" ہے اسی کی کمی اور زیادتی اور ضعف و قوت پر ادراک کی تیزی اور سستی کا دار و مدار ہے لیکن ہم جب سائیکلوجی کے تجارب کو پیشِ نظر رکھ کر غور کرتے ہیں تو اس میں بھی عورت ضعیف تر ثابت ہوتی ہے علم مذکور نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے بھیجے اور مرد کے بھیجے میں مادۃً اور شکلاً سخت اختلاف ہے مرد کے بھیجے کے وزن کا اوسط عورت کے بھیجے سے سو ڈرام زیادہ ہے اگر کوئی اس کے جواب میں کہے کہ یہ زیادتی عورت اور مرد کے جسمانی اختلاف پر مبنی ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ تحقیق ہو چکا ہے کہ مرد کے بھیجے کی مقدار اس کی جسمی حالت سے وہ نسبت رکھتی ہے جو چالیس کے عدد کو ایک سے ہوتی ہے مگر عورت کا بھیجا اس کی جسمانی قوت سے چوالیس اور ایک کی نسبت رکھتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر عورت کے بھیجے کی کمی جسمانی ضعف پر مبنی

تو مقابلتہً یہ اختلاف کیوں پایا جاتا ہے۔[1]

علاوہ اس کے عورت کے سر کے بھیجے میں خم و پیچ نہایت کم ہیں اور اس کے پردوں کا نظام بھی نامکمل ہے علماء نے سائیکلوجی نے اس اختلاف کو ان دونوں جنسوں کے ممیزات میں ایک اہم امر قرار دیا ہے۔

اسی طرح مرد اور عورت کے بھیجوں کے جوہر سنجابی میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے جوہر سنجابی قوتِ ادراک کا نقطہ اور مرکز ہے اس لیے یہ اختلاف کوئی معمولی اختلاف نہیں ہے۔

جہاں تک کیمسٹری کی علمی تحقیقات اور تجارب نے پتہ لگایا ہے جمادات بھی اس اختلاف سے محفوظ نہیں۔ عود۔ خرما۔ کیلا کے درختوں میں جہاں نر اور مادہ کا امتیاز ثابت ہوا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ نر درخت کو مادہ درخت پر طبعی قوت کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہے۔ حیوانات میں جو تسلط اور غلبہ اپنی مادہ پر ہوتا ہے اس کے لیے علمی دلائل کی ضرورت نہیں روزانہ مشاہدہ کافی ہے نر اپنی مادہ کی خبرگیری اور حفاظت کرتا ہے۔ حمل کے زمانہ میں اس کو آرام سے رکھتا ہے خود پر اس کو ترجیح دیتا ہے نسبتاً" زیادہ محنت کرتا ہے اس سے زیادہ یہ کہ مادہ سے نر کا قد و قامت عموماً" زیادہ ہوتا ہے۔ تشریح نے ثابت کر دیا ہے کہ نر کے جسمانی قویٰ خارجی اور داخلی اعضاء مادہ سے بہت زیادہ قوی ہوتے ہیں طب کا محققانہ اصول ہے کہ مادہ کی بنسبت نر کا گوشت زیادہ قوی اور طاقت بخش ہوتا ہے۔

فزیالوجی کا یہ مسلم اصول ہے کہ انسان کی عقلی قوت و ضعف کا سرچشمہ دماغ ہے۔ احمقوں اور بے وقوفوں کا دماغ مشاہیر عقلاء کے دماغ سے بالکل مختلف ہوتا ہے تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جو لوگ زندگی میں احمق اور ناقص العقل مشہور تھے جب ان کے دماغ کو وزن کیا گیا تو تینتیس اوقیہ سے کسی حالت میں بھی زیادہ ثابت نہیں ہوا۔ لیکن جن لوگوں کی عقل کی تیزی، ذہن کی سرعت، خیال کی بلندی عام طور پر مسلم تھی ان کے دماغ تولے گئے تو ساٹھ اوقیہ سے بھی وزن متجاوز ثابت ہوئے یہی قوائے عقلیہ کا سرچشمہ ہے جس میں مرد کا پلا عورت سے بدرجہ بڑھا ہوا ہے۔ مرد کے دماغ کے وزن کا اوسط عام طور پر ۴۹½ اوقیہ

---

[1] مصنف نے دماغی قویٰ پر بحث کرتے ہوئے دماغ کے وزن مخیخ کے اختلاف پر قصداً" یا سہواً" توجہ نہیں کی۔ حالانکہ عورتوں کے اصلی ضعف کی بناء اسی اختلاف پر ہے دماغ کے وزن کا اختلاف ہم آگے چل کر دکھلائیں گے لیکن مخیخ کی نسبت (۱) ۸½ کی ثابت ہوتی ہے مگر عورتوں کے دماغ میں زیادہ سے زیادہ (۱) اور (۱/۴) کی نسبت ہوتی ہے یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ مخیخ دماغ کے ان اجزاء میں سے ہے جن کی مقدار کی زیادتی پر عقل اور فکر کی تیزی اور عمدگی کا دار و مدار ہے (التوضیح فی اصول التشریح صفحہ ۲۱۲)

ہے اور عورت ہے دماغ کا وزن صرف ۴۴- دو سو اٹھہتر مردوں کے دماغ وزن کیے گئے تو سب سے بڑے دماغ کا وزن ۶۵ اوقیہ اور سب سے چھوٹے دماغ کا وزن ۳۴ اوقیہ ثابت ہُوا۔ لیکن جب دو سو اکانوے دماغ عورتوں کے وزن کیے گئے تو سب سے زیادہ وزنی دماغ ۵۴ اوقیہ کا اور سب سے کم وزنی دماغ ۳۱ اوقیہ کا نکلا۔ کیا یہ اختلاف اس امر کا بہترین ثبوت نہیں ہے کہ عورتوں کے عقلی قویٰ مردوں کے قویٰ سے بدرجہ ضعیف ہیں۔ دماغ جو قوائے عقلیہ کا اصلی مرکز ہے جب اس کا یہ حال ہے تو پھر عورتوں کا یہ دل گردہ کہاں کہ وہ مردوں کی برابری کا دعویٰ کر سکیں۔ لہ

عورت میں اس تمام تشریحی ضعف کے ساتھ انفعال اور ہیجان کی قوت مرد سے بہت زیادہ ہے اس کے دماغ میں احساس اور تہیج کے مرکز مرد کے دماغ کی نسبت زیادہ بہتر ترکیب رکھتے ہیں اور یہی ایک ایسی چیز ہے جس میں عورت کا پلہ مرد سے بڑھا ہُوا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس قوت سے بھی عورت کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی۔ کیونکہ ہیجان اور احساس کی زیادتی کا نتیجہ یہ ہے کہ عورت عقلی دائرے میں اور زیادہ ناکام ہو گئی ہے چنانچہ النسائیکلوپیڈیا میں پروفیسر دوفارین لکھتا ہے:۔

"یہ اختلاف ان دونوں جنسوں کے ظاہری تمیزات سے بالکل مطابق ہے مرد میں ذکاء وفہم اور ادراک کا مادہ زیادہ ہے اور عورت میں انفعال اور ہیجان کا جذبہ بڑھا ہُوا ہے۔

ایک اور مشہور مصنف علامہ ترو سیر ہیجان کی زیادتی سے عورت کے طبعی ضعف پر استدلال کرتا ہے اس کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔

عورت کے عصبی ضعف کا یہ نتیجہ ہے کہ تم اس کے مزاج میں مرد کی نسبت زیادہ ہیجان پاتے ہو اور اس کی توجہ سے اپنے طبعی فرائض، حمل، وضع اور ارضاع کی طرف اس کو مختلف قسم کی تکلیفوں اور خطروں میں ڈال دیتی ہے"

راز دروں پردہ ز رنداں مست پرس ؎ کیں حال نیست صوفی عالی مقام را،

عورت کے نقصان عقل کی یہ طبی اور عضویاتی تشریح کسی مزید دلیل کی محتاج نہیں اور پوری دنیا کی معاشرتی نیز سیاسی تاریخ شاہد ہے۔ کہ جب کبھی کسی ——— اہم مسئلے کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں

لہ التوضیح فی اصول التشریح صفحہ ۱۰۷، کتاب مذکور ڈاکٹر یوحنا ورٹیٹ پروفیسر تشریح و فزیالوجی کی مستند تصنیف ہے۔ جدید تشریح میں اس سے بہتر کوئی کتاب عربی میں نہیں لکھی گئی۔ پہلی مرتبہ مصر میں چھپی پھر ترمیم و ترتیب کے بعد بیروت سے شائع ہوئی بیروت ——— کا ایڈیشن پیش نظر ہے

آتی ہے عورت نے کم اندیشی، بے بصیرتی۔ جذباتیت اور عجلت مزید برآں ضد اور حسد ایسے اخلاقِ سیّئہ کی وجہ سے ان معاملات کو خراب کیا ہے اور اس سے قوموں اور ملکوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔"

عورت کے "ناقص العقل" ہونے پر اس فاضلانہ بحث میں کسی اضافہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ؎

عورت کی فطرت اور بارِ حکومت

حدیثِ زیرِ بحث کا دُوسرا جزو ہے عورت کے ناقص فی الدین ہونے کی وضاحت پر مشتمل ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے دینی نقص کے سلسلے میں فرمایا کہ "جب وہ حائضہ ہوتی ہے تو وہ نماز اور روزہ ادا نہیں کر سکتی"۔ یہاں تک تو عورت کے دینی نقص کا دائرہ اس کی ذات تک محدود ہے۔ لیکن اگر اس پہلو پر بنظرِ عمیق غور کیا جائے تو صحیح صُورت یہ سامنے آتی ہے کہ عورت اپنی جبلت اور فطرت وجسمانی ساخت مزید براں نسوانی عوارض و فرائض کے اعتبار سے ہرگز اس لائق نہیں کہ مملکت کے امور کی دیکھ بھال اس طرح کر سکے جس طرح مرد کر سکتا ہے

سوچئے عورت ہر ماہ ایامِ حیض گزارنے پر مجبور ہے یہ حاملہ بھی ہوتی یا کم از کم ہو سکتی ہے اس پر زچگی کا زمانہ بھی آتا ہے۔ اسے رضاعت سے بھی عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے اور اسے اپنے خاوند کے بعض حقوق و فرائض کی ادائیگی کے لیے اس کے حسبِ منشا گھریلو زندگی اختیار کئے بغیر چارہ نہیں یہ بات کسی مفروضہ پر مبنی نہیں یہ روزمرہ کی سی بات ہے کہ عورت بحالتِ حمل ہے سفر کے قابل نہیں ادھر اندرونِ ملک کوئی اہم ترین مسئلہ درپیش ہے جس کے لیے اسے ہفتوں سفر کرنا ہے بعض سفر ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں اسے جسمانی محنت اور ذہنی کوفت و اذیت سے بھی واسطہ پڑے یہ بے چاری اس حالت میں کیا کرے گی۔؟

اس کے گھریلو فرائض اسے چند ماہ، چند ہفتے، نہ سہی چند ایام گھر پر رہنے کے لیے مجبور کرتے ہیں۔ ادھر اسے انتخابی مہم درپیش ہے۔ صوبوں میں وزارتوں کے تنازعات سے اسے عہدہ برآ ہونا ہے کسی ہنگامے کے فرو کرنے کے لیے اسے فوری طور پر سفر مطلوب ہے یہ ان سب امور سے کس طرح عہدہ برآ ہو گی؟ اور آگے بڑھیئے۔ خدانخواستہ اچانک ملک کی سرحدوں پر حالتِ جنگ رونما ہو جاتی ہے اسے محاذِ جنگ پر دوڑنا، اڑنا اور چلنا پھرنا ہے۔ لیکن اس کی حالت دُوسری نوعیت

ؔ؎ مسلمان عورت مترجمہ مولانا ابوالکلام آزادؒ

کی ہے ایسے عالم میں ملک و ملّت کا کیا بنے گا؟

غرض عورت کے یہ فطری اور جبلی حالات ہرگز اس امر کی اجازت نہیں دیتے کہ یہ پوری قوم کی قیادت و راہ نمائی کا بارِ گراں اپنے ناتواں کندھوں، ناقص دماغ، مبتلائے عوارضِ فطریہ جسم پہ لاد سکے۔

اس باب میں متعدد روایات اور بھی اس لائق ہیں کہ انہیں زیرِ بحث لایا جائے لیکن ہم اس بحث کو مختصر کرنے کی خاطر اس عنوان کے تحت اسی ایک روایت پہ اکتفا کرتے ہیں اور اسی طرح دوسرے عنوانات میں بھی اختصار سے کام لیں گے۔

عورت کا دائرہ کار احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

قرآن و حدیث کا ہر طالبِ علم اس حقیقت سے کما حقہٗ آگاہ ہے کہ اسلام میں سب سے اونچا عمل جہاد ہے یعنی خدا کی راہ میں۔ خدا کے دین، امتِ مسلمہ کے افراد اور اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دینا اور خدا کے دشمن کے مقابل سینہ سپر ہو جانا اس عظیم فریضہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام کی سب سے اونچی چوٹی (ذروۃ سنامہ الجہاد) سے تعبیر فرمایا ہے اور اس عمل کے بارے میں فرمایا کہ جنت تلوار کے سائے تلے ہے (الجنۃ تحت ظلال السیوف) مزید برآں جہاد ہی وہ عمل ہے جو بالعموم مملکت، اسلام اور ملتِ اسلامیہ، تینوں سے محبت و اخلاص اور ان سے وفاداری کی سب سے بڑی سے علامت قرار پاتا ہے اور اس سے گریز کرنے والا خدائے عادل و قہار کے ہاں منافق شمار کیا جاتا ہے۔

اس عظیم تر عمل اور اہم ترین فریضہ دینی کی تڑپ عہدِ رسالت کی خواتین میں بھی پیدا ہوئی تو انہوں نے اپنے ہاں کی ایک فقیہہ اور فصاحت و بلاغت سے بھرپور گفتگو کا ملکہ اور دینی مزاج رکھنے والی عورت اسماء بنت زیدؓ کو، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، اس نے جو کچھ کہا اس کا جو جواب لسانِ رسالت ﷺ نے دیا اس کی تفصیل صاحب استیعاب ابن عبد البرؒ کی روایت سے سنئے

انہا اتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت انی رسول من ورائی جماعۃ نساء المسلمین کلھن یقلن بقولی و علی مثل رایی ان اللہ تعالی بعثک الی الرجال و النساء فامنا بک و اتبعناک و نحن معاشر النساء مقصورات قواعد بیوت و مواضع شہوات الرجال و حاملات اولادھم و ان الرجال فضلوا بالجماعات و شہود الجنائز و الجہاد و اذا خرجوا للجہاد حفظنا لھم و ربینا اولادھم افنشارکھم فی الاجر یا رسول اللہ ﷺ فالتفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوجھہ الی اصحابہؓ

فقال هل سمعتم مقالة امرأة أحسن سؤالاً عن دينها من هذه فقالوا بلى والله يا رسول الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم انصرفي يا اسماء واعلمي من ورائك من النساء ان حسن تبعل احداكن لزوجها وطلبها لمرضاته واتباعها لموافقته يعدل كل ما ذكرت فانصرفت اسماء وهي تهلل وتكبر استبشاراً بما قال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم [1]

اسماءؓ نے عرض کیا:-

"میں مسلمانوں کی عورتوں کی ایک جمعیت کی نمائندہ اور پیامبر کی حیثیت سے حاضر ہوئی ہوں وہ سب کی سب وہی بات کہتی ہیں جو میں عرض کر رہی ہوں اور ان کی رائے وہی ہے جو میری ہے۔

اللہ کے رسولؐ! اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مردوں اور عورتوں دونوں کی جانب بھیجا ہے ہم آپؐ پر ایمان لائی ہیں اور ہم نے آپ کی پیروی کی ہے لیکن ہم گھروں میں بند بیٹھی ہیں ہم مردوں کی دلی آرزوؤں کا محل ہیں اور ان کی اولادوں کو اٹھائے رہتی ہیں اور اس کے برعکس مرد فضیلت دیے گئے ہیں اجتماعی امور میں جانے۔ جنازوں اور جہاد میں شرکت کی بناء پر اور جب وہ جہاد پہ نکلتے ہیں تو ہم ان کے گھروں کی حفاظت کرتی ہیں ان کی اولاد کی تربیت کرتی ہیں تو کیا ہم ان کے ساتھ اجر میں شریک ہوں گی؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی جانب توجہ فرمائی اور فرمایا کیا تم نے دین کے بارے میں کسی عورت کی گفتگو اس سے بہتر انداز میں سنی ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں اس نے بات بلاشبہ بہت اچھے انداز میں کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسماءؓ! تم واپس لوٹو اور جن عورتوں نے تمہیں بھیجا ہے انہیں جاکر بتاؤ کہ تمہارا اپنے خاوندوں کے ساتھ حسنِ سلوک معاشرتی و خانگی امور میں بہتر طرزِ عمل اور مردوں کی خوشنودی طلب کرنا اور ان کی فرمانبرداری کرنا اور ان سے ہم آہنگی یہ باتیں ان تمام امور کے ہم پایہ ہیں جن کا تذکرہ تم نے کیا ہے۔

غور فرمایئے، عورتیں، صحابہ کرام کی پاک نفس عورتیں، ولولہ جہاد سے سرشار، اجر، آخرت کی طلب اور مردوں کی طرح میدان کارزار میں آکر جہاد و قتال سے سرفراز ہونے کی تمنا لے کر سرور کونین فداہ انفسنا وارواحنا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی معروضات ایک ایسی صحابیہؓ

[1] الاستیعاب لابن عبدالبر فی اسماء الاصحاب تذکرہ اسماء بنت زید ج ۴

کے توسط سے پیش کرتی ہیں۔ جن کی فصاحت اور دینی ولولہ کی شہادت، خطیب الانبیاء علیہ التحیۃ والتسلیم بھی دیتے ہیں۔ لیکن جہاں تک عورت کے فرائض اور اس کے دائرہ کار کا تعلق ہے سید الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نہ ان کے جذبات سے متاثر ہوئے۔ نہ دنیا کی اس ضرورت کو اہمیت دیتے ہیں کہ کل کوئی وقت ایسا بھی آسکتا ہے جب امت کو میدانِ جہاد میں عورت کی خدمات کی ضرورت پڑ جائے تو کوئی لچک یا کوئی استثنا فرمادیں۔ بلکہ آپ بلا ابہام فرماتے ہیں کہ اگر تم خدائے ذو الجلال کے ہاں اجر کے متمنی ہو تو تم اس دائرہ کار میں محدود رہو جو تمہارے خدا نے تمہارے لیے مقرر کیا ہے اور یہ ہے تمہارا گھر میں رہ کر اپنے خاوندوں کی اطاعت کرنا، انہیں خوش رکھنا اور جب وہ میدانِ جہاد اور اجتماعی مقاصد و مہمات میں مصروف ہوں تو انہیں یہ اطمینان مہیا کرنا کہ تمہاری غیبوبت میں تمہارے گھر تمہارے اہل و عیال اور تمہارے مال و اسباب سبھی محفوظ ہیں اور ہم ان کی نگران ہوں اور محافظ۔

اب جو لوگ دین کی مصلحت، ملت کی بہبود اور ایک اسلامی یا بوجہ تنزل مسلمان ملک کی سربراہ کاری کے لیے عورت کے انتخاب کے "جہاد" کو ایک دینی ضرورت یا کم از کم شرعی نقطہ نظر سے بوجہ شدید ضرورت جائز قرار دیتے ہیں انہیں اس دو ٹوک فیصلے پر غور کرنا چاہیے جو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرحلے پر ارشاد فرمایا۔

مناسب ہوگا اس ضمن کی چند احادیث کسی وضاحت کے بغیر پیش کر دی جائیں تاکہ جو لوگ لسانِ رسالت ﷺ سے مسئلے کی مکمل وضاحت کے طالب ہوں ان کی ایمانی حلاوت کا سامان مہیا ہو سکے۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها انها قالت يارسول الله نرى الجهاد افضل العمل افلا نجاهد قال لا لكن افضل الجهاد حج مبرور (وفي رواية البخاري) جهادكن الحج رواه احمد والبخاري وفي رواية احمد عليكن بالبيت فانه جهادكن۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ! ہم جہاد میں شریک نہ ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہرگز نہیں! (تمہارے لیے) افضل جہاد، غلطیوں سے پاک حج ہے۔ تم گھروں کو لازم پکڑو یہی تمہارا جہاد ہے۔

عن حشرج ابن زياد عن جدته ام ابيه انها خرجت مع النبي صلى الله عليه وسلم غزوة خيبر سادس ست نسوة فبلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم فبعث الينا فجئنا فرأينا فيه الغضب فقال مع من خرجتن وباذن من خرجتن؟ فقلنا يارسول الله خرجنا نغزل

الشعر و نعین فی سبیل اللہ ومعنا دواء للجرحیٰ ونناول السہام ونسقی السویق قال فقمن فانصرفن۔ الحدیث رواہ : احمد و ابو داؤد

حشرج بن زیاد کی والدی غزوہ خیبر میں اپنی پانچ ہمراہیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نکلیں۔ جب اس کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے ان عورتوں کو پیغام بھیج کر بلایا جب یہ حاضر ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر غضب کے آثار نمایاں تھے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا تم کن کے ساتھ نکلی ہو اور کس کی اجازت سے؟

عورتوں نے عرض کیا۔ اللہ کے رسول ہم اس لیے نکلی ہیں کہ مجاہدین کے لیے رسیاں بُنیں، اللہ کی راہ میں ان کی مدد کریں، ہمارے پاس دوائیں ہیں ان سے ہم زخمیوں کی مرہم پٹی کریں گی۔ ہم مردوں کو تیر پکڑائیں گی اور انہیں ستو گھول کر پلائیں گی، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم واپس لوٹ جاؤ (الحدیث)

اجتماعی زندگی میں عورت کا مقام،

عن حذیفۃ رض قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول خطبتہ الخمر جماع الاثم والنساء حبائل الشیطان وحب الدنیا رأس کل خطیئۃ وسمعتہ یقول اخروا النساء حیث اخرھن اللہ رواہ رزین

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شراب گناہوں کا مجموعہ ہے۔ عورتیں شیطان کی زنجیریں ہیں اور دنیا کی محبت ہر خطا کی بنیاد ہے اور آپ نے فرمایا۔ عورتوں کو اس حد سے پیچھے رکھو جہاں تک اللہ تعالیٰ نے انہیں مؤخر رکھا ہے۔

یہ ارشادِ رسالت، واضح تفسیر ہے۔ سورہ احزاب کی آیت "وقرن فی بیوتکن" کی قرآن عزیز نے عورتوں کو گھروں میں ٹک رہنے کا حکم دیا ہے۔ عہدِ رسالت کی عورتوں نے اپنی دینی حس کی بنا پر مردوں کے دوش بدوش حفاظت دین اور اسلامی مملکت کی حفاظت و خدمت کے لیے میدان جہاد میں جانے کی اجازت طلب کی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے برملا فرمایا کہ تمہارا جہاد حج و عمرہ ہے۔

اس مقام پر سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ایک جانب تو انتباہ فرماتے ہیں کہ عورت کا مسئلہ شیطانی قوتوں کا بہت بڑا ہتھیار ہے گمراہ ہونے اور ہلاک ہونے والی قوموں کی بربادی اور تباہی میں عورتوں کی بے راہ روی اور دینی حدود سے تجاوز، اپنے گھروں سے نکل کر مارکیٹوں، دفتروں اور امورِ سلطنت میں دخل اندازی کا بہت بڑا دخل ہے اور مردوں کی عظیم تعداد عورتوں سے غلط طریق پہ خلط ملط کی وجہ سے دنیوی ذلت اور اخروی عذاب کی مستحق ہوئی ہے اور بہت سے مرد، اپنی عقل و فراست

اپنی دانائی اور فہم اور اپنی ثقاہت و شرافت کو عورت ہی کی وجہ سے ضائع کر کے حماقت و ندامت سے ہمکنار ہوتے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

اس انتباہ کے بعد، اُمت کے رؤف و رحیم ہادی بصد شفقت انتباہ فرماتے ہیں کہ رب العزت تبارک وتعالیٰ نے عورتوں کو جس دائرے میں محدود رکھا ہے اور ان کے کام کی جو حدود متعین کی ہیں، اگر تم فلاح و بہبود چاہتے ہو اور اگر تم شیطان کی گرفت سے آزاد اور دنیوی و اخروی خسران و ہلاکت سے محفوظ رہنے کے متمنی ہو تو عورتوں کو ان کے اس دائرے تک محدود رکھو۔

غور کیجئے عورتوں کے مقام کو متعین کرنے اور انہیں اپنے گھر کے دائرہ تک محدود رکھنے کی اہمیت و حکمت واضح کرنے کے لیے اس سے زیادہ وضاحت کی ضرورت ہے؟

بایں ہمہ جو لوگ دین ہی کے نام پر عورت کو اپنی حدود سے متجاوز کرنے کے لیے کوشاں ہیں انہیں خدائے قہار کے حضور جوابدہی کے تصور سے اپنی ان مخرب دین و اخلاق حرکتوں سے توبہ کر کے تلافی مافات کی جانب متوجہ ہونا چاہیئے۔

عورت کی امامت و قیادت،

ان سرسری مباحث کے بعد اب زیر بحث موضوع پر وہ ارشادات رسالت ملاحظہ فرمائیے جو نص صریح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

عن ابی ھریرۃ رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان امراؤکم خیارکم و اغنیاؤکم سمحاءکم و امورکم شوریٰ بینکم فظھر الارض خیر لکم من بطنھا و اذا کان امراؤکم شرارکم و اغنیاؤکم بخلاءکم و امورکم الیٰ نساءکم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا۔ رواہ الترمذی،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے امراء تم میں سے بہترین انسان ہوں، تمہارے متمول لوگ سخی ہوں اور تمہارے امور و معاملات باہمی مشورے سے طے ہوں تو زمین کی پیٹھ اس کے پیٹ سے تمہارے لیے بہتر ہے اور جب تمہارے امراء وہ ہوں جو تم میں سے سب سے زیادہ شریر ہوں۔ تمہارے ہاں کے سرمایہ دار بخیل ہوں اور تمہارے امور و معاملات، تمہاری عورتوں کی جانب منتقل ہو جائیں تو زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے تمہارے لیے بہتر ہے۔

یہ حدیث نبوی ان اساسی اور جامع کلمات نبوت میں سے ہے جن میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے خیر و برکت ہونے اور اسی کے موت سے بدتر ہونے کے سب سے بڑے راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے

اس فرمودہ برحق میں واضح کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بھی وقت ہیں، امور و معاملات کی باگ ڈور یا ملک و قوم کی سربراہ کاری اور زمام کار عورت کے ہاتھ میں دیکر ملکی قومی اور ملی بہبود حاصل کی جا سکتی ہے وہ بالفاظ صحیح اپنے فہم کو، نعوذ باللہ من ذالک، فہم رسالت سے زیادہ صحیح تصور کرنے کی ایمان سوز حرکت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

خدا لئے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں کہ عورتوں کے ہاتھ میں زمام کار دینا تو کجا، مسائل و معاملات کا ان کی جانب جھکاؤ زندگی کو موت سے بدتر بنانے کا بہت بڑا باعث ہے اور یہ مدعیان ایمان و فراست دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر عورت کو سربراہِ مملکت بنا دیا گیا تو زندگی جنت کا نمونہ بن جائے گی ورنہ قوم جہنم میں گر جائے گی۔ یا اسفی علیٰ ما فرطوا فی جنب الرسالۃ

عن ابی بکرۃ رض قال نفعنی اللہ بکلمۃ سمعتھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام الجمل بعد ما کدت ان الحق باصحاب الجمل فاقاتل معھم قال لما بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اھل فارس قد ملکوا علیھم بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ"

رواہ البخاری،

ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ جمل کے ایام میں مجھے لسانِ رسالت سے سنے ہوئے ایک ارشاد نے بہت فائدہ پہنچایا، قریب تھا کہ میں اصحاب جمل کے ساتھ جنگ میں شریک ہو جاتا (لیکن اس کلمے نے جو میں نے حضور سے اس وقت سنا تھا) جب آپ کو یہ اطلاع پہنچی کہ اہل فارس نے اپنی سربراہی کے لیے کسریٰ کی بیٹی کو منتخب کیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جنہوں نے اپنے معاملات کا والی عورت کو بنایا"۔

جیسا کہ آگے تفصیل سے بیان ہو گا۔ امت کا ہر طبقہ ائمہ، محدثین، مفسرین، فقہا، متکلمین، اہل فتویٰ اہل اجتہاد، سبھی اس حدیث کو نص صریح تسلیم کرتے ہیں۔ عورت کے سربراہِ مملکت نہ بنائے جانے پر اور اس سے بھی زیادہ واضح حقیقت اس قول صادق میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اقوام و ملل کی فلاح و بہبود کے راستے اس وقت بند ہو جاتے ہیں جب کوئی قوم اس غیر فطری طریق کار کو اپنا لیتی ہے کہ اپنے مردوں کو چھوڑ کر ملک کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دے دیتی ہے۔

فلاح سے محرومی کا راستہ،

اگر اسلام دین حق ہے، اگر قرآن خدا کی کتاب ہے اور اگر اسلامی شریعت مظہر فطرت الہیہ ہے تو یہ

بات بھی برحق ہے کہ خدائے اسلام، منزلِ قرآن اور شارعِ حقیقی اللہ رب العزت نے عورت کو محکوم اور مرد کو حاکم بنایا ہے۔ اب جس قوم کے مرد، خدا کی عطا فرمودہ سیادت و قیادت اور شرافت و نجابت سے دستکش ہو کر اپنی محکوم، اپنے زیرِ کفالت، "ناقص العقل، ناقص ... اور ناقص الدین عورت کو، خود اپنے، اختیار سے اپنی مرضی سے بلکہ اپنی پیہم اور مسلسل کوشش سے اپنا حاکم بنانے میں مصروف ہو جائیں تو اس میں کیا شبہ ہوا کہ وہ ایک غیر فطری فعل کے مرتکب ہو رہے ہیں بالفاظِ صحیح انہوں نے آئینِ فطرت اور دینِ سماوی کو ٹھکرا کر یہ چاہا ہے کہ انہیں فلاح و کامرانی حاصل ہو۔ اب اگر واقعی انہیں کامیابی (حقیقی اور ابدی کامیابی نہ کہ تصوراتی اور چند لمحات کی کامیابی) حاصل ہو جائے تو خاکم بدہن، خدا کے سچے نبی کا یہ ارشاد غلط ہوا کہ جو قوم اپنا والی عورت کو بناتی ہے وہ فلاح سے محروم ہو جاتی ہے۔

جو قائدین عامۃ الناس کو یہ بتلانے میں مصروف ہیں کہ آج ملی بہبود اور قومی کامرانی کا واحد راستہ یہ ہے کہ ایک عورت کو ملک کا حکمران بنایا جائے اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واضح ارشاد کی تکذیب کے درپے ہیں جو جسارت کے عمداً مرتکب ہوں گے ان کے بارے میں بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ انھم خسروا الدنیا والآخرۃ وذالک ھو الخسران المبین۔

اس حدیث پر غور کرتے وقت یہ پہلو بھی سامنے رہنا چاہیئے کہ راویِ حدیث حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کا مصداق اس "عورت" کو بھی قرار دے رہے ہیں جس کے گھر میں سید الثقلین پر جبریلِ امین نازل ہوا کرتے تھے جس عورت کی عزت و عظمت پر مہرِ تصدیق ثبت کرنے کی غرض سے قرآن کی متعدد آیتیں نازل ہوئیں، جس عورت سے زیادہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب کوئی عورت نہ تھی۔ جس عورت کی دینی عظمت و فقاہت پر پوری امت متفق ہے جو عورت مشکل و اہم مسائلِ دینیہ میں، مرکزِ علم تصور کی جاتی تھی اور جس عورت کو "ام المومنین" ہونے کا شرف حاصل ہے ——

اس عورت کو جب لوگوں نے — مملکت کی فرمانروائی نہیں، مملکت کی صدارت نہیں، وزارت نہیں جملہ امورِ قومی میں قائد نہیں بلکہ صرف — ایک مسئلہ — سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص طلب کرنے کے مسئلے — میں اپنا قائد تسلیم کیا تو حضرت ابوبکرہ اس فقید المثال عورت کی اس جزوی قیادت کے بارے میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور ان کی زیرِ قیادت لڑائی سے دستکش ہو جاتے ہیں۔ اور اعلان کرتے ہیں کہ ایک جزوی مسئلے میں بھی عورت — خواہ وہ ام المومنین ہی کیوں نہ ہو — کی قیادت میں فلاح کا کوئی امکان نہیں۔

اگر خواہشاتِ نفس، گروہی عصبیت، دنیوی مفادات، سیاسی تعصبات، کبرِ نفس، اپنے ناقص

علم پر گھمنڈ نے کسی کو نورِ بصیرت سے محروم نہیں کر دیا اور توفیق الٰہی اس سے سلب نہیں ہو گئی تو اسے اس حدیث پر غور کر کے اس مسئلے میں وہی موقف اختیار کرنا چاہیئے جو اس ارشادِ نبوی کا صریح مفہوم ہے اور جس مفہوم کو حدیث کے راوی نے، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس جزوی قیادت پر حاوی سمجھا اور ان کی قیادت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

ولایتِ کاملہ و ناقصہ کی بحث

بعض حلقوں میں یہ جو کہا جا رہا ہے کہ اگر ولایت عامہ اور تامہ ہو یا بالفاظ دیگر مطلق العنان بادشاہت ہو تو عورت کی سربراہ کاری شرعاً ناجائز ہو گی۔ لیکن اگر حکومت شورائی یا پارلیمانی یا جمہوری ہو تو عورت کو والی اور سربراہِ مملکت بنانا جائز ہو سکتا ہے اس عنوان پر مفصل بحث تو ہم الگ کریں گے اس مقام پر صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ جن صحابہ کرام ؓ نے مذکورہ حدیث سے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قیادت کو ناجائز قرار دیا ہے اور باوجودیکہ وہ، سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کو دوسرے مسائل سے زیادہ اہمیت کے بھی قائل تھے اور ان میں سے بعض حضرت عائشہ رض ہی کی طرح اس مطالبے کے مؤید بھی تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سب سے پہلے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ ان صحابہ نے جب یہ دیکھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وعن ابیہا، گھر سے تو نکلی تھیں، دو متحارب گروہوں (حامیان مطالبہ قصاص اور حامیان سیدنا علی رض) کے مابین صلح کرانے کے لیے۔ لیکن حالات کی پیچیدگی نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ اس تحریک کی علمبردار بھی بنیں اور میدانِ جنگ کی قیادت بھی سنبھالیں تو یہ حضرات صرف اس بنا پر اس جنگ سے الگ رہے کہ اس کی قیادت حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرما رہی ہیں۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب لوگ اپنے کسی معاملہ کی سربراہ کاری عورت کے سپرد کریں گے وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ تو ان صحابہ رضوان اللہ علیہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق، حضرت صدیقہ کی سربراہ کاری میں کام کرنے سے گریز کیا اور اس نزاع سے الگ ہو گئے۔

سوچنا چاہیئے کہ یہاں مسئلہ نہ تو یہ تھا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ملک کی صدارت کے لیے میدان میں اتری تھیں اور نہ وہ وزیر بننے کے لیے کوشاں تھیں، بات صرف یہ تھی کہ ایک جزوی مسئلہ قصاص سیدنا عثمان رض کے نزاع پر وہ صرف اس مقصد کی خاطر سفر پر روانہ ہوئیں کہ مسلمانوں کو باہمی قتال سے روکیں، مگر بعض شرانگیزوں نے معاملے کو الجھا دیا اور صورت ایسی پیدا ہو گئی کہ وہ میدان جنگ میں آنے پر مجبور ہو گئیں۔ بات اس سے آگے اس پہلو سے بھی قابلِ غور ہے کہ سیدہ صدیقہ

رضوان اللہ تعالیٰ علیہا، یہ ادھورا سا کام بھی تنہا اپنی رائے سے نہیں کر رہی تھیں۔ متعدد عظیم المرتبت صحابہؓ اس تحریک کے علمبردار تھے ان کے مابین پارلیمنٹ اور شوریٰ کے مروجہ طریق کار سے زیادہ عوامی طرز پر باہمی مشورے ہوتے تھے اور ہر اہم مسئلے پر مشاورت کے بعد ہی کوئی بات طے پاتی تھی۔ بالفاظ دیگر یہ قیادت جزوی تھی۔ ولایت ناقصہ سے بھی بیسیوں درجات نیچے کی ایک وقتی سی قیادت تھی اور وہ بھی پارلیمانی سے زیادہ عوامی یا بالفاظ رائج "جمہوری" لیکن جن لوگوں نے صحبت نبوتؐ سے فیض پایا تھا۔ انھوں نے اس قیادت کو بھی اس وعید کا مستحق قرار دیا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

لن یفلح قوم اذا ولوا امرھم امرأۃ کے الفاظ میں فرمائی تھی۔

سوچئے کیا اس کے بعد اس امر کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ ولایت تامہ اور ناقصہ کے تفاوت کی بنا پر، ولایت ناقصہ، پارلیمنٹری نظام حکومت کی صدارت وغیرہ کے جواز کو اس حدیث سے مستثنیٰ قرار دیا جا سکے؟

اسی باب میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی گوش ہوش سے سنا جانا چاہیے۔ حضورؐ فرماتے ہیں

ھلکت الرجال حین اطاعت النساء[1]

مرد ہلاک ہو جائیں گے جب وہ عورتوں کی اطاعت کو قبول کر لیں گے

کیا کوئی قلب مومن اس واضح ارشاد کے سامنے آ جانے کے بعد عورت کو ملک کا سربراہ کار بنانے کی تحریک شروع کر سکتا ہے! اس تحریک میں خود شریک ہو سکتا ہے؟ اس تحریک کے لیے حیلے اور بہانے تراشنے کی جسارت کا مرتکب ہو سکتا ہے؟ اور کیا اس میں یہ جرأت پیدا ہو سکتی ہے کہ اسلام کے نام پر جمع ہونے والے کارکنوں کو اس تحریک میں تن، من، دھن کی قربانی کی دعوت دے سکے

شتان ما بینھما

سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید انتباہ

ایک موقع پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے پاس البیاضین لایا ہوں، جس کی راتیں دن کی طرح روشن ہیں۔

ان ارشادات طیبات کو سامنے رکھیے اور عورت کو اس کے دائرہ کار سے الگ مقام پر کھڑا کرنے اور عورت کو گھر کی چار دیواری سے باہر نکال لانے پر سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنیئے:۔ عن اسامۃ ابن زیدؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۹۱

ما ترکت بعدی فتنۃ اضرّ علی الرجال من النساء۔ متفق علیہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں اپنے بعد مردوں کے لیے جس سب سے بڑے فتنے کو چھوڑ کر جا رہا ہوں (جس سے محفوظ رکھنا میرے بس میں نہیں تھا) وہ فتنہ ہے عورتوں کا

عن ابی سعید الخدری رض

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا حلوۃ خضرۃ وان اللہ مستخلفکم فیہا فینظر کیف تعملون فاتقوا الدنیا واتقوا النساء فان اوّل فتنۃ بنی اسرائیل کانت فی النساء۔ رواہ مسلم

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دنیا سرسبز و شاداب اور لذت آفریں ہے۔ بلاشبہ اللہ نے تمہیں یہاں خلیفہ بنا کے بھیجا ہے تاکہ تمہیں دیکھے کہ تم کیا طرزِ عمل اختیار کرتے ہو تو دنیا کی دلفریبی سے بچ کر رہو اور عورتوں کے معاملے میں حزم و احتیاط کا رویہ اختیار کرو۔ واقعہ یہ ہے کہ (دنیا کی عظیم تر قوم) بنی اسرائیل میں جس سب سے پہلے فتنے نے سر اٹھایا وہ عورتوں ہی سے متعلق تھا اللہ کے برحق نبی انتباہ فرماتے ہیں کہ مردوں کے لیے "عورت کے مسئلے" سے بڑا فتنہ اور کوئی نہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ دنیا اپنی سرسبزی و شادابی اور لذت و حلاوت کی وجہ سے انسانوں کو اپنی جانب کھینچ کر اللہ تعالیٰ اور اس کی رحمت و نصرت سے محروم کر دیتی ہے یہاں اپنی خواہشات اپنی مصلحتوں اور دنیوی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر اور انہیں معیار و دلیل بنا کر فیصلے کرو گے تو یہ فیصلے تمہیں راہِ حق سے ہٹا دیں گے وادیٔ ضلالت میں لے جائیں گے اور ان فیصلوں پہ عمل تمہیں دنیا میں خائب و خاسر بنائے گا اور آخرت میں مستحق عذاب۔ اس لیے تمہارے لیے سلامتی کا راستہ صرف یہ ہے کہ اس دنیا میں جو ہدایات و احکام اس دُنیا کا پیدا فرمانے والا دے انہیں کی پیروی کرو

اور یوں بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ تم یہاں مختار بنا کر نہیں بھیجے گئے کہ جس طرح جی میں آئے کرو۔ جو فیصلہ تمہاری عقل کا ہو اسے کر گذرو جو مصلحت تمہیں آمادگی پہ مجبور کرے اس کے پیچھے لگ کر اللہ کے احکام میں کتر و بیونت، ترمیم و استثنا اور لچک پیدا کر کے اپنی دُنیا و عاقبت خراب کرو اور اللہ کی شریعت کو وقتی مصالح کا تابع بنا کر اسے بازیچہ اطفال مصالح بنا دو اور اس کا حلیہ مسخ کر دو تم یہاں مالک و مختار نہیں خدا کے بھیجے ہوئے ہو اسی نے تمہیں بعض اشیاء میں تصرف کا موقع عنایت فرمایا اور اس کی نگاہیں تمہارے طرزِ عمل پہ گڑی ہوئی ہیں اور وہ دیکھ رہا ہے کہ تم اطاعت و سپردگی کا رویہ اختیار کرتے ہو یا انحراف و تمرد کا۔ اور پھر دیکھو تم تنہا خدا کی کتاب کے وارث

اور اس کے دین کے حامل نہیں بنائے گئے ہو تم سے پہلے ایک ایسی قوم جسے خود خدائے قدوس نے
انی فضلتکم علی العالمین کی نوید سے نوازا تھا۔ اس نے غلط راستہ اختیار کیا اور مغضوب و ضال بن
کر تباہ و برباد ہو گئی اور یہ بھی یاد ہے کہ اس ہلاکت کا دروازہ اس پر اس وقت کھلا جب اس نے "عورت"
کے بارے میں ہمارے منشا کے خلاف طرزِ عمل اختیار کیا اسے زینتِ محفل بنایا اس کی خوشنودی کے
لیے ہمارے احکام کو پاؤں تلے روندا اسے تخت و تاج کے معاملات میں دخل اندازی کے مواقع فراہم
کیے اور اس کی ناقص عقل کو اپنا ہادی اور راہ نما بنا لیا۔ اس پر وہ قوم ہلاک و برباد ہوئی اور اس کی عظمت
کا تختہ اُلٹ گیا اور اس کی دنیوی عزت اور دینی وجاہت اس سے سلب کر کے اسے ضربت
علیھم الذلۃ و المسکنۃ کے مقام پر لا کھڑا کیا گیا۔ کیا اس واضح انتباہ کے بعد بھی تابع فرمان مسلمان
"مرد" میں ہمت ہے کہ "عورت" کے مسئلے پر وہ طرزِ عمل اختیار کرے جو بنی اسرائیل نے اختیار کیا؟
اور یہ قوم اس وقت سے اب تک اس جرم کی وجہ سے بھی اور اس کے علاوہ دوسرے جرائم کی بنا پر بھی
مغضوب قرار دی گئی اور اس کے بارے میں فرمایا گیا۔

لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد و عیسی ابن مریم ذالک بما عصوا وکانوا یعتدون ۔ کانوا لایتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون ۝

کفارِ بنی اسرائیل پر داؤد اور عیسٰی بن مریم کی زبان کے ذریعہ لعنت کی گئی بوجہ اس کے کہ وہ
ہمارے احکام سے سرتابی کرتے تھے۔ ہماری مقرر کردہ حدود سے متجاوز ہوتے تھے اور جن باتوں سے
ہم ان کو روکتے تھے وہ ان کا ارتکاب کیا کرتے تھے جن منکرات کا ان کے ہاں ارتکاب ہوتا تھا وہ ایک
دوسرے کو ان سے منع نہیں کرتے تھے، ان کا یہ عمل بہت ہی بُرا عمل تھا۔

اب تک ہم نے عورت کو سیاسیات اور اجتماعی زندگی میں لانے کی تحریک میں حزبِ اختلاف اور
حزبِ اقتدار دونوں کے عملی تعاون اور اس تحریک کی کامیابی کے لیے مواقع مہیا کرنے کی تفصیلات
پیش کیں۔ قرآن مجید کی نصوص سے عورت کے دائرہ کار کی محدودیت۔ عورت پر مرد کی قوامیت
کی وضاحت پیش کی، عورت کے اصل مقام، عورت کے دائرہ کار۔ عورت کی امامت و قیادت،
ان عنوانات پر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پیش کیے اور آخر میں سرورِ کونین صلی اللہ
علیہ وسلم کا وہ انتباہ بھی بلفظہٖ پیش کر دیا جو آپ نے اس امت کو یہود کے انجام بد سے بچانے کے سلسلہ
ارشاد فرمایا تھا۔

ہر چند۔ ایک سلیم الفطرت مسلمان کے لیے اس کے بعد کسی مزید تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں،

مگر چونکہ اس مسئلے نے بے حد اہمیت اختیار کر لی ہے اور بعض عناصر، مجبوری، مصلحت دین، اس مسئلے میں اُمت میں اختلاف، دین کے اصولوں میں استثناء، حرمت کے وقتی اور ابدی ہونے ـــــ وغیرہ عنوانات پر حیرت افزا تلبیس کر رہے ہیں۔ اور حق و باطل کو اس طرح سے ملا رہے ہیں جس سے یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ کہیں مسلمانوں کی حس تمیز ہی متاثر نہ ہو جائے اس لیے ہم آئندہ مباحث میں یہ ثابت کریں گے کہ عورت کے سربراہ کار بن سکنے اور اسے سربراہ کار بنانے کی کوشش کے ناجائز ہونے کے مسئلے پر چودہ سو سال میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ ائمہ ہدیٰ، مفسرین، محدثین، فقہاء اور دوسرے تمام طبقات حتی کہ شیعہ اور سنی بھی اس بات پر مجتمع اور متفق ہیں کہ عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی۔ وباللہ التوفیق۔

عورت کی امامت و ولائت

عورت کی امامت و ولایت کے عنوان سے سلف نے جو بحث کی ہے اسے انہوں نے درج ذیل عنوانات پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) عورت کی امامت نماز میں۔ اس کی دو صورتیں ہیں

الف:۔ عورت، عورتوں کی امامت کرائے۔ ب:۔ عورت مردوں کی امامت کرائے۔

(۲) عورت قاضی بنے۔ اسے بھی دو صورتوں میں زیر بحث لایا گیا ہے۔

الف: کیا عورت بلا حد و قید جملہ امور و معاملات میں قاضی بنائی جا سکتی ہے؟ ـــ یا

ب:۔ صرف ان معاملات میں اسے قاضی بنانا درست ہے جن میں اس کی شہادت شرعاً درست ہو

(۳) عورت سربراہ مملکت بن سکتی ہے یا نہیں؟

ان ہر سہ مباحث کو علماء اصول و فقہ اور بعض مواقع پر محدثین نے بھی دو اصطلاحات سے تعبیر کیا ہے

(۱) امامت (۲) ولایت

امامت سے مراد ہے نماز میں امامت، خواہ یہ مردوں کی ہو یا عورتوں کی، ولائت سے مراد ہے سلطنت میں اس کا کسی منصب پر فائز ہونا، اگر منصب جزوی ہو جیسے قضاء، تو اسے ولائت جزئیہ کہا جاتا ہے اور اگر ملک کی سربراہ کاری یا صدارت کا عہدہ ہو تو اسے امامت کبریٰ یا ولائت عظمیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے

اگرچہ زیر بحث مسئلہ صرف آخری جزو امامت کبریٰ یا ولائت عظمیٰ (عورت کے صدر مملکت بنائے جانے) کی حد تک محدود ہے لیکن ایک تو اس لئے کہ ان ہر سہ اقسام ولایت و امامت کا تعلق کسی نہ کسی حد تک ایک دوسرے سے ہے اس لیے بھی اور ثانیاً اس وجہ سے بھی کہ ان دنوں بعض حضرات نے یا تو کمی علم کی وجہ سے اور یا پھر یحرفون الکلم عن مواضعہ کے تحت، التباس اور دھوکہ سے اپنے موقف

کو برحق ثابت کرنے کے لئے تحریف کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور بعض ائمہ اور علماء کے اقوال، انتہائی عیارت کے ساتھ غلط مواقع پر چسپاں کئے جا رہے ہیں۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ ان جملہ عنوانات پر اجمالاً سلف و خلف ائمہ اور علماء کی آراء اجمالاً آغاز گفتگو ہی کے مرحلے میں پیش کر دی جائیں علاوہ بریں، ہمارے نزدیک عورت کو صدر مملکت بنانے کی تحریک تنہا اس منصب تک محدود نہیں جس اسلام نے عورت کو سربراہ مملکت بنانا ممنوع قرار دیا ہے بلکہ عورت کو وزیر، سفیر اور دوسرے سرکاری مناصب پر فائز ہونے سے بھی روکتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان تمام عنوانات پر اجمالی بحث اس موقعہ پر ہو جائے۔

نماز میں عورت کی امامت

اس عنوان کی دونوں صورتوں (عورت، عورتوں کی امامت کرائے یا عورت مردوں کی امام صلوٰۃ بنے) کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "الام" میں فرماتے ہیں۔

"واذا صلت المرأۃ برجال ونساء وصبیان ذکور فصلاۃ النساء مجزئۃ وصلوۃ الرجال والصبیان الذکور غیر مجزئۃ لان اللہ عز وجل جعل الرجال قوامین علی النساء وقصرھن عن ان یکون اولیاء وغیر ذالک ولا یجوز ان تکون امرأۃ امام رجل فی صلاۃ بحال ابداً"[1]

"جب عورت، مردوں، عورتوں اور مذکر بچوں کو نماز پڑھائے تو عورتوں کی نماز جائز ہوگی اور مردوں نیز مذکر بچوں کی نماز ادا نہیں ہوگی اس لئے کہ اللہ عزوجل نے مردوں کو عورتوں پر "قوام" بنایا ہے اور انہیں اس بات سے محروم رکھا ہے کہ وہ ولی قرار دی جائیں۔ اور اسی طرح دوسری ولایتوں کی ذمہ داری سے بھی انہیں فروتر کہا گیا ہے اور یہ تو کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے کہ عورت مردوں کی امام بنے۔

ابن رشد علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "بدایۃ المجتہد" میں فرماتے ہیں۔

اختلفوا فی امامۃ المرأۃ فالجمھور علی ان لا یجوز ان تؤم الرجال واختلفوا فی امامتھا النساء فاجاز ذالک الشافعی ومنع مالک وشذ ابو ثور والطبری فاجاز امامتھا علی الاطلاق وانما اتفق الجمھور علی منعھا ان تؤم الرجال لانہ لو کان جائزاً لنقل ذالک عن الصدر الاول، ولانہ ایضاً لما کانت سنتھن فی الصلاۃ التاخیر عن الرجال علم انہ لیس یجوز لھن التقدم علیھم لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام اخروھن من حیث اخرھن اللہ، ولذالک اجاز بعضھم

[1] "الام" ج ۱ ص ۱۲۵

امامتها للنساء اذکن متساویات فی المرتبۃ فی الصلوٰۃ مع انہ ایضاً نقل ذالک عن بعض الصدر الاول ومن اجاز امامتها فانما ذھب الی مارواہ ابو داؤد من حدیث ام ورقۃ ان رسول اللہ کان یزورھا فی بیتھا وجعل لھا مؤذنا یؤذن لھا وامرھا ان تؤم اھل دارھا[1]

اہل علم نے عورت کی امامت میں اختلاف کیا ہے۔ جمہور اس بات پر ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے کہ عورت مردوں کی امام بنے، رہا یہ کہ عورت، عورت کی امام بنے، اس میں جمہور نے اختلاف کیا۔ امام شافعی اس کو جائز کہتے ہیں اور امام مالک اسے منع فرماتے ہیں۔ ابو ثور اور طبری نے شاذ (سب سے علیحدہ اور منفرد) مسلک اختیار کیا ہے اور مطلقاً عورت کی امامت جائز کہتے ہیں اور جمہور اسے منع اور ناجائز قرار دیتے ہیں کہ عورت مردوں کی امام بنے اگر ایسا جائز ہوتا تو امت کے اولین زمانہ سے ایسا ثابت ہوتا اور عورتوں کی امامت اس وجہ سے بھی ناجائز ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اخروھن من حیث اخرھن اللہ تعالیٰ: عورتوں کو اس مقام تک موخر رکھو۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ انہیں موخر رکھتا ہے۔ اسی حدیث کی بناء پر بعض حضرات نے عورتوں کی امامت عورتوں کے لیے جائز قرار دی ہے اس لیے کہ وہ نماز میں مساوی ایک ہی صف میں کھڑی ہوتی ہیں۔ مزید براں صدر اول سے بھی منقول ہے اور جو لوگ اسے جائز کہتے ہیں وہ ام ورقہ کی اس روایت کی جانب مائل ہوسکتے ہیں جسے ابو داؤد نے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ام ورقہ کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور آپ نے اس کے لیے موذن مقرر فرمایا اور اسے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کی امامت کرایا کرے"۔

امام ابن حزم اندلسی اپنی کتاب "المحلی" میں فرماتے ہیں۔

لا یجوز ان تؤم المرأۃ الرجل ولا الرجال وھذا مالا خلاف فیہ حکمہ علیہ السلام بان تکون وراء الرجل ولابد فی الصلوٰۃ وان الامام یقف امام الماموین؟ او مع الماموم فی صف واحد۔ ومن ھذہ النصوص یثبت بطلان امامۃ المرأۃ للرجل او للرجال یقیناً"[2]

"عورت مردوں کی امامت کرے یہ جائز نہیں ہے اور یہ وہ مسئلہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم کہ عورت مردوں کے پیچھے کھڑی ہو اور نماز میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ امام مقتدیوں کے آگے کھڑا ہو۔ ان نصوص سے یہ ثابت ہو گیا کہ عورتوں کا ایک یا چند مردوں کی امامت کرانا یقیناً باطل ہے۔

---

[1] بدایۃ المجتھد لابن رشد ج ۱ ص ۱۱۴ [2] المحلی لابن حزم ج ۲ ص ۱۲۶، ۱۲۵

ابن قدامہ "المغنی" میں فرماتے ہیں۔

اختلفت الروایة هل یستحب ان تصلی المرأة بالنساء جماعة فروی ان ذالك مستحب وممن روی عنه ان المرأة تؤم النساء، عائشة وام سلمة وعطاء والثوری والاوزاعی والشافعی واسحاق وابو ثور وروی عن احمد رحمه الله ان ذالك غیر مستحب وکرهه اصحاب الرأی وان فعلت اجزاهن وقال الشعبی والنخعی وقتادہ لهن ذالك فی التطوع دون المکتوبة وقال الحسن وسلیمان بن یسار لا تؤم فی فریضة ولا نافلة وقال مالك لا ینبغی للمرأة ان تؤم احداً فی فریضة ولا نافلة وقال مالك لا ینبغی مرأة ان تؤم احداً لانه کره لها الاذان وهو الدعاء الی الجماعة فکره لها ما یراد به الاذان له ولنا حدیث ام ورقة ولانهن من اهل الفرض فاشبهن الرجال وانما کره لهن الاذان لما فیه من رفع الصوت ولسن من اهله[1]

کیا عورت کے لیے مستحب ہے کہ وہ عورتوں کی جماعت کرائے ؟

اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ مستحب ہے اور وہ لوگ جن سے روایت کی گئی ہے کہ یہ جائز ہے وہ ہیں عائشہ رضؓ ام سلمہؓ عطاءؒ ثوریؒ اوزاعیؒ شافعیؒ اسحاقؒ ابو ثورؒ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ عورتوں کی امامت، عورت کرائے یہ غیر مستحب ہے اور اصحاب الرای (مراد حنفیہ ہیں) کے ہاں یہ مکروہ ہے، ہاں اگر عورتوں نے عورت کی اقتدار میں نماز پڑھ لی تو یہ نماز ہو جائے گی۔

امام شعبی، نخعی اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ نوافل میں عورت عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے فرضوں میں یہ جائز نہیں، حسنؒ اور سلیمان بن یسارؒ کہتے ہیں۔ فرض اور نفل دونوں میں عورت امامت نہیں کرا سکتی۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ عورتوں کے لیے روا نہیں ہے کہ فرض یا نفل کسی میں بھی عورت کسی کی بھی (مرد یا عورت کی) امامت کرائے۔ امام مالکؒ ہی فرماتے ہیں کہ عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ مرد یا عورت کی امامت کرائے اس لئے کہ اذان دینا اس کے لیے مکروہ ہے اور جب اذان، جماعت ہی کی دعوت ہے اور یہ مکروہ ہے تو جس کے لئے اذان دی جاتے یعنی جماعت لامحالہ یہ بھی مکروہ ہوگی ہمارے لئے ام ورقہ کی حدیث دلیل ہے اور یہ بھی کہ عورتیں جب اہل فرائض بیٹھتی ہیں تو وہ (ادائیگی فرض میں) مردوں سے مشابہہ ہوئیں رہا یہ کہ اذان دینی ان کے لیے مکروہ ہے تو یہ اس لیے ہے کہ اذان میں

[1] المغنی لابن قدامہ ج ۱ ص۲۰۳

آواز اونچی ہوتی ہے اور عورت اس کی اہل نہیں ہے کہ آواز اونچی کرے۔

یہ روایات اپنی وضاحت آپ ہیں۔ خلاصہ ان کا یہ ہے کہ عورت، عورت کی امامت کرا سکے۔ جمہور کا اس میں اختلاف ہے۔ سیدہ عائشہ، سیدہ ام سلمہ، عطا، ثوری، اوزاعی، شافعی، اسحاق اور ابو ثور علیہم الرحمۃ والرضوان، اس کے جواز کے قائل ہیں۔ امام احمد ابن حنبل کے نزدیک غیر مستحب ہے، امام شعبی، نخعی، نوافل میں جواز کے قائل ہیں اور فرض نمازوں میں وہ عورتوں کے لیے عورت کی امامت کو جائز نہیں سمجھتے۔ صاحب مغنی، ابن قدامہ اسے جائز خیال کرتے ہیں

اسحاق، حسن اور سلیمان بن یسار فرض ونفل دونوں میں عدم جواز کے قائل ہیں امام مالک کا مسلک بھی یہی ہے کہ عورت کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی بھی مرد یا عورت کی امام صلوٰۃ بنے نہ فرض نماز میں نہ نوافل میں رہا یہ کہ عورت، مردوں کی امام بنے تو امام ابن حزم کے نزدیک متفق علیہ بات یہی ہے کہ ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ وہ اسے یقینی طور پر باطل کہتے ہیں۔ جمہور سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ عورت مردوں کی امام نہیں بن سکتی۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ تو یہاں ابہام فرماتے ہیں کہ مرد ہی نہیں نہ کہ بچے بھی اگر عورت کے پیچھے نماز پڑھیں گے تو یہ نماز ادا نہیں ہوگی۔

اس باب میں صرف دو بزرگ جواز کے قائل ہیں ایک امام طبریؒ دوسرے ابو ثور اور جیسا صاحب بدایۃ المجتہد نے فرمایا وہ مسئلہ میں منفرد ہیں اور ان کا یہ قول شاذ ہے۔

یہ تو سلف کی آرا تھیں۔ اس مسئلے میں جو اس وقت ہمارے ہاں زیر بحث نہیں ہے اور یوں بھی یہ بات تو ابتدائی سی ہے کہ عورت نماز کی امامت کرا سکتی ہے یا نہیں لیکن جیسا کہ آپ نے دیکھا اس مسئلے میں بھی بجز دو اصحاب کے سبھی اہل حق متفق ہیں کہ عورت مردوں کی امام صلوٰۃ نہیں بن سکتی۔

کیا عورت جج بن سکتی ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ عورت قاضی یا جج بن سکتی ہے یا نہیں اس عنوان پر سلف کا مسلک یہ ہے صاحب المیزان الکبریٰ ابو المواہب عبدالوہاب بن احمد بن علی الانصاری الشافعی المصری المعروف بالشعرانی چودھویں صدی ہجری کے اکابر علماء میں سے ہیں فرماتے ہیں۔

ومن ذلك قول الائمة الثلاثة انه لا يصح تولية المرأة القضاء مع قول أبي حنيفة انه يصح أن تكون قاضية في كل شئ تقبل فيه شهادة النساء وعنده أن شهادة النساء تقبل في كل شئ الا الحدود والجراح فانها لا تقبل عنده ومع قول محمد بن جرير يصح أن تكون المرأة قاضية في كل شئ فالاول مشدد وعليه جرى السلف والخلف والثاني فيه تخفيف والثالث مخفف ...... ووجه الاول أن القاضي نائب عن الامام الأعظم

وقد اجمعوا علی اشتراط ذکورتہ ووجہ الثانی والثالث أن فصل الخصومات من باب الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر ولم یشترطوا فی ذالک الذکورة فان المعول علی الشریعۃ المطہرة الثابتۃ فی الحکم لا علی الحاکم بہا وقد قال صلی اللہ علیہ وسلم لن یفلح قوم ولوا امرہم امرأة، قال ذالک لما ولی جماعۃ کسریٰ ابنتہ من بعدہ الملک

ائمہ ثلاثہ (احمد ابن حنبل، مالک، شافعی علیہم الرحمۃ) کا مسلک یہ ہے کہ عورت قاضی نہیں بن سکتی امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ عورت کو ان امور میں قاضی بنایا جا سکتا ہے جن میں اس کی شہادت معتبر ہے بجز حدود اور زخموں وغیرہ کے مقدمات کے ان امور میں عورت کی شہادت معتبر نہیں اسی بنا پر اسے ان میں قاضی نہیں بنایا جا سکتا)

محمد ابن جریر کہتے ہیں کہ عورت[2] جملہ امور میں قاضی بنائی جا سکتی ہے۔ پہلا مسلک (ائمہ ثلاثہ کا) مضبوط و مستحکم ہے اور اس کی تائید سلف و خلف سبھی نے کی ہے۔

دوسرا مسلک (امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا) اس میں تخفیف ملحوظ رکھی گئی ہے اور تیسرا (ابن جریر کا کہ جملہ امور میں عورت کو قاضی بنایا جا سکتا ہے) بجائے خود ہلکا سا موقف ہے (باعتبار سند کے بھی جیسا کہ آگے آئیگا اور بوجہ دلائل کے بھی) (جو لوگ مطلقاً عورت کے قاضی بننے کے ناجائز کہتے ہیں ان کے) قول کی دلیل یہ ہے کہ قاضی، ملک کے حاکم اعلیٰ (صدر مملکت) کا نائب ہوتا ہے اور پوری امت کے اہل علم کا اجماع اس پر ہے کہ حاکم اعلیٰ کا مرد ہونا ناگزیر ہے۔

دوسرا مسلک (عورت کا بعض یا جملہ امور میں قاضی بننا)، اس کی دلیل یہ ہے کہ مقدمات کا فیصلہ کرنا درحقیقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی کا ایک جزو ہے اور اس (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) میں مرد ہونا ضروری نہیں ہے۔ تو گویا شریعت مطہرہ میں اعتماد و مدار حکم پر رکھا گیا ہے حاکم پر نہیں (اگر حکم صحیح ہے تو تسلیم کیا جائے گا خواہ حاکم بذات خود درست نہ ہو)

---

[1] المیزان الکبری صفحہ کتاب الاقضیہ

[2] امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے اس مسلک کی توضیح و تعبیر صاحب احکام القرآن ابوبکر ابن العربی المعافری اور صاحب روح المعانی نے یہ کی ہے کہ اگر عورت کو قاضی بنا دیا گیا ہو یا مدعی اور مدعا علیہ اسے ثالث تسلیم کر لیں اور عورت ان کے نزاع پر فیصلہ صادر کر دے تو کیا شرعاً یہ فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ امام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ کہ یہ فیصلہ نافذ ہوگا بشرطیکہ یہ صرف دیوانی امور میں ہو۔ فوجداری سے متعلق نہ ہو۔ گویا امام علیہ الرحمۃ عورت کو قاضی بنانے کے جواز کا فتویٰ نہیں دے رہے تفصیل ذرا آگے ملاحظہ فرمائیے۔ [3] محمد ابن جریر کی جانب اس قول کی نسبت درست نہیں جیسا کہ عنقریب صاحب روح المعانی اور صاحب احکام القرآن کے حوالوں میں وضاحت آئے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ (وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوگی جس نے اپنے معاملات عورت کے سپرد کئے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی جب کسریٰ کے امراء کی جماعت نے کسریٰ کے بعد اس کی بیٹی کو اپنا حاکم منتخب کیا (اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ کے اس مسلک کی تائید ہوتی ہے جس کی رو سے عورت کو قاضی بنانا مطلقاً ناجائز ہے)

ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمان الدمشقیؒ (آٹھویں صدی ہجری) اپنی کتاب رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ میں فرماتے ہیں :-

المرأۃ ھل یصح أن تلی القضاء قال مالک والشافعی وأحمد لا یصح و قال ابوحنیفۃ یصح أن تکون قاضیۃ فی کل شیئ تقبل فیہ شھادۃ النساء وعندہ أن شھادۃ النساء تقبل فی کل شیئ الا فی الحدود والجراح فھی عندہ تقضی فی کل شیئ الا فی الحدود والجراح وقال ابن جریر الطبری یصح أن تکون قاضیۃ فی کل شیئ [1]

"عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ قاضی بنے؟ امام مالک، شافعی اور احمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک جائز نہیں ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان امور میں عورت قاضی ہو سکتی ہے جن میں اس کی شہادت معتبر ہے اور ان کے نزدیک شرعی حدود اور فوجداری (لڑائی اور زخمی کرنے) ان امور کے سوا باقی معاملات میں عورت کی شہادت معتبر ہو سکتی ہے"۔

صاحب بدایۃ المجتہد (ابن رشد علیہ الرحمۃ) امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مسلک کی وضاحت میں اس کی صحیح حدود متعین کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں :-

وکذالک اختلفوا فی اشتراط الذکورۃ فقال الجمھور ھی شرط فی صحۃ الحکم وقال ابوحنیفۃ یجوز ان تکون المرأۃ قاضیاً فی الاموال [2]

"قاضی کے لئے مرد ہونے کی شرط میں اختلاف کیا گیا ہے، جمہور کا کہنا ہے کہ فیصلے کی صحت کی شرط یہ ہے کہ فیصلہ کرنے والا (قاضی) مرد ہو، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مالی معاملات میں عورت کا فیصلہ جائز ہو سکتا ہے"۔

امام ابن ہمام صاحب فتح القدیر اپنی کتاب فتح القدیر میں ائمہ ثلاثہ (مالک، احمد، شافعی

---

[1] رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ علی ھامش میزان الکبریٰ صفحہ ۱۹ + [2] بدایۃ المجتہد ج ۲ صفحہ ۴۶ باب من یجوز قضاءہ

رحمہم اللہ تعالیٰ) کے مسلک کے بارے میں تو فرماتے ہیں :-

وقال الائمة الثلاثة لا یجوز لان المرأة ناقصة العقل لیست اھلاً للخصومة مع الرجال فی محافل الخصوم، قال صلی اللہ علیہ وسلم لن یفلح قوم ولوا امرأة - رواہ البخاری[1]

"ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں عورت کو قاضی بنانا جائز نہیں اس لئے کہ وہ ناقص العقل ہوتی ہے اور مردوں سے مقدمات کی مجلسوں (عدالتوں) میں مقدمہ کرنے اور جھگڑنے (مقدمہ سننا بھی خصومت میں شامل ہے) کی اہلیت نہیں رکھتی -

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی قوم فلاح نہیں پا سکتی جو اپنے امور و معاملات کو عورت کے سپرد کرتی ہے" امام ابن ہمام اس حدیث سے، عورت کے قاضی نہ بنائے جانے کے سلسلے میں ایک اہم بات فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں :- ان ما ذکر غایة ما یفید منع ان تستقضی وعدم حله والکلام فیما لو ولیت اوحکمہ خصمان فقضت قضاءً موافقا لدین اللہ کان ینفذ ام لا ؟ لم ینتھض الدلیل علی نفیه بعد موافقة ما انزل اللہ الا ان یثبت شرعاً سلب اھلیتھا ولیس فی الشرع سوی نقصان عقلھا ومعلوم انه لم یصل الی حد سلب ولایتھا بالکلیة[2]

"حدیث کا مدعا تو یہ ہے کہ عورت کو قاضی بنایا جانا ممنوع اور ناجائز ہے اور (ہمارے ہاں) گفتگو اس امر میں ہو رہی ہے کہ اگر عورت (حکومت کی جانب سے) قاضی بنا دی گئی ہو یا متنازعہ کرنے والے دونوں فریق اسے ثالث مان لیں اور یہ عورت ایسا فیصلہ صادر کرے جو دین حق کے موافق ہو تو کیا اس کا یہ فیصلہ نافذ ہو گا یا نہیں ؟ اس پر کہ یہ فیصلہ نافذ نہ ہو کوئی دلیل موجود نہیں ہے بالخصوص جبکہ یہ فیصلہ اللہ کی نازل فرمودہ شریعت کے مطابق ہو، ہاں عورت کا شریعت کے مطابق فیصلہ بھی اس وقت ناجائز ہوتا جب شرعاً اس سے یہ اہلیت ہی سلب کر لی گئی ہوتی لیکن شریعت میں اس کے سوا کوئی بات نہیں کہی گئی ہے کہ عورت کی عقل ناقص ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ عقل کے ناقص ہونے سے مطلقاً اس کی ولایت سلب نہیں ہوتی"

بالفاظ دیگر امام ابن ہمام امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک اور حدیث نبوی کے درمیان

---

[1] فتح القدیر باب کتاب القاضی الی قاضی ج ۵ ص ۳۸۶ ؛ [2] فتح القدیر باب کتاب القاضی الی قاضی ج ۵ ص ۳۸۶

ظاہری تعارض کو یوں رفع فرماتے ہیں کہ حدیث میں عورت کو قاضی بنائے جانے پر وعید سنائی گئی ہے اور امام علیہ الرحمۃ عورت کو قاضی بنائے جانے کا فتویٰ نہیں دے رہے بلکہ اس صورتِ حال سے بحث فرما رہے ہیں کہ اگر کہیں بطور واقعہ یہ صورت پیش آجائے کہ عورت قاضی بنائی جا چکی ہے یا مقدمے میں مبتلا دو فریقوں نے عورت کو ثالث مقرر کر لیا ہے اس پر عورت بحیثیت قاضی یا ثالث کوئی ایسا فیصلہ صادر کرتی ہے جو شریعتِ حقہ کے مطابق ہے تو کیا یہ فیصلہ اس وجہ سے رد کر دیا جائے گا کہ یہ عورت نے صادر کیا ہے؟ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں عورت کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا بشرطیکہ وہ صرف دیوانی یا مالیاتی تنازعات سے متعلق ہو۔ وہ معاملات جو افراد پر حملے کرنے، ان کو زخمی کرنے یا زنا کی سزا دینے یا قس وغیرہ فوجداری امور سے متعلق ہوں ان میں عورت کا فیصلہ نافذ نہیں ہو گا۔ خواہ شریعت اسلامیہ کے مطابق ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ جب شریعت نے ان امور میں اس کی شہادت تسلیم نہیں کی تو وہ اس کی قضا کو ان امور میں کیسے تسلیم کرے گی؟"

یہی وضاحت صاحب روح المعانی، علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود الوسی (المتوفی ۱۲۷۰) بایں الفاظ فرماتے ہیں :-

وذکر ابو حیان انہ نقل عن ابی حنیفۃ انہا تقضی فیما تشہد فیہ لا علی الاطلاق ولا ان یکتب لہا منشور بان فلانۃ مقدمۃ علی الحکم وانما ذالک علی سبیل التحکیم لہما۔[1]

ابو حیان ذکر کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا گیا ہے کہ عورت فیصلہ کر سکتی ہے انہی امور میں جن میں وہ شہادت دینے کی مجاز ہے نہ کہ مطلقاً، اور یہ بھی جائز نہیں ہے کہ عورت کے قاضی بنائے جانے کا آرڈر لکھا جائے بایں طور کہ فلاں عورت کو جج بنا دیا گیا ہے۔ عورت کا فیصلہ کرنا تو صرف اسی وقت معتبر قرار دیا جائے گا جب اسے ثالث (یا حاکم) بنا دیا گیا ہو۔"

عورت کو قاضی بنانے کی کوشش

یہاں اس حقیقت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے برعکس حضرت امام ابو حنیفہ علیہا الرحمۃ کے بارے میں جو یہ کہا گیا کہ آپ نے ان امور میں عورت کی قضاء کو جائز قرار دیتے ہیں۔ جن امور میں اسکی شہادت

[1] روح المعانی ج ۷ ص۱۵ قولہ تعالیٰ انی وجدت امرأۃ تملکھم۔

معتبر ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ کے نزدیک عورت کو قاضی بنانا یا اسے قاضی بنانے کی کوشش کرنا اور عورتوں کو سرکاری عہدوں پہ فائز کرنے کی تحریک چلانا جائز ہے بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر عورت کہیں قاضی بنائی جا چکی ہو یا کسی متنازعہ فیہ امر میں مدعی و مدعا علیہ نے عورت کو ثالث بنا لیا ہو اور عورت ایسا فیصلہ صادر کرے جو شریعت اسلامی کے مطابق ہو تو کیا یہ فیصلہ اس بناء پر قبول کر لیا جائے گا کہ فی نفسہ یہ درست ہے یا اس وجہ سے رد کر دیا جائے گا کہ یہ عورت نے دیا ہے جسے قاضی بنانا شرعاً درست نہیں ہے۔ امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ فیصلہ نافذ ہو گا بشرطیکہ صرف مالی معاملات سے متعلق ہو۔ فوجداری امور میں عورت کا ایسا فیصلہ بھی نافذ نہیں ہو گا جو شریعت کے مطابق ہو اور یہ اس لئے کہ اسے ان امور میں دخل اندازی کی اجازت سرے سے حاصل نہیں۔ حتیٰ کہ اس کی شہادت بھی ان امور میں معتبر نہیں۔

اس قضیہ کی مثال اس طرح کی ہے جیسے عورت اور مرد کا اختلاط نکاح کے بغیر ناجائز ہے لیکن اگر اس اختلاط کے نتیجے میں بچہ پیدا ہو جائے تو اسے سوسائٹی اس بناء پر رد نہیں کر سکتی کہ یہ ناجائز اختلاط سے پیدا ہوا ہے۔ اسے بہر حال جان، مال اور عزت کی وہ حفاظت حاصل ہو گی جو ایک ولد الحلال کو حاصل ہے۔

جو لوگ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے اس مسلک سے عورت کو والی مملکت بنانے کا جواز تلاش کر رہے ہیں وہ یا تو شریعت کے علم اور اس کی رُوح و مزاج سے تہی دامن ہیں یا وہ اس بگڑی ہوئی قوم کی سنت پر عمل پیرا ہیں جو یحرفون الکلم عن مواضعہ کے جرم کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب کی مستحق ہو چکی ہے۔

اس مؤقف کی تائید صاحب المغنی ابن قدامہ (علیہ الرحمۃ) ان الفاظ سے فرماتے ہیں:۔

قال ابوقاسم (ولا یولی قاض حتی یکون بالغاً عاقلاً مسلماً حراً عدلاً عالماً فقیہاً ورعاً) وحکمۃ انہ یشترط فی القاضی ثلاثۃ شروط احدھا الکمال وھو نوعان کمال الاحکام وکمال الخلقۃ واما کمال الاحکام فیعتبر فی اربعۃ اشیاء ان یکون بالغاً[1] عاقلاً[2]، حراً[3]، ذکراً[4] ولنا قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما افلح قوم ولوا امرھم امرأۃ ولان القاضی یحضرہ محافل الخصوم والرجال ویحتاج فیہ الی کمال الرأی وتمام العقل والفطنۃ والمرأۃ ناقصۃ العقل قلیلۃ الرأی لیست اھلاً للحضور فی محافل الرجال ولا تقبل شہادتہا ولو کان معہا الف امرأۃ مثلہا ما لم یکن معہن رجل لقولہ (ان تضل احداھما فتذکر احداھما الاخری)[1]

---

[1] المغنی لابن قوامہ ص ۳۹

"قاضی وہی شخص مقرر کیا جا سکتا ہے جو بالغ - عاقل - مسلم - حر (آزاد) - عادل - عالم، فقیہ، اور متورع اور پرہیزگار ہو اور اس کی حکمت یہ ہے کہ قاضی میں تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے منجملہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں کمال پایا جاتا ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں -

اوّل - کمال احکام ۔ دوئم - کمال تخلیق -

کمال احکام چار صفات میں معتبر تسلیم کیا گیا ہے - بالغ - عاقل - آزاد اور مرد ہونا - اور اس کی دلیل ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد :- ما افلح قوم ولوا امرھم امرأة (وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جو اپنے امور و معاملات عورت کے سپرد کر دے)

مزید برآں قاضی کے لئے ضروری ہے کہ مرد اس کی محفلوں میں آئیں اور مقدمات سے متعلق افراد بھی آئیں اور ظاہر ہے کہ مقدمات کا فیصلہ کرنے اور مقدمات کی پیروی کرنے والے افراد سے عہدہ برآ ہونے کے لئے قاضی محتاج ہے کہ اس کی رائے کامل ہو، عقل مکمل ہو اور وہ ذہین و فطین بھی ہو (تاکہ مقدمہ لڑنے والوں کی بحثوں کے دریچوں سے مقدمات کے پس منظر کو جھانک سکے) اور عورت ناقصۃ العقل ہونے کے باعث اس ذمہ داری کی اہل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اس کی اہل ہے کہ مردوں کی محفلوں میں حاضر ہو اور نہ ہی اس کی شہادت معتبر ہے، خواہ اس کے ساتھ ایک ہزار اس جیسی عورتیں موجود و شامل ہوں اس کی شہادت اس وقت معتبر ہو گی جب اس کے ساتھ مرد ہو۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کے اسی ناقص اور اس کی شہادت تک کے ناقابلِ اعتبار ہونے اور اس کے فطری نقص اور) اس کے کم فہم و (ضلالت) اور نسیان پر متنبہ فرمایا کما قال تعالیٰ ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخریٰ " اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد کرائے "!

شریعت سے قابلِ ماتم بے خبری

عورت کے سربراہ مملکت بنانے کی تحریک چلانا، بجائے خود کیا حیثیت رکھتا ہے۔ ابھی براہِ راست ہم اس عنوان پر گفتگو نہیں کر رہے لیکن یہاں یہ بات کہے بغیر چارہ نہیں کہ جو لوگ عورت کو صدر مملکت بنانے کی تحریک دین کے نام پر چلا رہے ہیں اور یہ چیلنج بھی دیتے ہیں کہ لاؤ کوئی دلیل جس میں عورت کو صدر مملکت بنانا ہمیشہ کے لئے حرام قرار دیا گیا، کبھی وہ یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ ہاں حرام تو ہم نے بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہے ہیں۔ البتہ جس طرح پیاس سے مرنے والے کے لئے شراب پی لینا جائز ہے ہم بھی عورت کو صدر مملکت بنانے کی جدوجہد

میں شریک ہوگئے ہیں تاکہ اس موت سے بچ جائیں جو مردوں کی حکومت سے سر پر منڈلا رہی ہے ـــــ اور کبھی کبھار یہی سننے میں آتا ہے کہ جس عورت کو صدر بنانے کے جہاد کے ذریعہ اقامت دین کی جدوجہد کے تیسرے مرحلے میں داخل ہو رہے ہیں اس عورت میں اس کے سوا کوئی نقص نہیں کہ وہ عورت ہے۔ اللہ اکبر۔!

یہ معرفت تامہ جس کو حاصل ہو جائے وہ کیوں نہ عہد حاضر کا مجدد کہلائے اور اسلامی فکر تو گویا اس کی جیب کی گھڑی ہے لیکن قرآن ان حضرات سے مخاطب ہو کر جو کچھ فرماتا ہے اور قرآن جاننے والوں نے جو ان آیات کی تشریح کی ہے۔ اور ابھی آپ نے ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کو جو پڑھا، سوچیے اس واضح استدلال کے بعد کہ اگر عورت جج بنائی جائے تو اسے مردوں کی محفلوں میں حاضر ہوئے بغیر چارہ نہیں اور اگر عورت قاضی ہو تو ناگزیر ہے کہ اس کی عقل سالم، فکر سلیم اور ذہانت و فطانت بھی موجود ہو ـــــ اور جو قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ عورتوں کی شہادت تک کو اس بناء پر مسترد کر دیتا ہے کہ وہ ناقصات العقل بھی ہیں اور زود فراموش بھی!

سوچیے! شہادت کے لئے تو قرآن کا یہ فیصلہ عورت کے قاضی بننے کی راہ میں حائل ہو، مزید براں یہ شکل کہ اس کی مجلس میں مرد آئیں اور قرآن مردوں کے اختلاط کو ہر حالت میں حرام قرار دیتا ہے ـــــ اور عہدہ صدارت کا نو سو ننانوے فی ہزار تعلق، مردوں سے ہی ہے۔ فرض کیجیے عورت میں بجز عورت ہونے کے کوئی نقص نہ بھی ہو تو کیا تنہا یہی نقص اس کے نااہل ہونے کے لئے کافی نہیں ـــــ اگر اس کے برعکس یہ ارشاد صحیح ہے کہ ان کی امیدوار صدارت میں کوئی نقص اس کے سوا نہیں کہ وہ عورت ہے لہٰذا اسے صدر مملکت بنا لینا چاہئے تو بات اسی طرح کی ہوئی کہ عورت میں عورت ہونے کے سوا تو کوئی نقص نہیں لہٰذا اسے شوہر بنا ہی لینا چاہیے۔ العیاذ باللہ من ھذہ الخرافات۔

اجماع مطلق

امام ابن حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" میں فرماتے ہیں:۔

وجمیع فرق اھل القبلۃ لیس منھم احد یجیز امامۃ امرأۃ (اہل قبلہ کے تمام فرقوں میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو عورت کی امامت کے جواز کا قائل ہو)۔ (ج ۴ ص ۱۱۰)

امام ابوبکر ابن العربی اپنی مشہور و مستند اور متداول کتاب "احکام القرآن" میں فرماتے ہیں:۔

وروی فی الصحیح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال حین بلغہ ان کسریٰ لما مات وولی قومہ بنتہ لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ وھذا نص فی ان المرأۃ لا تکون خلیفۃ ولا خلاف فیہ[1]۔

"صحیح حدیث میں مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ کسریٰ کے مرنے پر اس کی قوم نے اس کی بیٹی کو اپنا والی مقرر کیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قوم عورت کو اپنا سربراہ کار بناتی ہے وہ کبھی بھی فلاح نہیں پا سکتی۔

حضور کا یہ ارشاد اس بارے میں نص قطعی ہے کہ عورت کبھی خلیفہ نہیں ہو سکتی اور اس مسئلے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

صاحب المیزان الکبریٰ امام شعرانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔ ان القاضی نائب عن الامام الاعظم وقد اجمعوا علی اشتراط ذکورتہ[2]

"قاضی نائب ہوتا ہے امام اعظم (صدر مملکت) کا اور پوری امت کا اجماع اس امر پر ہے کہ اس (صدر مملکت) کے لئے یہ شرط ناگزیر ہے کہ وہ مرد ہو۔"

یہ چند حوالے تو اجماع مطلق کے بارے میں سراحۃ النص کی حیثیت رکھتے ہیں، اگرچہ ان کے بعد یہ ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اس اجماع کی تفصیل بھی بیان کی جائے اور نام بنام ائمہ سلف کے اقوال پیش کئے جائیں۔ لیکن چونکہ عورت کو سربراہ مملکت بنانے کی تحریک کے حامی اور علمبردار حضرات اب اس حد تک جسارت کرنے لگے ہیں کہ عورت کو نبوت تک کا اہل ثابت کرنے کے لئے[3]

---

[1] احکام القرآن الامام ابی بکر ابن العربی ج ۲ تحت قولہٖ انی وجدت امرأۃ الآیۃ۔ [2] المیزان الکبریٰ ص ۱۸۹

[3] عورت صدر مملکت بن سکتی ہے، اس نظریہ کے ایک پرجوش حامی جناب ریاض الرحمان شروانی فرماتے ہیں:۔
"یہ عورتوں کے حقوق کے خلاف پراناحربہ ہے کہ کوئی عورت پیغمبر نہیں ہوئی،

بھائی صاحب! جس زمانے میں پیغمبر آیا کرتے تھے، وہ زمانہ عورتوں کی پسماندگی کا تھا۔ عورت پیغمبر کہاں سے ہو جاتی؟ اگر رسول اکرمؐ پر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی اور یہ سلسلہ جاری رہتا تو آج کی دنیا میں ایسا کچھ بعید از قیاس بھی نہیں تھا۔ واقعات کو تاریخی پس منظر سے ہٹا کر دیکھنا اور ان سے نتائج مرتب کرنا بے بصری کی دلیل ہے یا چالاکی کی؟ (مدینہ بجنور مورخہ یکم نومبر ۶۴ء) (خطرہ ہے کہ عورت کو صدر مملکت بنانے والے یہ حضرات کہیں ایک قدم اور آگے بڑھ کر کسی عورت کو نبی ثابت ہی نہ کر دکھائیں تاکہ یہ لیل تو ختم ہو جائے کہ عورت کے ناقص العقل ہونے کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ ان میں سے کسی کو خلعت نبوت سے نہیں نوازا گیا۔۔۔ (المنبر)

ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور ان میں سے بعض ائمہ کے نام پر تلبیس میں مصروف ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ مثبت طور پر ائمہ کرام کے اقوال اور ان کے مسلک کی وضاحت کی جائے۔

امام احمدؒ، مالکؒ، شافعیؒ علیہم الرحمۃ کا مسلک

ائمہ علیہم الرحمۃ اور مفسرین و محدثین ان سبھی طبقات کے بارے میں یہ بات ہر صاحب علم پر واضح ہے کہ ان سب کا مزاج دین کے بارے میں یہ تھا کہ جو مسائل عرف عام میں یا اہل علم میں متفق علیہ تصور کئے جاتے تھے وہ ان کے بارے میں بجز اس کے کہ چند جملوں میں ان کے جواز یا عدم جواز کا اظہار کریں، وہ کسی تفصیل میں نہیں پڑتے تھے اور یہ بات تو گویا ان کا معمول تھی کہ جس مسئلہ میں کوئی خاص الجھن پیش نہ آئے وہ اس کی تفصیلات میں نہیں جاتے تھے۔ البتہ جب کوئی مسئلہ خصوصی اہمیت اختیار کر جاتا یا کسی غلط عنصر کی جانب سے اسلام کے کسی خاص پہلو میں بگاڑ کی صورت پیدا کی جاتی تو وہ اپنی جان تک کو بھی داؤ پر لگا دیتے تھے۔

ہمارے سامنے مسئلہ خلق قرآن ہے امام اہل السنۃ احمد ابن حنبل علیہ الرحمۃ کے عہد سے قبل اس مسئلے نے کوئی اہمیت حاصل نہیں کی صحابہ اور ان کے خصوصی تلامذہ سے شائد ہی اس باب میں کوئی صراحت کتب میں پائی جاتی ہو۔ لیکن جب مبتغین فتنہ نے یہ مسئلہ اٹھا دیا تو امام احمد ابن حنبل علیہ الرحمۃ میدان میں کود پڑے اور جان کی بازی لگا دی۔

سلف کے اس مزاج کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی زیر نگاہ رکھنا ضروری ہے کہ عورت کو والی مملکت بنانا تو جیسا کہ اس بحث کے آغاز میں عرض کیا گیا، موضوع کا آخری اور انتہائی باب تھا، سلف میں اس کے ابتدائی عنوانات، عورت کی امامت صلوٰۃ، عورت کی ثالثی، عورت کا قاضی بنایا جانا۔ عورت کو رئیس مملکت کا جزوًا نائب بنایا جانا۔ ان امور میں کوئی اہم اختلاف واقع نہیں ہوا۔ بجز ایک دو حضرات کے جو اس کے عدم جواز کے قائل نہ تھے۔ رہا مملکت کی سربراہکاری کے منصب پر عورت کو فائز کرنا تو سلف کے تحریر فرمودہ لٹریچر کو ایک نظر دیکھنے والا ہر دیانتدار شخص یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کا کوئی تصور ان کے ہاں موجود نہیں تھا اور وہ از اول تا آخر اس مسئلے پر متفق تھے کہ عورت کو صدر مملکت بنانے کی کوئی گنجائش اسلام میں نہیں ہے۔

ان ابتدائی تصریحات کے بعد ہم زیر بحث مسئلہ میں ائمہ سلف کے اقوال پیش کرتے ہیں:-

ائمہ ثلاثہ

صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں:- قال الائمۃ الثلاث المرأۃ ناقصۃ العقل لیست اھلاً للخصومۃ مع الرجال فی محافل الخصوم قال صلی اللہ

علیہ وسلم لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ رواہ البخاری[1]۔

"ائمہ ثلاثہ (احمد بن حنبل، شافعی، مالک علیہم الرحمۃ) فرماتے ہیں کہ عورت کی قضا جائز نہیں ہے اس لئے کہ عورت ناقص العقل ہے۔ قضا کی اہلیت سے محروم ہے اور نہ ہی وہ مردوں کیساتھ معاملات میں بحث کرنے کی مجاز ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی قوم فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنے امور و معاملات عورت کے سپرد کر دیئے ہوں"۔

عورت کی قضا جو ایک جزو قلیل ہے مملکت کے امور کا اور کہیں کم درجہ کی اہلیت والا شخص بھی اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے، یہ حضرات باتفاق رائے عورت کو اس کا بھی اہل نہیں سمجھتے، چہ جائیکہ امامت عظمیٰ (مملکت کی سربراہ کاری اور صدارت) کے لئے عورت کو منتخب کیا جائے، جس کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ ہر وقت غیر محرم مردوں میں گھری رہے اور حجاب و حیا تک کے بہت سے واجبات دینیہ کو ترک کئے بغیر وہ فرائض صدارت کو انجام ہی نہ دے سکے۔ ائمہ ثلاثہ کا یہ موقف سلف و خلف میں مشہور و متداول ہے۔ میزان الکبریٰ کے علاوہ "رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ" کے مصنف عبداللہ محمد بن عبدالرحمان دمشقی علیہ الرحمۃ نے اس کی توثیق کی ہے۔

امام مالکؒ:۔ ائمہ ثلاثہ (جن میں امام مالک علیہ الرحمۃ شامل ہیں) کا مذہب وہی ہے جو ابھی پیش کیا گیا۔ اس[2]

---

[1] القدیر ج ۵ ص ۳۸

[2] فاران کراچی (بابت ماہ نومبر) میں کوئی صاحب ابن نذیر کے نام سے "فتح الباری" کی عبارت تو پیش نہیں کرتے صرف اس کے ترجمے پر اکتفا کرتے ہیں، مگر چابکدستی ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں۔ "یہ تینوں حضرات (امام مالک، امام ابو حنیفہ، اور علامہ طبری) کہتے ہیں کہ جن معاملات میں عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔ ان میں وہ "صاحب امر" بھی بنے گی"۔ عرف عام یا کم از کم اس مضمون میں "صاحب امر" سے مراد سربراہ مملکت ہی لیا جا سکتا ہے۔ لیکن واقعہ کیا ہے، اس کی تفصیل "عورت کو قاضی بنائے جانے" کے زیر عنوان گذر چکی، یہاں اجمالاً اتنا کہہ دینا کافی ہو گا کہ یہ "صاحب امر، بھی بنے گی" کا جملہ ترجمہ ہے "تلی الحکم" کا۔ فتح الباری کی اس عبارت کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اگر عورت ثالث یا قاضی بنا دی جائے اور وہ کوئی ایسا فیصلہ کر دے جو کتاب و سنت کے مطابق ہو تو بعض ائمہ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ فیصلہ اس بناء پر رد نہیں کر دیا جائیگا کہ یہ عورت نے کیا ہے، رہا یہ کہ عورت کو "قاضی مقرر کیا جائے"، تو انہی حضرات کا فرمانا ہے کہ اس کا تقرر جائز نہیں۔

ایک دوسرے صاحب نے اس سے بھی زیادہ جرأت کا ثبوت پیش کیا ہے اور انہوں نے "فتح الباری" کے زیر بحث حوالے سے تو یہاں تک لکھدیا ہے "سلف صالحین میں بھی بعض ایسے اکابر گذرے ہیں جو عورت کی سربراہی کو حرام قرار نہیں دیتے تھے"۔ اس عبارت میں کتنے مغالطے ہیں، اے کاش اسکی صراحت میں بعض موانع نہ ہوتے تاہم آپ یہ خود ہی غور کریں۔۔۔۔

ضمن میں یہ صراحت ضروری ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ

قال الشهابی فی الحدیث ان المرأة لا تلی الامارة والقضاء وفیه انها لا تزوج نفسها ولا تلی العقد علیٰ غیرها.... والمنع من ان تلی الامارة وقال الجمهور واجازه الطبری وهی روایة عن مالك وعن ابی حنیفة تلی الحکم فیما تجوز فیه شهادة النساء[1]۔

"امام شہابی کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ عورت امارت کی متولی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی قاضی بن سکتی ہے اور حدیث میں ہے کہ عورت نہ تو اپنا نکاح خود کر سکتی ہے اور نہ دوسری عورت کی ولی بن سکتی ہے۔ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ عورت کو امارت و قضاء دونوں پر فائز کرنا ممنوع ہے۔ البتہ طبری نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور یہی روائت امام مالک سے ہے اور امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ عورت ان امور میں فیصلہ کرنے کی مجاز ہے جن میں اس کی شہادت جائز ہے۔"

ہم نے اس حوالہ کا ماخذ تلاش کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ مگر ہمیں اس میں کامیابی نہیں ہوئی اس کے برعکس، جیسا کہ ابھی ذکر ہوا صاحب میزان الکبریٰ بصراحت لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ دوسرے دو ائمہ (شافعیؒ اور احمد ابن حنبلؒ) سے اس بارے میں متفق ہیں کہ عورت قاضی نہیں بن سکتی۔ اسی طرح ابن رشد صاحب بدایۃ المجتہد جو مسلکاً مالکی ہیں۔ فرماتے ہیں:-

ولا تقبل عند مالك فی حکم من احکام البدن[2]۔ "امام مالکؒ کے ہاں بدنی معاملات میں عورت کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔"

صاحب مدونۃ الکبریٰ جو امام مالکؒ ہی کے مسلک کے نقیب و داعی ہیں لکھتے ہیں:-

لا تجوز لان مالکاً قال لا تجوز شهادة النساء فی الحدود ولا فی القصاص[3]

"عورت کی شہادت (فوجداری معاملات میں) معتبر نہیں اس لئے کہ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ حدود اور قصاص میں عورت کی شہادت معتبر نہیں ہے"۔

یہی نہیں، خود امام مالکؒ اپنے موطا میں فرماتے ہیں:-

انما العتاقة حد من الحدود ولا تجوز فیها شهادة النساء...... وشهادة النساء لا تجوز فی الطلاق[4]۔ "عتق حدود میں سے ایک حد ہے، اس میں عورتوں کی شہادت

[1] فتح الباری ج ۸ صفحہ ۹۰؛ [2] بدایۃ المجتہد صفحہ ۳۶۵؛ [3] المدونۃ الکبریٰ ج ۱۴ ص ۱۳۹؛ [4] موطا امام مالک مع تنویر الحوالک ج ۲ ص ۱۰۹

معتبر نہیں ہے اور عورت کی شہادت طلاق میں قابل اعتماد نہیں ہے،

بمقام غور ہے جو امام مالکؒ عورتوں کی شہادت بالعموم ان امور میں بھی معتبر نہیں مانتے جن میں بعض دوسرے ائمہ اس کی شہادت پر اعتماد جائز سمجھتے ہیں، ان کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ عورت کی امارت وقضا کے جواز کے قائل ہیں کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

امکان غالب یہی ہے کہ حافظ ابن حجر (صاحب فتح الباری) علیہ الرحمۃ سے تسامح ہوا ہے (سامحہ اللہ)

بایں ہمہ اگر بالفرض کوئی شاذ روایت امام مالک کی مل بھی جائے کہ وہ عورت کے قاضی بنائے جانے کے قائل ہیں، تب بھی اس سے عورت کو صدر مملکت بنانے ۔۔۔ از کا استدلال ممکن نہیں۔ اس لئے کہ بعض امور میں کسی کے جج یا ثالث بنانے سے یہ کہاں جائز ہو جاتا ہے کہ اسے صدر مملکت بھی بنا دیا جائے بالخصوص جبکہ پوری امت اس امر پر متفق ہو کہ عورت صدر مملکت نہیں بنائی جا سکتی اور رسول الثقلین فداہ ارواحنا وانفسنا صلی اللہ علیہ وسلم بوضاحت فرماتے ہوں کہ وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جو عورت کو سربراہ کار بنالے۔

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ عورت کو صدر بنانے کے مجوزین بالعموم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالےٰ کے بعض اقوال سے استدلال کرتے ہیں کہ "آپ عورت کی امارت وقضاء کے جواز کے قائل تھے"۔

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے بارے میں اس مغالطہ دہی یا غلط فہمی کا باعث کیا ہوا؟ اصل مسئلہ وہی ہے جو ابھی امام دار الہجرہ امام مالک علیہ الرحمۃ کے بارے میں زیر بحث آیا امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ اس امر کے قائل تھے کہ

وقال ابو حنیفۃ یجوز ان تکون قاضیۃ فی غیر الحدود ولانہ یجوز ان تکون شاھدۃ فیہ۔ "جائز ہے کہ عورت حدود کے علاوہ دوسرے امور میں قاضی ہو اس لئے کہ ان امور میں اس کی شہادت معتبر ہے"۔

سلہ ۔ جماعت اسلامی کے زیر اہتمام ایک ادارہ تحقیق وریسرچ اور اسلامی معارف وعلوم کی اشاعت کے لئے غالباً "معارف اسلامیہ" کے نام سے بنایا گیا ہے اس ادارہ کے ایک ذمہ دار رکن "مولانا محمد اسلم" صاحب ہیں انہوں نے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ علامہ طبری، امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ علیہم اجمعین، خواتین کی امامت وقضاء کے جواز کے قائل ہیں" (آئین لاہور انتخاب نمبر)

سلہ المغنی لابن قدامہ جزء ۹ صـ ۳۹ ۔

صاحب بدایۃ المجتہد امام علیہ الرحمۃ کے اس مسلک کو ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں :۔
وقال ابوحنیفة یجوز ان تکون المرأة قاضیاً فی الاموال [1]
"امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عورت مالی امور میں قاضی ہو سکتی ہے۔"
اس مسلک کی صحیح تعبیر کیا ہے؟ اس کے لئے امام ابوبکر ابن العربی معافری کی دل آویز تحریر ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں :۔
روی فی الصحیح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال حین بلغه ان کسریٰ لما مات وولّی قومه بنته لن یفلح قوم ولوا امرهم امرأة وهذا النص فی ان المرأة لا تکون خلیفة ولا خلاف فیه ونقل عن محمد ابن جریر الطبری امام الدین انه یجوز ان تکون المرأة قاضیة ولم یصح ذالك عنه ولعله کما نقل عن ابی حنیفة انها تقضی فیما تشهد فیه ولیس بان تکون قاضیة علی الاطلاق ولا بان یکتب لها منشور بان فلانة مقدمة علی الحکم الا فی الدماء والنکاح وانما ذالك کسبیل التحکیم والاستنابة فی القضیة الواحدة بدلیل قوله صلی اللہ علیہ وسلم لن یفلح قوم ولوا امرهم امرأة وهذا هو الظن بابی حنیفة وابن جریر [2]۔
"صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا کہ کسریٰ کے مرنے پر اس کی قوم نے اس کی بیٹی کو والی بنایا تو آپؐ نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جو اپنا سربراہ کار عورت کو بناتی ہے، یہ حدیث نص صریح ہے اس مسئلے میں کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی اور اس مسئلے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔
ابن جریر طبری سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ عورت کے قاضی بننے کے جواز کے قائل تھے۔ لیکن ان سے یہ روایت صحیح نہیں ہے اور ممکن ہے کہ اس کا مفہوم بھی وہی ہو جو امام ابوحنیفہؒ سے منقول قول کا ہے کہ عورت ان امور میں فیصلہ صادر کر سکتی ہے، جن میں اس کی شہادت جائز ہے نہ یہ کہ عورت مطلقاً قاضی بن سکتی ہے اور نہ ہی اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی تقرری کا پروانہ لکھا جائے (گزٹ شائع کیا جائے) کہ فلاں عورت کو حکم پر متعین کیا گیا ہے۔ بجز فوجداری مقدمات اور نکاح کے، (یعنی اس استثناء کے باوجود بھی اسے باقاعدہ قاضی مقرر کرنا جائز نہیں ہے) اور یہ تو صرف اسی حد تک

---

[1] بدایۃ المجتہد ج ۲ صفحہ ۴۶۰ باب من یجوز قضائہ ۔ [2] احکام القرآن لابی بکر ابن العربی المعافری ج ۵ صفحہ ۳۸

محدود ہے کہ اگر عورت کو بطریق ثالثی (فریقین مقدمہ کی جانب سے) حکم بنایا جائے، یا کوئی ثالث جج یا حکومت، عورت کو کسی ایک معاملے میں نائب مقرر کر دے اور یہ اس لئے کہ حدیث میں بصراحت موجود کہ جو قوم اپنے معاملات عورت کے سپرد کر دے وہ کبھی بھی فلاح نہیں پائے گی اور امام ابو حنیفہ رح اور ابن جریر سے حسن ظن یہی ہے (کہ انہوں نے حدیث کے خلاف مسلک اختیار نہیں کیا بلکہ وہ صرف اسی حد تک قائل تھے کہ اگر عورت کو کسی تنازع میں وقتی طور پر ثالث بنا دیا جائے تو اس کی قضا جائز ہوگی، نہ یہ کہ وہ مطلقاً عورت کے باقاعدہ قاضی مقرر کرنے کے جواز کے قائل تھے)

اسی سلسلے میں صاحب روح المعانی مفتی بغداد علامہ ابو الفضل شہاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادی (المتوفی ۱۲۷۰) میں فرماتے ہیں :-

وقد ورد انهن ناقصات عقل و دين والرجال بعكسهن كما لا يخفى ولذا اخصوا بالرسالة والنبوة على الاشهر وبالامامة الكبرى والصغرى و اقامة الشعائر كالاذان والاقامة والخطبة والجمعه وتكبيرات التشريق عند امامنا الاعظم[۱]۔

حدیث میں وارد ہے کہ عورتیں ناقص العقل اور ناقص الدین ہوتی ہیں اور مرد ان کے برعکس جیسا کہ کسی شخص پر بھی مخفی نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ مشہور ترین مذہب کے مطابق مرد ہی رسالت اور نبوت سے مخصوص کئے گئے ہیں اور امامت کبریٰ و صغریٰ شعائر اسلامیہ کے قیام مثلاً اذان، اقامت اور خطبۂ جمعہ، تکبیرات تشریق میں بھی ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک مرد ہی سے مخصوص ہیں۔

ان تصریحات کے بعد امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے بارے میں کسی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں، آپ رح دوسرے ائمہ ثلاثہ کی طرح عورت کے سربراہ مملکت بنائے جانے کو ناجائز ہی قرار دیتے ہیں اور حنفیہ از سلف تا خلف امام علیہ الرحمۃ کے اسی مسلک کے قائل ہیں۔

مفسرین کا اجماع

مفسرین علیہم الرحمۃ کے مختلف طبقات ہیں اور جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے مفسرین کئی ایک امور میں باہم مختلف رائے کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن عورت کو سربراہ مملکت بنائے جانے کا مسئلہ

---

[۱] روح المعانی جزء خامس صد ۲۳

ان اہم اور بنیادی مسائل میں سے ایک ہے جس پر ہر طبقہ کے مفسر متفق الرائے ہیں۔

ہم طوالت سے بچنے کی خاطر چند اہم مفسرین کی آراء پر اکتفا کرتے ہیں:۔

سید المفسرین ابن عباس عن ابن عباس رضؓ الرجال قوامون علی النساء یعنی امراء علیھن ای تطیعہ فیما امراللہ بہ من طاعتہ وطاعتہ ان تکون محسنۃ لاھلہ وحافظۃ لمالہ (ابن جریر طبری، ابن کثیر تحت قولہ تعالیٰ الرجال قوامون علی النساء)

"مرد عورتوں پر قوام یعنی حاکم ہیں، عورت مرد کی ان امور میں اطاعت کرے جن کی اطاعت کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اس کی اطاعت یہ ہے کہ عورت مرد کے اہل وعیال سے اچھے سلوک سے پیش آئے اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔"

امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ کے اس قول کی تائید حضرت مقاتلؒ، سدیؒ اور ضحاکؒ نے بھی کی ہے۔ گویا متقدمین مفسر سبھی قوام کے معنی امراء ہی کرتے ہیں۔

ابن جریر طبری صحابہ کے بعد سب سے پہلے مفسر قرآن ابن جریر طبری (المتوفی ۔ ۳۱۰) نے اسی آیت[۱] کے تحت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول ہی پر اکتفا کی ہے اور حضرات مقاتلؒ، ضحاکؒ اور سدیؒ کا مذکورہ قول نقل کیا ہے اور یہی امام محمد ابن جریر طبری علیہ الرحمۃ کا اپنا مذہب[۲] ہے۔

زمخشری صاحب کشاف پانچویں چھٹی صدی کے مفسر ابوالقاسم محمد بن عمر زمخشری (المتوفی ۵۳۸) اپنی مشہور تفسیر کشاف میں فرماتے ہیں۔

وفیھم الامامۃ الکبریٰ والصغریٰ والجھاد والاذان والخطبۃ والاعتکاف وتکبیرات التشریق عند ابی حنیفۃ والشھادۃ فی الحدود وفی القصاص وزیادۃ السھم[۳]

---

[۱] بعض حلقوں میں ابن جریر علیہ الرحمۃ کے بارے میں یہ مشہور کیا جا رہا ہے کہ آپ عورت کو قاضی بنانے کے جواز کے قائل تھے ہرچند کہ قاضی بنانا اور وہ بھی صرف انہی مسائل جن میں عورت کی شہادت جائز تصور کی گئی ہے اس کا کوئی بھی تعلق ولائت عظمیٰ اور صدارت مملکت سے نہیں ہے، تاہم ابن جریر علیہ الرحمۃ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ عورت کو قاضی بنانے کے قائل تھے یہ بھی غلط ہے اس کی تفصیل اوپر امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے زیر عنوان گذر چکی ہے۔

[۲] ابن جریر تحت قولہ تعالیٰ الرجال قوامون علی النساء [۳] کشاف ج ۱ ص ۲۶۶ تحت قولہ تعالیٰ الرجال قوامون علی النساء

"مردوں ہی میں امامت کبریٰ اور امامت صغریٰ محدود ہے اور جہاد، اذان، خطبہ، اعتکاف و تکبیرات تشریق امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے ہاں (مردوں سے مخصوص ہیں) اور حدود و قصاص میں شہادت بھی مردوں سے ہی مخصوص ہے اور میراث کے حصہ میں اضافہ (مردوں کا امتیاز) ہے"۔

تفسیر ابو السعود قاضی القضاۃ ابو السعود محمد بن العمادی (۸۹۶ - ۹۵۱) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں

"الرجال قوامون علی النساء" ایراد الجماعة اسمية والخبر على صيغة المبالغة للايذان بعراقتهم فی الاتصاف بما اسند اليهم ورسوخهم فيه ای شانهم القيام عليهن بالامر والنهی قيام الولاة على الرعية وعلل ذالك بامرين وهبی وکسبی فقيل (بما فضل الله بعضهم على بعض) الباء سببية متعلقة بقوامون اوالمحذوف وقع حالاً من ضميره ومامصدرية والضمير البارز لكلا الفريقين تغليبا ای قوامون عليهن بسبب تفضيل الله تعالى اياهم عليهن اومتلبسين بتفضيله تعالى الخ ووضع البعض موضع الضميرين للاشعار بغاية ظهور الامر وعدم الحاجة الى التصريح بالمفضل والمفضل عليه اصلاً ولمثل ذالك لم يصرح بمابه التفضيل من صفات كماله التی هی كمال العقل وحسن التدبير ورزانة الرأی ومزيد القوة فی الاعمال والطاعات ولذالك خصوا بالنبوة والامامة والولاية واقامة الشعائر فی جميع القضايا ووجوب الجهاد والجمعة وغير ذالك[1]۔

"الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض"

جملہ اسمیہ کی صورت میں لانے اور خبر (قوامون) بصیغہ مبالغہ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مردوں کی جانب جو صفت (قوامون) منسوب کی گئی ہے وہ اس صفت میں کماحقہٗ معروف بھی ہیں اور راسخ بھی، بایں معنی کہ ان کی پوزیشن ہی یہ ہے کہ مرد عورتوں پر امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور رعیت پر بحیثیت والی مقرر کئے جانے میں ممتاز ہیں اور اللہ رب العزت نے مردوں کے اس امتیاز کی توجیہ دو وجوہ سے بیان فرمائی ہے ایک وہبی دوسرے کسبی، جیسا کہ کہا گیا کہ قرآن مجید کی آیت بما فضل اللہ ... بعضہم علی بعض۔ یہ مردوں کے قوام ہونے کی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

[1] تفسیر ابو السعود الجزء الاول ص ۳۳۸ و ص ۳۳۹

ان آیات کا انداز بیان ایسا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورتوں پر مردوں کی فضیلت اتنی واضح بات ہے کہ نام لے کر اور صراحت کے ساتھ مردوں کے ذکر کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی بلکہ بما فضل اللہ بعضہم علی بعض سے ہی تعبیر فرمانے پر اکتفا کیا۔

مراد یہ ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم (قوام) ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

اس فضیلت کی تفصیل کہ مرد عورتوں کے بالمقابل کامل العقل ہیں، حسن تدبیر میں وہ عورتوں پر فوقیت رکھتے ہیں، اصابت و استحکام رائے میں انہیں امتیاز حاصل ہے اور قوت عمل اور اطاعت الٰہیہ میں وہ عورتوں سے زیادہ ہمت رکھتے ہیں، یہ تفصیل اس لیے بیان نہیں فرمائی کہ یہ باتیں اس قدر معروف ہیں کہ ان کی تصریح کی ضرورت نہ تھی اور یہی وجہ ہے کہ مرد ہی نبوت، امامت، ولایت اور تمام امور و معاملات میں شعائر الٰہیہ کے قیام کی صلاحیت سے مخصوص کئے گئے ہیں اور جمعہ و جہاد انہی پر فرض کیا گیا ہے۔"

امام ابن کثیرؒ صاحب تفسیر ابن کثیر الامام حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر الدمشقی (المتوفی ۷۷۴ھ) اپنی مشہور و متداول تفسیر، ابن کثیر میں فرماتے ہیں:۔

یقول اللہ تعالیٰ (الرجال قوامون علی النساء) ای الرجل قیم علی المرأۃ ای ھو رئیسھا وکبیرھا والحاکم علیھا ومودبھا اذا الموجب (بما فضل اللہ علی بعض) لان الرجال افضل من النساء والرجل خیر من المرأۃ ولھذا کانت النبوۃ مختصۃ بالرجال وکذالک الملک الاعظم لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم "لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ" رواہ البخاری من حدیث عبد الرحمٰن ابن ابی بکرۃ عن ابیہ وکذا منصب القضاء وغیر ذالک (وبما انفقوا من اموالھم) ای من المھور والنفقات والکلف التی اوجبھا اللہ علیھم لھن فی کتابہ وسنہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فالرجل افضل من المرأۃ فی نفسہ ولہ الفضل علیھا والافضال فناسب ان یکون قیما علیھا کما قال اللہ تعالیٰ (وللرجال علیھن درجۃ) الآیۃ وقال علی ابن ابی طلحۃ عن ابن عباس (الرجال قوامون علی النساء) یعنی امراء علیھن ای تطیعہ فیما امرھا اللہ بہ طاعتہ وطاعتہ ان تکون محسنۃ

لاھلہ حافظۃ لمالہ[1]

"اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:- الرجال قوامون علی النساءِ - مرد عورتوں پر قوام ہیں یعنی مرد عورت پر نگران ہے، اس کا رئیس و سربراہ کار ہے عورت کا "بڑا" ہے، اس پر حاکم ہے، اس کا مودب ہے، جب وہ ٹیڑھا راستہ اختیار کرے۔

بما فضل اللہ بعض علی بعض:- بوجہ اس کے کہ اللہ تعالےٰ نے بعض (مرد) کو بعض (عورت) پر فضیلت عطا فرمائی ہے یعنی اس لئے کہ مرد (بحیثیت مرد ہونے کے) عورتوں سے زیادہ افضل ہے، مرد عورت سے بہتر ہے، اسی لئے نبوت مردوں ہی سے مخصوص ہے اور اسی طرح مملکت کی سربراہ کاری بھی مردوں سے مخصوص ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بناء پر کہ حضور نے فرمایا:

لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ - کوئی قوم ہرگز فلاح نہیں پا سکتی جو اپنے معاملات کی باگ ڈور عورت کے سپرد کر دے - اسی طرح قضاء کا منصب اور دوسرے عہدے ہیں - (قرآن مجید کا ارشاد) وبما انفقوا من اموالھم:- اور بوجہ اس کے جو مرد (عورتوں پر) اپنا مال خرچ کرتے ہیں، یعنی مہر، مصارف اور وہ امور جو اللہ تعالےٰ نے مردوں پر قرآن مجید میں واجب کئے ہیں، تو مرد عورت سے فی نفسہٖ افضل ہے اور اسے عورت پر برتری کا مقام حاصل ہے۔ اسی بناء پر درست یہی ہے کہ مرد عورت پر قیم ہو، جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

الرجال قوامون علی النساء - مرد عورتوں پر نگران و حاکم ہیں اور ان (عورتوں) پر لازم ہے کہ مردوں کی ان امور میں اطاعت کریں، جو اللہ تعالےٰ نے ان پر لازم کئے ہیں۔ اور اس کی اطاعت یہ ہے کہ عورت مرد کے گھر بار کی محسنہ ہو۔ اور اس کے اثاثہ کی نگران و محافظ ہو۔

روح المعانی صاحب روح المعانی، مفتی بغداد، علامہ ابو الفضل شہاب الدین السید محمد الالوسی البغدادی (المتوفی ۱۲۷۰) فرماتے ہیں۔

(الرجال قوامون علی النساء) ای شانھم القیام علیھن قیام الولاۃ علی الرعیۃ بالامر والنھی ونحو ذالک واختیار الجملۃ الاسمیہ مع صیغہ المبالغۃ للایذان بعراقتھم ورسوخھم فی الاتصاف بما اسند الیھم وفی الکلام اشارۃ الی سبب استحقاق الرجال الزیادۃ فی المیراث

[1] ابن کثیر ج ا ص۴۹۱ تحت قولہٖ الرجال قوامون علی النساء

کما ان فیما تقدم رمزاً الی تفاوت مراتب الاستحقاق وعلل سبحانه الحکم بامرین وھبی وکسبی فقال عز شانہ (بما فضل اللہ بعضھم علی بعض) ...... ای قوامون علیھن بسبب تفضیل اللہ تعالیٰ ایاھم علیھن او مستحقین ذالک بسبب التفضیل او متلبسین بالتفضیل وعدل عن الضمیر فلم یقل سبحانہ بما فضلھم اللہ علیھن للاشعار بغایۃ ظھور الامر وعدم الحاجۃ الی التصریح بالمفضل والمفضل علیہ بالکلیۃ — وقیل للابھام للاشارۃ الی ان بعض النساء افضل من کثیر من الرجال ولیس بشئ ..... وقد ورد انھن ناقصات عقل ودین الرجال بعکسھن کما لا یخفی ولذا خصوا بالرسالۃ والنبوۃ علی الاشھر وبالامامۃ الکبریٰ والصغریٰ واقامۃ الشعائر کالاذان والاقامۃ والخطبۃ والجمعۃ وتکبیرات التشریق عند امامنا الاعظم[1]

الرجال قوامون علی النساء :- یعنی مردوں کا مقام یہ ہے کہ وہ عورتوں پر نگران ہوں جس طرح ملک کا والی رعیت پر نگران ہوتا ہے اور رعایا کو کرنے کے کاموں کی تلقین کرتا ہے اور جن باتوں سے رکنا ہو انہیں رکنے کا حکم دیتا ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دوسرے احکام صادر کرتا ہے۔

آیت قرآنیہ (الرجال قوامون علی النساء) میں جملہ اسمیہ کا استعمال اختیار کرنا اور اسے بھی بصیغہ مبالغہ (قوامون) بیان کرنا اس حقیقت کا اعلان ہے کہ مرد حکمرانی کے وصف میں اس قدر معروف اور راسخ ہیں کہ اس صفت حاکمیت کا ان کی جانب منسوب کرنا عرف عام کی حیثیت رکھتا ہے، مزید براں اس کلام الٰہی میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ مرد میراث میں عورتوں سے زیادہ حصے کا استحقاق رکھتے ہیں، جیسا کہ اس سے سابقہ آیات میں اشارۃً مردوں اور عورتوں کے استحقاق میں ایک دوسرے سے متفاوت ہونے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

اللہ رب العزت نے مردوں کی حاکمیت کے حکم کو دو امور سے مدلل فرمایا ہے۔ ایک امر تو وہبی ہے اور دوسرا کسبی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :- بما فضل اللہ بعضھم علی بعض — اس کا مفہوم یہ ہے

[1] روح المعانی جز خامس ص۲۱

کہ مرد عورتوں پر نگران و حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالےٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے یا یہ کہ وہ اس تفضیل کے مستحق اسی بناء پر ہیں کہ اللہ نے (بطور وہب وعطیہ) مردوں کو افضل بنایا ہے یا بایں وجہ کہ مرد اپنی ذاتی حیثیت سے عورتوں سے افضل ہیں۔

اس آئت میں اللہ تعالےٰ نے فضل اللہ بعضہم علی بعض کی جگہ فضلھم اللہ علیھن نہیں فرمایا۔ یہ اس وجہ سے کہ مردوں کا عورتوں سے افضل ہونا ایسا واضح امر ہے کہ اس آئت میں لفظاً مردوں کی جانب ضمیر کی ضرورت نہ تھی اور یہ بات ظاہر تھی کہ عورتوں اور مردوں سے مفضل (فضیلت دیئے گئے) کا مقام مرد کو حاصل ہے اور عورت بہرحال ہر اعتبار سے مفضل علیہ ہے یعنی اس پر مرد کو فضیلت دی گئی ہے۔ بعض لوگوں کی جانب سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ آئت میں ابہام اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ بعض عورتیں مردوں سے برتر ہوتی ہیں اس قول کی کوئی بھی حقیقت قابل التفات نہیں ہے۔

(حدیث میں) وارد ہوا ہے کہ عورتیں دین وعقل دونوں میں ناقص ہیں اور مرد اس کے برعکس، کامل الدین اور کامل العقل ہیں، جیسا کہ کسی بھی شخص پر مخفی نہیں ہے۔

مردوں کا کسبی اور وہبی دونوں پہلوؤں میں عورتوں سے افضل ہونا ہی حقیقی وجہ ہے کہ (مشہور روایات کی بناء پر) مرد نبوت و رسالت سے مخصوص کئے گئے ہیں اور امامت کبریٰ (صدارت مملکت) امامت صغریٰ (نماز کی جماعت) شعائر دینیہ مثلاً اذان، اقامت صلوٰۃ، خطبہ، جمعہ اور تکبیرات تشریق ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک ان جملہ امور کے اہل مرد ہی ہیں۔

ملکہ بلقیس کے واقعہ سے استدلال

حال ہی میں جماعت اسلامی کے سربراہ کار مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنے سابق مسلک سے انحراف کرتے ہوئے جو تازہ موقف اختیار کیا ہے اس کے حق میں ملکہ بلقیس کے ملکہ ہونے سے بھی استدلال کیا ہے، یہ استدلال کس قدر غلط ہے اور متعدد مفسرین اور علماء حق اس استدلال کے پرخچے کس مدلل انداز میں اڑا چکے ہیں۔ اس کی تفصیل تو آئندہ آئے گی سردست ہم صاحب روح المعانی کا ایک اور حوالہ پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے عورت کے سیاست میں گھس آنے کے لئے ملکہ بلقیس کے واقعہ سے استدلال کرنے والوں کی غلطی واضح

کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

ولیس فی الآیۃ ما یدل علی جوازان تکون المرأۃ ملکۃ ولاحجۃ فی عمل قوم کفرۃ علی مثل ھذا المطلب وفی صحیح البخاری من حدیث ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما بلغہ ان اھل فارس قد ملکوا بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ ولقل من محمد ابن جریر انہ یجوزان تکون المرأۃ قاضیۃً ولم یصح عنہ وفی الاشباہ لاینبغی ان تولی القضاء ــــــــــــــــ وذکر ابوحیان انہ نقل عن ابی حنیفہ انھا تقضی فیما تشھد فیہ لا علی الاطلاق ولا ان یکتب لھا منشور بان فلانۃ مقدمۃ علی الحکم وانما ذالک علیٰ سبیل التحکیم لھا[۵]۔

" آیت (انی وجدت امرأۃ تملکھم) کوئی بات ایسی نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہو کہ عورت کو بادشاہ بنایا جاسکتا ہے اور واقعہ یہی ہے کہ کافر قوم کے عمل سے دلیل اخذ کرنا جائز ہی نہیں ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ جب اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جو اپنی زمام کار عورت کے سپرد کردے۔

علامہ ابن جریر طبری سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ عورت کے قاضی (نہ کہ صدر مملکت) بنائے جانے کو جائز قرار دیتے تھے، اس قول کی نسبت ابن جریر طبری کی جانب درست نہیں ہے" الاشباہ میں ہے کہ یہ روا نہیں ہے کہ عورت قاضی بنائی جائے اور ابوحیان نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ سے یہ بات منقول ہے کہ عورت کی قضا مطلقاً جائز نہیں ہے" صرف انہی امور میں اس کا فیصلہ تسلیم کیا جائیگا جن میں اس کی شہادت جائز ہے اور یہ بھی جائز نہیں ہے کہ عورت کو قاضی مقرر کیا جائے اور حکومت کی جانب سے یہ اعلان شائع ہو کہ فلاں عورت قاضی مقرر کردی گئی ہے عورت کے قضاء پر فائز ہونے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ کسی نے عورت کو اپنا ثالث بنا دیا ہو"

تفسیر مظہری	علی النساء فی الخلقۃ بکمال العقل وحسن التدبیر وبسطۃ

[۵] روح المعانی ب صـ۱۷ تحت قولہ تعالیٰ انی وجدت الآیۃ

فی العلم والجسم ومزیۃ للقوۃ فی الاعمال وعلوا لاستعداد ولذا لک خصوا بالنبوۃ والامامۃ والولایۃ والقضاء والشہادۃ فی الحدود والقصاص وغیرھما ووجوب الجہاد والجمعۃ والعیدین والاذان والخطبۃ وجماعۃ وزیادۃ السہم فی الارث۔[1]

"اپنی تخلیق، عقل کے کمال، حسن تدبیر، علم اور جسم میں وسعت اعمال میں قوت، استعداد کی بلندی، ان جملہ امور میں مرد، عورتوں پر فضیلت رکھتے ہیں اور ممتاز ہیں، یہی وجہ ہے کہ مرد ہی نبوت، امامت، صدارت مملکت، قضا اور حدود اور قصاص میں شہادت میں ممتاز و مخصوص کئے گئے ہیں۔ اور جہاد، جمعہ، عید کی نماز، اذان، خطبہ جمعہ، جماعت اور میراث[2] میں حصے کی زیادتی مردوں ہی کے لئے واجب ہے"۔

احکام القرآن ماہر علوم قرآنی ابوبکر ابن العربی معافری (۴۶۸ — ۵۴۳ھ) اپنی مشہور و متداول کتاب "احکام القرآن" میں فرماتے ہیں:۔

قال ابوبکر الفقیہ ...... فان المرأۃ لا یتاتی منہا ان تبرز الی المجالس

---

[1] تفسیر مظہری [2] اس وقت ایک عجیب افراتفری برپا ہے، عورت کو صدر مملکت بنانے والوں نے جو کھلی لڑائی شروع کر رکھی ہے، بالفاظ صحیح اس وقت دین کی مسلمہ قدروں کو اپنی خواہشات کے مطابق مسخ کرنے کی جنگ لڑی جا رہی ہے، اس جنگ میں بعض حلقوں میں کہا جا رہا ہے کہ مرد کو عورت پر جو فضیلت حاصل ہے یہ محض گھر کے ڈسپلن کے لئے ہے جیسے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ کو ہیڈ کلرک پر فوقیت ہوتی ہے — رہا عورت سے مرد کو وراثت کا زیادہ ملنا تو چونکہ بعض صورتوں میں عورت مرد سے زیادہ وراثت حاصل کر لیتی ہے۔ یا — جب عورت سسرال پہنچ کر شوہر کے بھی سارے گھر پر متصرف ہو جاتی ہے تو اپنے بھائی سے کہیں بہتر مالی پوزیشن کی مالک بن جاتی ہے کیا اب اسے اپنے بھائی سے افضل سمجھا جائے گا؟ اور جب کوئی صاحب اولاد بیٹا، ماں، باپ کی زندگی میں جائداد چھوڑ کر مر جائے تو ماں کو بھی جائداد کا ۱/۶ ملتا ہے اور باپ کو بھی ۱/۶ کیا اس حقیقت کی بناء پر ماں اپنے شوہر کا یعنی مرحوم کے باپ کا کہنا ماننا ترک کر دیگی اور یہ کہدے گی کہ ہم دونوں برابر ہیں؟ آج سے تم کسی اور پر حکومت کرو؟ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "امروز" مورخہ ۲۵ نومبر ۶۴ء) — یہ بوالفضول لوگ علم دین سے تو کورے ثابت ہو ہی رہے ہیں عقل عام سے بھی محروم ہوتے جا رہے ہیں اور ایک ہی عورت نے انکی عقل کو معطل کر کے رکھدیا ہے (اذھب للب الرجل الحازم) غور کیجئے بعض اتفاقی اور خاص صورتوں میں اگر عورت مرد سے زیادہ مالدار ہو جائے یا وہ وراثت میں کسی وقت مرد کے برابر ہو جائے تو اس سے مستقل اصول ہی قابل التفات نہ رہا — اللہ تعالیٰ علمی یتیموں پر رحم فرمائے۔

ولا تخالط الرجال ولا تفاوضهم مفاوضة النظير للنظير لانها ان كانت فتاة حرم النظر اليها وكلامها وان كانت برزة لم يجمعها والرجال مجلس تزدحم فيه معهم وتكون منظرة لهم ولم يفلح قط من تصور هذا ولا من اعتقده[1]۔

"ابوبکر فقیہ فرماتے ہیں، عورت کے لئے یہ روا نہیں ہے کہ وہ محفلوں میں آئے اور نہ ہی اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ مردوں سے خلط ملط ہو، اور نہ ہی شرعاً اس کے لئے یہ ممکن ہے کہ مردوں کے آمنے سامنے ہو اور ان کے پہلو بہ پہلو آئے، بیٹھے، اس لئے کہ اگر عورت جوان عمر ہو تو اس کی جانب دیکھنا حرام ہے اور اس سے گفتگو بھی ناجائز ہے اور اگر بوڑھی ہو تو اس کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ مردوں کے ساتھ ایک مجلس میں جمع ہو اور ان کی محفلوں میں داخل ہو اور ان کا مطمح نظر بنے اور جو شخص بھی ان باتوں کے جواز کا تصور رکھتا ہے یا اس کا اعتقاد یہی ہے کہ عورت مردوں کی محفلوں میں بلا تکلف آجا سکتی ہے، وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔"

یہی بزرگ فرماتے ہیں :-

قوله بما فضل الله بعضهم على بعض المعنى انى جعلت القوامية على المرأة للرجال لاجل تفضيلى له عليها وذالك لثلاثة اشياء الاول كمال العقل والتميز۔ الثانى كمال الدين والطاعة فى الجهاد والامر بالمعروف والنهى عن المنكر على العموم وغير ذالك ..... الثالث بذله لها المال من الصداق والنفقة وقد نص الله عليها ههنا[2]۔

"اللہ رب العزت کا یہ فرمانا کہ فضل اللہ بعضہم علی بعض۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے مرد کو عورت پر حاکمیت عطا کی ہے اس لئے کہ میں نے مرد کو عورت سے افضل بنایا ہے اور یہ تین وجوہ کی بنا پر ہے۔

اول :- عقل کے کمال اور قوت تمیز میں برتری کی وجہ سے۔

دوم - دین میں کمال اور جہاد، امر بالمعروف، نہی عن المنکر وغیرہ امور میں مرد کو عورت سے زیادہ صاحب کمال بنانے کے باعث۔

سوم - اس لئے کہ مرد عورت پر مال خرچ کرتا ہے۔ اسے مہر دیتا ہے اور اس کے نان و نفقہ

[1] احکام القرآن لابی بکر ابن العربی المعافری - [2] ایضاً

کا متحمل ہوتا ہے۔

یہ وہ امور ہیں جن پر نصوص الٰہیہ شاہد ہیں۔"

جو لوگ ان صریح احکام الٰہیہ کے مقابلے میں اپنی آراء، اپنے اجتہادات اور اپنی دنیوی خواہشوں کی بناء پر عورت کو وہ مقام دینے پر مصر ہیں، جو خدا نے اسے نہیں دیا، انہیں اپنی اس جسارت پر رب ذوالمنن کے حضور توبہ کرنی چاہیئے ورنہ خطرہ ہے کہ وہ بتدریج ان سرکشوں کے زمرہ میں داخل نہ ہو جائیں جو احکام و نصوص الٰہیہ سے سرتابی کے مجرم قرار دیئے جا کر مستحق سزا ہوا کرتے ہیں۔

تفسیر کرم الرحمان فی تفسیر کلام المنان صاحب تفسیر کرم الرحمان فی تفسیر کلام المنان فرماتے ہیں:۔

(وللرجال علیھن درجۃ) ای رفعۃ و ریاسۃ و زیادۃ حق علیھا کما قال تعالیٰ (الرجال قوامون علی النساء ــــ من اموالھم) و منصب النبوۃ والقضاء والامامۃ الصغریٰ والکبریٰ وسائر الولایات بالرجال فی کثیر من الامور کالمیراث ونحوہ[1]۔

وللرجال علیھن درجۃ ــــ اور مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ مرد، رفعت، شان اور عورتوں پر استحقاق رکھنے میں ممتاز ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

الرجال قوامون علی النساء ــــ مرد عورتوں پر حاکم و نگران ہیں اور منصب نبوت قضاء، امامت صغریٰ، امامت کبریٰ (صدارت مملکت) اور جملہ ولایات و اختیارات، مرد ہی کو عطا کئے گئے ہیں اور عورت کو اکثر امور میں ضعیف قرار دیا گیا ہے، جیسے میراث میں (عورت کو مرد سے نصف حصہ ملتا ہے) وغیرہ ذالک۔"

تفسیر بیان القرآن مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ کا نام ان دنوں زیر بحث مسئلہ میں متنازعہ فیہ حیثیت سے سامنے آیا ہے اور عورت کو صدر مملکت بنانے کی جدوجہد کرنے والوں کی جانب سے مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ کا ایک "فتویٰ" بکثرت شائع کیا جا رہا ہے، اس فتویٰ پر بحث تو ہم اس باب میں کریں گے جس میں ہم ان حضرات کے استدلات پر براہ

---

[1] تفسیر الکریم الرحمان فی تفسیر کلام المنان اول ص ۱۳۶

راست گفتگو کریں گے سر دست اتنا ہی عرض کرنا کافی ہوگا کہ یہ فتویٰ جو مولانا کی جانب منسوب کیا گیا ہے اور جو "امداد الفتاویٰ" میں مندرج ہے، یہ فتویٰ نہیں ہے بلکہ ایک واقعاتی اشکال کا علمی جواب ہے۔ سائل نے جو کچھ دریافت کیا وہ خالصۃً علمی اشکال تھا نہ کہ استفتاء اور مجیب نے جو کچھ کہا وہ بھی علمی اشکال کا علمی جواب ہے نہ کہ فتویٰ ——— بایں ہمہ اس علمی بحث کو جسے غلط طور پر "فتویٰ" سمجھ لیا گیا ہے، اس میں حضرت مرحوم نے واقعہ بلقیس سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ اگر حکومت جمہوری نوع کی ہو، تو عورت کی سربراہی اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔ جس میں فرمایا گیا ہے کہ عورت کو سربراہ کار بنانے والی قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی۔

اس استدلال کا ضعیف یا غلط ہونا دوسروں کے نزدیک تو مسلم ہے (جیسا کہ اوپر صاحب روح المعانی کے حوالے سے ذکر ہوا) خود مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ واقعہ بلقیس سے عورت کی سربراہ کاری کے استدلال کو غلط سمجھتے ہیں۔ آپ اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں فرماتے ہیں:-

"ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے پس بلقیس کے قصہ سے کوئی شبہ نہ کرے۔ اوّل تو یہ فعل مشرکین کا تھا۔ دوسرے اگر شریعت سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرع محمدی میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے حجت نہیں[1]۔

مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ کی یہ تفسیر نص قطعی ہے اس حوالے کے بالمقابل جو امداد الفتاویٰ سے پیش کیا جا رہا ہے، اور اگر فتویٰ نام ہے کسی قطعی حکم کا تو یہ حکم اس تفسیری اقتباس میں تو بوجوہ اتم (ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے) موجود ہے۔ لیکن جسے غلط طور پر فتویٰ سمجھا گیا ہے، اس میں ایسی صراحت بھی موجود نہیں اور نہ ہی قطعیت اس میں پائی جاتی ہے۔

تفسیر ماجدی مولانا عبدالماجد دریا آبادی مدظلہٗ اپنی تفسیر (تفسیر ماجدی) میں فرماتے ہیں:- حاشیہ تفسیر ماجدی سورہ النمل:- "امرأة تملکھم" عورتوں کے ہاتھ میں عہدہ اور منصب دیدینا یہاں تک کہ انہیں پورے ملک کی ملکہ یا فرمانروا بنا دینا یورپ کی ایجاد نہیں مشرک قوموں کے ہاں یہ دستور ہر زمانہ میں رہا ہے اور مصر اور کلدانیہ ایران کی جاہلی حکومتوں کے ہاں عورت کو اتنی آزادی ہمیشہ سے حاصل رہی ہے، یہ تو اسلام تھا جس

---

(۱) تفسیر بیان القرآن صفحہ ۲۵ (مطبوعہ تاج کمپنی) تحت قولہ تعالیٰ انی وجدت امرأة تملکھم، سورہ النمل۔

نے آکر بریک لگایا اور اس دستور کو ناجائز قرار دیا۔ صحیح بخاری کی صاف حدیث آئی ہے
لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ (بخاری) وہ قوم فلاح یاب نہ ہو گی جو اپنی حکومت
عورت کے سپرد کئے ہوئے ہے۔

تفہیم القرآن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اس دور میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے وہ پہلے فرد ہیں جنہوں نے یہ چیلنج کیا ہے کہ

"کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ از روئے شریعت عورت کا سربراہ مملکت ہونا حرام ہے اور اس سلسلہ پر کسی استثناء کی قطعی گنجائش نہیں"۔ (نوائے وقت شہاب)

اس چیلنج کے جواب کا تو یہاں کوئی موقع نہیں، تسلسل مضمون کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم مولانا مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن کی وہ واضح عبارت پیش کرتے ہیں جو آپ نے سورۂ احزاب کی آئت "وقرن فی بیوتکن" کے سلسلے میں لکھی ہے ــــ مولانا ممدوح لکھتے ہیں۔

"اصل میں لفظ قرنَ استعمال ہوا ہے بعض اہل لغت نے اس کو "قرار" سے ماخوذ بتایا ہے اور بعض نے "وقار" سے اگر اس کو قرار سے لیا جائے تو معنی ہونگے "قرار پکڑو" "ٹک کر رہو"۔ اور وقار سے لیا جائے تو مطلب ہو گا "سکون سے رہو" "چین سے بیٹھو" دونوں صورتوں میں آیت کا منشاء یہ ہے کہ عورت کا اصل دائرہ عمل اس کا گھر ہے۔ اس کو اسی دائرے میں رہ کر اطمینان کے ساتھ فرائض انجام دینے چاہئیں اور گھر سے باہر صرف بضرورت ہی نکلنا چاہئے۔ یہ منشاء خود آیت کے الفاظ سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اسکو اور زیادہ واضح کر دیتی ہیں۔ حافظ ابوبکر بزاز حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ عورتوں نے حضور سے عرض کیا کہ ساری فضیلت تو مرد لوٹ لے گئے، وہ جہاد کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں بڑے بڑے کام کرتے ہیں، ہم کیا عمل کریں کہ ہمیں بھی مجاہدوں کے برابر اجر مل سکے؟ جواب میں فرمایا من قعدت منکن فی بیتھا تدرک عمل المجاھدین۔ "جو تم میں سے گھر بیٹھے گی وہ مجاہدین کے عمل کو پالے گی"۔ مطلب یہ ہے کہ مجاہد جمعی کے ساتھ اسی وقت تو خدا کی راہ میں لڑ سکتا ہے۔ جبکہ اسے اپنے گھر کی طرف سے پورا اطمینان ہو۔ اس کی بیوی اس کے گھر اور بچوں کو سنبھالے بیٹھی ہو اور اسے کوئی خطرہ اس امر کا نہ ہو کہ پیچھے وہ کوئی گل کھلا بیٹھے گی یہ اطمینان جو عورت اسے فراہم کرے گی وہ گھر بیٹھے اس کے جہاد میں برابر کی حصہ دار ہو گی۔ ایک اور روایت میں

[1] تفسیر ماجدی جلد پنجم صفحہ ۷۶

بزاز اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کی ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کرتے ہیں کہ ان المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفھا الشیطان واقرب ماتکون بروحۃ ربھا وھی فی قعر بیتھا" عورت مستور رہنے کے قابل چیز ہے جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے اور اللہ کی رحمت سے قریب تر وہ اس وقت ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے گھر میں ہو۔"

قرآن مجید کے اس صاف اور صریح حکم کی موجودگی میں اس بات کی آخر کیا گنجائش ہے کہ مسلمان عورتیں کونسلوں اور پارلیمنٹوں کی ممبر بنیں۔ بیرون خانہ کی سوشل سرگرمیوں میں دوڑتی پھریں سرکاری دفتروں میں مردوں کے ساتھ کام کریں۔ کالجوں میں لڑکوں کے ساتھ تعلیم پائیں۔ مردانہ ہسپتالوں میں نرسنگ کی خدمات انجام دیں۔ ہوائی جہازوں اور ریل کاروں میں "مسافر نوازی" کے لئے استعمال کی جائیں اور تعلیم و تربیت کے لئے امریکہ و انگلستان بھیجی جائیں؟ عورت کی بیرون خانہ سرگرمیوں کے جواز میں بڑی سے بڑی دلیل جو پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جنگ جمل میں حصہ لیا تھا۔ لیکن یہ استدلال جو لوگ پیش کرتے ہیں، انہیں شاید معلوم نہیں ہے کہ خود حضرت عائشہؓ کا اپنا خیال اس باب میں کیا تھا؟ عبداللہ بن احمد بن حنبل نے زوائد الزھد میں اور ابن المنذر، ابن ابی شیبہ اور ابن احمد نے اپنی کتابوں میں مسروق کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عائشہؓ جب تلاوت قرآن کرتے ہوئے اس آیت (وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ) پر پہنچتی تھیں تو بے اختیار رو پڑتی تھیں، یہاں تک کہ ان کا دوپٹہ بھیگ جاتا تھا۔ کیونکہ اس پر انہیں اپنی وہ غلطی یاد آجاتی تھی جو ان سے جنگ جمل میں ہوئی تھی۔" (تفسیر سورہ احزاب ص ۴۳۵ ج ۲)

یہ مقالہ ہنوز نامکمل ہے اسکے متعدد مباحث باقی ہیں اور چونکہ ہم اس مسئلے کو "وقتی حادثہ" تسلیم نہیں کرتے ہمارے نزدیک اس مسئلے کی صحیح صورت وہی ہے جسے ہم نے اس مقالے کے آغاز میں بیان کیا اور وہ یہ کہ اس ملک میں "آزادی نسواں" کی جو تحریک سولہ سترہ برس سے شروع تھی اور جسے مس فاطمہ جناح نے مخلوط تعلیم گاہوں (جیسے فاطمہ جناح کالج) نرسنگ جسے محترمہ نے "اسلامی قرار دیا" تھا۔ یہ عورت کو صدر مملکت بنانے کی کوشش اسی تحریک کا ایک اہم باب ہے — اور اس باب کو اب کے دین بلکہ "اقامت دین" کے علمبرداروں نے اپنے علوم و فنون سے آراستہ کرنا شروع کیا ہوا ہے — اسلئے ضرورت اس امر کی ہے کہ جبتک یہ ہلاکت آفرین فتنہ اپنے انجام بد کو نہ پہنچ جائے اسکی حقیقت بے نقاب کرنیکی جدوجہد مسلسل جاری رکھی جائے۔

ہم انشاءاللہ جلد ہی اس مقالے کو مع ان ابواب کے جو باقی ہیں یکجا کتابی صورت میں شائع کریں گے۔ وباللہ التوفیق۔

(ع - و)

بسم اللہ تعالیٰ

فاطمہ جناح کا منصب صدارت کیلئے کھڑا ہونا ایک المیہ اور اہم حادثہ ہے

شریعت اسلامی کسی بھی حالت میں عورت کو سیاسی مناصب کا اہل قرار نہیں دیتی

فضیلۃ الشیخ عبد العزیز بن باز وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی کا فتویٰ

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ واصحابہ ومن اھتدی بھداہ

سوال = یہ سوال بعض پاکستانی اور دوسرے مسلمان بھائیوں کی طرف سے متعدد بار کیا گیا ہے کہ عورت کو ریاست کی قیادت اور اس قسم کے دیگر مناصب مثلاً صوبہ جات اور بلدیات کی ریاست اور عدالتی مناصب سونپنے کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نگاہ کیا ہے۔

جواب = اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحیح حدیث ثابت ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا لن یفلح قوم ولوا امرأۃ، وہ قوم ہرگز فلاح ونجات سے ہمکنار نہیں ہو سکتی جس نے اپنی زمام کار کسی عورت کو سونپ اس حدیث شریف سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ اپنے امور کا عورت کو مختار بنائیں اس کی وجہ یہ ہے کہ امور سلطنت میں اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ دنیا و آخرت میں فلاح ونجات کے اسباب ووسائل بروئے کار لائے جائیں اور اس مقصد کے مخالف اور مضر امور سے اجتناب کیا جائے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی ہر بات صادق اور وہ جو کچھ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر مہر تصدیق ثبت ہے، جب آپؐ فرما دیں کہ عورت کی قیادت کامرانی کی بجائے ناکامی کا سبب ہے تو مسلمانوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ مزید براں یہ غور کا مقام ہے کہ حدیث میں نفی عام ہے اور "قوم" اور "امر" کے الفاظ مطلق فرمائے گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں کو اس بات کی ہرگز اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے امور جن میں مملکت کی صدارت، وزارت، صوبہ جات

اور بلدیات کی ریاست اور عدالت کے مناصب وغیرہ امور شامل ہیں، عورتوں کو سونپنیں۔ غور وفکر کرنے سے اس حکم کی حکمت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ عورت میں مرد کی نسبت فطرتاً ضعف اور دین وعقل اور تدبر کی قلت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس پر پردہ واجب ہے۔ اس کے ساتھ اجنبی مرد کی خلوت بھی ممنوع ہے، کیوں کہ اس سے متعدد فتنے پیدا ہوتے ہیں۔

اس حکمت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ مردوں کو عورتوں پر نگران بنایا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ مرد حاکم ہوگا اور عورت محکوم۔ پھر محکوم کو حاکم کی قیادت سونپنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ یہ شرعی اور فطری حق کے برعکس ہے جس کے نتائج لازماً غلط ہی مترتب ہوں گے اور فلاح ونجات کے بجائے ناکامی اور ہلاکت حاصل ہوگی۔

بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، انسانیت کے لئے سب سے بڑے ناصح اور بہی خواہ اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے والے تھے۔ آپ کے بعد آپ کے خلفاء راشدین عدل وانصاف کے حامی اور عورتوں کے حقوق کے محافظ رہے لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور امت کے معتبر ائمہ نے کبھی عورت کو حکومت کی ریاست اور مردوں کے امور عامہ کی قیادت کا مختار نہیں بنایا، تو آج بھی بھلائی اسی میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور ائمہ اسلام کی اتباع کریں اور عورت کو قائد ملت بنانے سے اجتناب کریں۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ لے کر اٹھیں اور کچھ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہو گئے، تو صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نے حضرت عائشہ کی اس بارے میں شدید مخالفت کی۔ اگر حضرت عائشہ کے پاس کوئی شرعی دلیل ہوتی تو وہ ضرور بیان کرتیں اور اپنے مخالفین کو جواب دیتیں۔ حالاں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکومت کی قیادت کا مطالبہ نہیں کیا تھا بلکہ اس وقت صورت حال کی خرابی اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر ان کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ خلیفۃ المسلمین کی شہادت کے جرم میں مرتکب لوگوں سے قصاص لیا جائے اور انہیں قرار واقعی سزا دی جائے۔ حضرت عائشہ کا کہنا تھا کہ میں صرف یہی چاہتی ہوں اس کے باوجود بہت سے صحابہ کرام نے ان کی مخالفت کی اور اسی مذکورہ بالا حضرت ابوبکرہ کی حدیث سے استدلال کیا۔ یہ بات واضح رہے کہ حضرت عائشہ اپنے مطالبہ میں حق بجانب تھیں۔ پھر بھی سنت کی مخالفت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے حامی و دیگر مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد شہید ہو گئی۔ فنسأل اللہ ان یرضی عنہا وعن سائر الصحابۃ اجمعین و ان یعفو عن الجمیع انہ جواد کریم

پاکستان میں ان دنوں فاطمہ جناح کو صدارت کی امیدوار کھڑا کرنا پاکستانی عوام کے لئے ایک بہت بڑا حادثہ ہے۔ اور پاکستان کے اہل حل و عقد کا فرض تھا کہ وہ منصب صدارت کے لئے کسی ایسے مرد امیدوار کو نمائندہ بناتے جس سے اسلام کی تائید و حمایت اور اسلامی احکام کے نفاذ کی توقع کی جاسکے جس میں امانت، دیانت شجاعت اور امت کے دینی اور دنیاوی مفاد کا جذبہ ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے کئی کروڑ باشندوں میں ان صفات سے موصوف کئی افراد موجود ہوں گے یہی ان کے لئے دنیا و آخرت میں خیر و برکت کا ذریعہ ہے۔ عورت خواہ کیسی ہو اس کو قائد اور رہنما بنانا شریعت اسلامیہ، مصالح عمومی اور فطرت الٰہیہ جس کے مطابق یہ مخلوق پیدا کی گئی ہے اور عامۃ المسلمین مفاد کے خلاف ہے۔ ایسا کرنا فطرت کی مخالفت اور رجعت پسندی اور اللہ کے دشمن فارسیوں اور رومیوں کی اتباع ہے۔ پاکستان اور دیگر ممالک کے مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے اور اسے کسی قیمت پر قبول نہیں کرنا چاہئے متعدد اہل علم مثلاً قرطبی نے مذکورہ بالا دلائل کے پیش نظر عورت کو ولایت عامہ کی قیادت تفویض کے عدم جواز پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے اور جمہور علماء ولایت عامہ سے کم درجہ کے مناصب مثلاً صوبہ و شہر کی قیادت وزارت و عدالت وغیرہ کے لئے بھی عورت کے عدم جواز کے قائل ہیں اور یہی حق بات ہے کیونکہ مذکورہ دلائل کی روشنی میں امت مسلمہ کا مفاد اور اسی طرح بدامنی انتشار اور انحطاط سے بچنا ممکن ہے اللہ تعالےٰ مسلمانوں کے حالات کی اصلاح کرے۔ ان ان پر بہتر لوگوں کو حکمران بنائے اور ان کو رشد و ہدایت سے نوازے اور سب کو شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اتباع اور اس کی مخالفت سے اجتناب کی توفیق عطا کرے۔

انہ علیٰ کل شیئٍ قدیر وصلی اللہ وسلم علیٰ عبدہ ورسولہ نبینا وامامنا محمدٍ وآلہ وصحبہ ومن تبعھم باحسانٍ الیٰ یوم الدین۔

عورت کی صدارت اسلام سے انحراف

(الشیخ عبد القادر الموقر شیخ التفسیر مدینہ یونیورسٹی)

حضرت امام بخاری حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جب آنحضورؐ کو یہ خبر ملی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنی بادشاہ بنالیا ہے تو حضور نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاتی جس نے کسی عورت کو اپنا حکمران بنالیا ہو۔ ظاہر ہے یہاں فلاح کی نفی پر اس قوم کے لئے ہے جس نے کسی عورت کو اپنا حکمران بنالیا ہو۔ اور یہ واضح دلیل ہے اس بات کی کہ کوئی عورت حکمران یا امیر نہیں بن سکتی۔ (یہاں) یہ سوال پیدا ہوتا ہے کیا اس حدیث سے عورت کی ولایت کی مطلق نفی ہوتی ہے۔ چاہے ولایت عظمیٰ ہو یا ولایت فرعیہ یا یہ نفی ولایت عظمیٰ سے مخصوص ہے؟ حدیث کے الفاظ صراحتہً، پہلی شق پر دلالت کرتے ہیں کہ عورت ولایت عظمیٰ کی مستحق اور مستحمل نہیں ہو سکتی۔ تمام اہل اسلام اور اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کو ولایت عظمیٰ کے لئے انتخاب کرنا ناجائز ہے۔ اس امر میں سوائے شبیبیہ کے جو کہ خارجیوں کا ایک فرقہ ہے کوئی بھی اس کے جواز کا قائل نہیں۔ خارجی اس امر کو جائز سمجھتے ہیں کہ کوئی عورت بھی امیرۃ المومنین ہو سکتی ہے۔ اسی بنا پر انہوں نے غزالہ ام شبیب کو شبیب کے دجیل غرق ہونے کے بعد اپنی امیرۃ مقرر کر لیا تھا لیکن خارجی عورت کو امیرہ بنانے کے بعد حدیث میں صادر شدہ وعید سے محفوظ نہ رہ سکے۔ چنانچہ سفیان بن الابرد الکلبی نے ان کو مار بھگایا۔ اور خوارج کامیاب نہ ہو سکے سفیان الکلبی نے ان کا پیچھا لیا۔ اور ان کی امیرۃ غزالہ اور اس کے متبعین میں سے بڑی تعداد کو قتل کر دیا اور جو باقی رہ گئے تھے انہیں قید کر لیا

ملکہ بلقیس جو کہ سبا والوں کی بادشاہ تھی اور ایک بے مثال عورت تھی۔ بعض معاصرین اس کی حکومت کو ڈیموکراٹی جمہوری نظام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کی حکومت اور اس کے انجام کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۃ النمل میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہدہد تھوڑی سی دیر کے بعد آ موجود تو اس نے کہا کہ میں نے ایک ایسے امر پر اطلاع پائی ہے جس کی آپ کو خبر نہیں اور میں آپ کے پاس قوم سبا کی ایک تحقیق شدہ خبر لایا ہوں۔ میں نے ایک عورت کو ان پر حکومت کرتے پایا۔ اور اسے سب چیزیں میسر ہیں اور اس کا تخت بھی بہت بڑا ہے پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ملکہ نے کہا اے درباریو! میرے پاس ایک مراسلہ آیا ہے اور وہ سلیمان بادشاہ کی طرف سے ہے اور وہ اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع ہوتا ہے۔ اس

یوں لکھا ہے کہ ہم سے سرکشی مت کرو اور ہمارے حضور میں فرمانبردار ہو کر چلے آؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ جسے بعض معاصرین جمہوری نظام سے تعبیر کرتے ہیں۔ فرمایا ملکہ نے کہا، میرے درباریو! تم میرے اس کام میں رائے دو میرا دستور ہے کہ جب تک تم مجھے کوئی مشورہ نہ دو میں کسی کام کا فیصلہ نہیں کرتی۔ انہوں نے کہا ہم بڑی طاقت والے ہیں اور بڑے لڑاکے ہیں اور اختیار آپ کو ہی ہے پس حضور جو حکم دینا چاہئیں اس پر غور فرما لیں۔ ملکہ نے کہا بیشک بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں۔ تو اس کو خراب کر دیتے ہیں اور اس کے معزز لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں اور تم یقین جانو کہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ میں ان کی طرف ھدیہ بھیج کر دیکھتی ہوں کہ میرے ایلچی کیا جواب لاتے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا سفیر بھیجا پس جب وہ مسلمانوں کے حضور میں پہنچا تو حضرت سلیمانؑ نے تحائف دیکھ کر کہا کیا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو اور جو کچھ اللہ نے مجھے دیا ہے وہ اس سے اچھا ہے جو تم کو دیا ہے۔ تم اپنے تحائف پر بڑے مسرور ہو۔ تم ان کی طرف واپس چلے جاؤ ہم ان پر ایسی فوج لائیں گے کہ اس کے مقابلہ کی ان میں سکت نہ ہو گی اور ہم ان کو ان کے ملک سے ذلیل و خوار کر کے نکال دیں گے۔ (اس واقعہ سے بلقیس کی حکومت کا اہتمام واضح ہو جاتا ہے کہ وہ بالآخر حضرت سلیمان کے زیرِ نگیں آ کر رہی۔)

ولایت فرعیہ کے لئے بھی عورت کا انتخاب جائز نہیں۔ جمہور اہل علم اس کو حرام گردانتے ہیں۔ اور یہی مسلک راجح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے متعلق فرماتے ہیں کہ اے نبیؐ کی بیویو تم اپنے مکانوں اور گھروں میں قرار سے رہو اور پہلے زمانہ جاہلیت کی طرح برہنہ نہ پھرنا اور نماز پڑھتی رہنا اور زکوٰۃ دیتی رہنا اور اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرتی رہنا۔ خدا کو یہی منظور ہے کہ وہ تم اہل بیت سے نجاست دور رکھ کر تم کو بالکل پاک و صاف کرے اور جو کچھ اللہ کی آیات اور ایمانی حکمت تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں تم ان کو خوب یاد کیا کرو۔ ان آیات سے واضح ہے کہ ایک صالح عورت کا بہترین مقام اس کا گھر ہے۔ اور یہ آیات اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ عورت کا اصل وظیفہ اس کے گھر میں ہی ہے

حدودِ اللہ پامال

اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی زیرِ غور رہے کہ اگر عورت کو امارت کے لئے منتخب کر لیا گیا تو لازماً وہ ہمیشہ غیر محرم مردوں کے ساتھ مربوط رہے گی۔ اور اس میں جو خطرے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح بیان بھی ہے کہ کسی عورت کے لئے جائز نہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے کہ وہ بغیر خاوند یا محرم کے تین دن سے زیادہ کا سفر اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں تو ایسی صورت میں اس کی امارت اس قوامیت کے خلاف ہو گی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ الرجال قوامون علی النساء۔ پھر دوسری جگہ اللہ تعالیٰ یوں بھی بیان فرماتے ہیں۔ اگر تمہیں گواہوں کی ضرورت پڑے تو تم آدمیوں میں سے دو کو گواہ بناؤ۔ وہاں اگر دو آدمی میسر نہ آئیں تو ایسی صورت

میں ایک مرد اور دو عورتیں گواہی کے لئے مہیا کرو۔ جنکی گواہی پر تم راضی ہو۔ دو عورتیں اس لئے کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اُسے یاد دلا دے گی۔ یہ آیت اس معاملہ میں ہے کہ آدمیوں اور مردوں کی موجودگی میں عورت کا شہادت دینا جائز نہیں۔ بلکہ ضروری ہو گا کہ مرد ہی گواہی دیں اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ عورت کی شہادت ناقص ہے ایسے معاملہ میں جبکہ مرد موجود نہ ہوں یا ایسے معاملہ میں کہ مرد اس سے مطلع نہ ہوں۔ پس یہ کھلی دلیل ہے کہ دو عورتوں کی رائے اور شہادت ایک مرد کے مقابلہ میں ہوگی۔

سرورِ کونین کا اسوہ حسنہ

آنحضورؐ نے ابن ام کلثوم کو مدینہ منورہ کا امیر مقرر کیا جبکہ آپ کسی جنگ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یاد رہے یہ صحابی نابینا بھی تھے آنحضورؐ نے ایسے وقت میں نہ اپنی ازواج مطہرات سے اور نہ ہی دیگر صحابیات میں سے کسی کو امارت کے لئے منتخب کیا اور اسی امر پر حضورؐ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ خلفاء الراشدین کے زمانہ میں بھی یہی سنت جاری رہی۔ اور ہر بہتر اور افضل زمانہ میں یہی حال رہا۔ کسی عورت کو بھی مسلمانوں کا امیر نہ منتخب کیا گیا۔

آنحضورؐ کا اعلان جو کہ حجۃ الوداع کے موقع پر کیا تھا نہ بھولنا چاہیئے جس میں حضورؐ نے عورتوں کے متعلق وصیت کی تھی اور فرمایا تھا کہ یہ عورتیں تمہارے پاس اعوان میں یعنی قیدی ہیں۔ پھر ذرا غور کیجیے کیونکر حضورؐ نے عورت کو اسیر سے تشبیہ دی! اس کے باوجود یہ کہا جائے کہ وہ ولایت کی مستحق ہے۔ حکام سے محاسبہ کرے اور وزارتوں کی توڑ پھوڑ میں مشغول ہو اور قوموں کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے۔ (کیا یہ صریح طور پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا مقابلہ و معاوضہ نہیں ہے؟)

اللہ تعالیٰ نے عورت کو وجوب جمعہ عیدین اور جماعت کی شرکت سے معاف فرمایا اور حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ عورت کی نماز اس کے گھر کے صحن کی نماز سے اندر کے کمرے کی نماز افضل اور بہتر ہے۔ اور اُسے اذان اور مردوں کی نماز کی امامت سے منع فرمایا۔ جیسا کہ اُسے جنگ کی امامت اور فوجوں کی قیادت سے منع فرمایا۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے انہوں نے حضورؐ سے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ کیا ہم جہاد نہ کریں تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے لئے سب سے بڑا جہاد حج اور عمرہ ہے۔ اور جب عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عورتوں نے تمنا کی کہ وہ بھی مردوں کی طرح جنگ میں حصہ لیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی کہ تم ان چیزوں کی تمنا نہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض پر فضیلت دی ہے۔ حضرت امام ترمذی آنحضورؐ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ جب تمہارے امراء بہترین لوگ ہوں گے۔ اور تمہارے مالدار سخی ہوں گے۔ اور تمہارے کام مشوروں سے ہوں گے تو ایسی حالت میں تمہارا زمین پر رہنا مرنے اور دفن ہونے سے بہتر ہے۔ اور جب تمہارے امراء تمہارے شریر ہوں گے اور تمہارے مالدار تم میں سے سب سے زیادہ بخیل ہوں گے۔ اور تمہارے کام تمہاری عورتوں

کے مشوروں سے طے پائیں گے۔ تو ایسی حالت میں تمہارا مرجانا اور زمین میں دفن ہوجانا تمہارے زندہ رہنے سے بہتر ہے۔ افسوس ہے ان عقلوں پر جو قرآن وسنت کی روشنی کو چھوڑ کر مغرب کی ظلمتوں میں سرگرداں ہیں۔

مجبوری کی بنا پر عورت کا انتخاب :-

اس ساری بحث کے بعد کسی کے لیے اس بات کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ بعض مجبوریوں کی بنا پر کسی جمہوری ملک میں ریاست عورت کے سپرد کر دی جائے۔ یہ دلیل پیش کرتے ہوئے کہ موجودہ رئیس کے مقابلہ میں اٹھنے والا اس عورت کے سوا اور کوئی نہیں۔ یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد اور باطل ہے۔ اس لیے کہ جو لوگ موجودہ رئیس کے مقابلہ میں ڈٹے ہوئے ہیں اور اپنے انتخابی ووٹ کسی اور کو دے رہے ہیں۔ وہ اس عورت سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ جس کو کہ وہ انتخاب کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو پیش کیوں نہیں کرتے جو ایسے عظیم الشان منصب کے لیے انتخاب کیا جائے۔

اسلام سے نسبت ترک کردو!

تعجب ہے اس قوم پر کہ جس کی تعداد تقریباً پچانوے ہو اور پھر وہ اپنے میں سے کسی صالح انسان کو نہ پائیں جو کہ ولایت عظمیٰ کی باگ ڈور سنبھال سکے۔ زیادہ مناسب ہے کہ وہ اسلام سے اپنی نسبت کر دیتا بلکہ وہ اس لائق ہی نہیں کہ انہیں اسلام کی طرف منسوب کیا جائے۔ ایسی قوم اور مجمع سے اللہ کی پناہ جو اس درجہ اسلام سے گرنے کے بعد بھی اسلام کے مدعی ہوں۔

اعتذارِ واقعی

یہ بات موجب اذیت بھی ہے اور میرے لئے اذیت کے ساتھ ساتھ ندامت کا باعث بھی کہ یہ خاص اشاعت انتہائی تکلیف دہ تاخیر سے قارئین تک پہنچ رہی ہے اور اگرچہ قارئین محترم کی اکثریت اس سے آگاہ بھی ہے اور متفق بھی کہ اس خصوصی تعلق ۲ رجنوری سے نہیں تھا، یہ تو ایک مستقل عنوان ہے اور اس کی افادیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اگر یہ ایک ہفتہ بعد پہنچے ـــــ تاہم بظاہر صورت یہ بات معیوب بھی ہے اور انتظار کے باعث تکلیف دہ بھی۔

لیکن میں قارئین مکرم کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس میں ادارہ کی کوتاہی کو کوئی دخل نہیں جس کاتب کو اس کام کے لئے رکھا ہوا تھا وہ مع مسودات غائب ہو گیا اور تا حال غائب ہے۔

میں نے زندگی میں شاذ ہی اتنی محنت اور مسلسل تھکاوٹ کبھی نہ برداشت کی ہو جتنی اس اشاعت خاص کیلئے برداشت یا محسوس کی ہے، واقعہ یہ ہے کہ میرے اعصاب چور چور ہو چکے ہیں۔

اس بناء پر جہاں مجھے معذرت کرنا ہے وہاں قارئین سے درخواست دعا بھی ہے کہ وہ رؤف و رحیم مجھے صحت و توانائی اور اچھے ساتھیوں کی معیت سے بھی نوازے وگرنہ سچی بات یہ ہے کہ اب دوسرے بیسیوں اہم کاموں کے ساتھ المنبر کی ادارت کا یہ تنہا بوجھ وقت سے پہلے اضمحلال کا باعث بن رہا ہے۔

بہر نوع معذرت قبول فرمایئے اور اس ماہ مقدس کی دعاؤں میں شریک رکھئے۔

والسلام

عبدالرحیم اشرف

[بقیہ صفحہ ۔۔ (تفہیم و تذکیر]

ہے ——— اور ان کا احساس یہ ہے کہ اگر اس ملک میں عورت ایک مرتبہ ، دین کے سہارے اور اہل فتوی کی حمایت سے میدان سیاست میں آنکلی تو پھر کوئی قوت اسے فتنہ بننے سے نہ روک سکے گی اور وہ وعید ہم پر صادق آئے گی جس کا خطرہ سید الکونین بآبائنا ہو وامھاتنا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر بیان فرمایا تھا کہ میں اپنے بعد جس سب سے بڑے فتنے کا اندیشہ رکھتا ہوں وہ عورت کا فتنہ ہے ———

ان سطور کا راقم اسی آخری گروہ کے خدام میں سے ایک ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ ان کے برحق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور افراد امت کا اپنے اوپر (بحیثیت مسلمان ہونے کے) یہ حق سمجھتا ہے کہ اس "فتنہ ظلماء" کے خلاف ہر کہ سینہ سپر ہو کر اس کا رُخ موڑنے کیلئے اپنی آخری قوت صرف کردے خواہ اس کا انجام وہی ہو جو ایک بچھڑے ہوئے لشکر کے بالمقابل نحیف ونزار اور غیر مسلح اس سپاہی کا ہوتا ہے جو سرحد پر کھڑا ہو اور اس فوج سے ٹکرا کر بہت بری طرح پس جائے یا ختم ہو جائے جو اس کے ملک پر قبضہ کرنے کے عزم سے حملہ آور ہوئی ہو۔

بس یہی ایک جذبہ ہے جس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی توانائیاں ، صحت کا باقیماندہ تھوڑا سا حصہ آرام کے اوقات ہی نہیں ، انتہائی طور پر ضروری اور واجبات میں مصروف اوقات اور اپنی خالی جیب میں جو کچھ باقی ہے وہ ، اور مزید بوجھ برداشت کر کے یہ مختصر سا مجموعہ ترتیب دے رہا ہوں اور اپنے مالک وآقا علیم بذات الصدور اور مصرف القلوب رب رؤف سے بصد عجز والحاح دعا گو ہوں کہ اس حقیر ترین کوشش کو اپنی ذات کیلئے خالص فرمائے ، اس میں مخلوق کا کوئی حصہ نہ ہو اور اس ادنیٰ سعی کو مؤثر بھی بنائے اور قبول بھی فرمائے ۔

رب تب علینا انک انت التواب الرحیم وفقنا جمیعا لما تحبہ وترضاہ من القول والعمل والنیۃ والھدیٰ انک علےٰ کل شئ قدیر وصل وسلم علےٰ نبیک وحبیبک محمد وعلےٰ آلہ واصحبہ واھل بیتہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ہ

مولانا مودودی

کل ـ اور ـ آج

لکھنے والے:

- ★ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب
- ★ مولانا عبدالماجد دریا آبادی صاحب
- ★ مولانا عتیق الرحمن سنبھلی صاحب
- ★ مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب بجنوری
- ★ مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر "برہان"
- ★ مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر
- ★ مولانا محمد سالم قاسمی مدیر میقات دیوبند
- ★ مولانا ابو صالح محمد عبدالجمیل الخطیب

ہ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اس اعتبار سے بڑے آدمی ہیں کہ انہوں نے ایک ماہنامے کی ادارت سے عوامی زندگی کا آغاز کیا، جس کی اشاعت محدود تر (بعض روایات کے مطابق ۲۵۰ کے قریب) تھی، انہوں نے بتدریج ایک تحریک شروع کی ۱۹۴۱ء میں اس تحریک کے نتیجے میں "جماعت اسلامی" معرض وجود میں آئی، جس میں مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبدالغفار حسن، مولانا سید صبغۃ اللہ، محمد صدیق مستریؒ، جناب محمد عبدالجبار غازی، شیخ سلطان احمد، مولانا سید محمد جعفر شاہ مولانا محمد اسماعیل مدراسی ——— اور دوسرے اہم ترین اہل علم اور اصحاب فضل شریک ہوئے ——— لیکن یہ عجیب حادثہ اور عبرت انگیز واقعہ ہے کہ ان اکابر اہل علم اور اصحاب تقویٰ میں سے ایک بھی مولانا مودودی صاحب کے ساتھ نہ چل سکا سبھی یہ شکوہ کرتے ہوئے جماعت اسلامی سے الگ ہو گئے کہ جو دعوت پیش کی جا رہی ہے، عمل اس کے خلاف ہے اور جو تحریک چلائی جا رہی ہے اقدام کے مراحل میں اس کے اساسی اصولوں کی خلاف ورزی مستقلاً جاری ہے۔

ان حضرات کی آمد اس حقیقت کی غماز تھی کہ یہ حضرات مولانا کی تحریروں سے متاثر ہوئے اور سبھی کی واپسی اس پر شاہد تھی کہ تحریر اور تحریک میں وہی تضاد ہے جو بجلی مثبت (پوزیٹو POSATIVE) اور منفی (نیگیٹو (Negative طاقتوں میں ہوتی ہے، مثبت نے ان حضرات کو کھینچا اور منفی (مولانا کے طرز عمل اور اصول شکنی) نے ان سب کو جو خود بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ودیعت کیے گئے تھے اپنے شدید جھٹکوں سے دور پھینک دیا ——— اور واقعہ یہ ہے کہ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور اس اظہار میں کوئی مانع نہیں ہے کہ جماعت کے اندر کوئی ایسا شخص تا دیر نہیں رہ سکتا جو خود سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو، حالات سے باخبر ہو، اخلاص کی نعمت عطا کیا گیا ہو اور جرأت کے ساتھ گرد و پیش کی ملامت کا مقابلہ کر سکے، وہ جماعت میں شامل نہیں رہ سکتا الا یہ کہ وہ خدانخواستہ جماعت یا مولانا کی شخصیت کو الٰہ بنا چکا ہو (ومن یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونہم کحب اللہ)

بہر نوع مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی وہ عظمت اور یہ ... ان دونوں میں مقابلہ شروع سے جاری ہے اور دونوں ہی کامیاب ہیں، ایک جذب کرنے میں اور دوسری جھٹک کر پھینک دینے میں ——— البتہ جب سے مولانا نے "حکمت عملی" کا فلسفہ پیش کیا، انتخابی سیاست سے شکست کھا کر حرام کو حلال کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، تب سے قابل ذکر شخصیتوں کی آمد رک گئی ہے سلسلہ خروج جاری ہے اور "غلاف کعبہ کی نمائش" سے لے کر عورت کی صدارت کی تحریک تک جماعت اصولاً مردہ اور اخلاقاً پست تر ہو چکی ہے ——— یہ حالات عبرت انگیز بھی ہیں اور بعض وجوہ (بالخصوص جماعت کے مخلص کارکنوں کی قوتیں تباہ کرنے کے اعتبار) سے تشویش انگیز بھی ——— مگر ظاہر ہے اس قسم کے تاثرات فطری نتائج کو تو بدل نہیں سکتے۔

جماعت اسلامی کا فلسفہ اضطرار

o ـــــ مولانا امین احسن اصلاحی

ہمارے ملک میں اسلام کا حلیہ بگاڑنے والوں کا ایک گروہ تو جدید تعلیم کی بدولت بہت پہلے سے پیدا ہو چکا ہے اور اس کی کوششوں سے مذہب کے خلاف آئے دن نت نئے فتنے اٹھتے ہی رہتے تھے لیکن جب سے جماعت اسلامی نے سیاست بازی کے میدان میں قدم رکھا ہے اس نے تحریف مذہب کے ایسے ایسے اصول ایجاد کرنے شروع کر دیئے ہیں کہ اس میدان کے دوسرے تمام شاطروں کو اس نے مات دیدی۔ مغرب زدہ طبقہ جو تحریف کرتا ہے اس کے لئے وہ یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ جس چیز کو ماننا نہیں چاہتا۔ اس کا سرے سے مذہب ہونا ہی تسلیم نہیں کرتا۔ اگر قرآن کی کوئی نص اس کی مزاحم ہوتی ہے تو اس کی الٹی سیدھی کوئی تاویل کر دیتا ہے اگر کوئی حدیث سامنے آتی ہے تو اس کو عجمی سازش قرار دے دیتا ہے۔ یہ شرارت بھی اگرچہ مذہب کے خلاف ایک بہت بڑی شرارت ہے لیکن ایک پہلو اس کا غنیمت ہے کہ اس سے تحریف کے لئے کسی مستقل فتنے کی بنیاد نہیں پڑتی۔ لیکن جماعت اسلامی نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ تحریف بھی کرتی ہے اور اس تحریف کے ساتھ ایک مستقل اصول بھی وضع کر دیتی ہے۔ تاکہ اس سے برابر انڈے بچے پیدا ہوتے رہیں۔

حلال و حرام کا اختیار

اس جماعت نے پہلے تو اسلام کے مختلف پہلوؤں پر بے شمار کتابیں لکھ لکھ کر چھاپیں۔ ملک کے کونے کونے میں ان کو پھیلایا۔ اس کے کارکنوں نے لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ کتابیں مطالعہ کرائیں۔ لیکن اب جبکہ اس کا اپنا ہی پھیلایا ہوا لٹریچر اس کے سیاسی اغراض کی راہ میں مزاحم ہو رہا ہے اور اسے ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنی ہی حرام ٹھہرائی ہوئی بعض چیزوں کو جائز قرار دے تو اس کے لئے اس نے جھٹ ایک اصول گھڑ دیا کہ دین میں جو چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جن کی حرمت ابدی اور قطعی ہے۔ ان کی حرمت کسی حالت میں حلت سے نہیں بدل سکتی۔ دوسری وہ ہیں جن کی حرمت شدید ضرورت کی حالت میں حلت سے

تبدیل ہو جایا کرتی ہیں۔ اس اصول کے تحت جماعت کے لئے یہ بات بالکل جائز ہے کہ جب اس کو شدید ضرورت پیش آجائے، وہ دین کی حرام کی ہوئی چیزوں میں سے (جن کی حرمت اسے خود بھی تسلیم ہے) کسی چیز کو جائز قرار دے لیا کرے۔

یہ اصول ان حضرات کو مس فاطمہ جناح کی صدارت کے لئے ایجاد کرنا پڑا ہے۔ اس سے پہلے بہت سی حرمتوں کو حلت میں تبدیل کرنے کے لئے ان کو حکمت عملی کے نام سے ایک اصول وضع کرنا پڑا تھا جس کی تردید میں ہمیں انہی صفحات میں ایک سلسلہ مضامین لکھنا پڑا تھا۔ اب کے اگرچہ حکمت عملی کی اصطلاح استعمال کرنے کی جسارت تو نہیں کی گئی ہے لیکن بات وہی کہی گئی ہے جو پہلے کہی گئی تھی۔ صرف الفاظ ذرا سے بدلے ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے ہمیں مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ جس طرح ان حضرات کا "حکمت عملی" والا اصول ایک بدعت ضلالت تھا اسی طرح ان کا یہ نیا اصول بھی ایک بدعتِ ضلالت ہے، بلکہ بوجوہ یہ نیا اصول ضلالت ہونے کے اعتبار سے پہلے سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔

شریعت نے حرمتوں کے درمیان نہ تو ابدی اور غیر ابدی، قطعی اور غیر قطعی کے قسم کی کوئی تفریق کی ہے نہ "شدید ضرورت" کے تحت کسی حرمت کے حلت میں تبدیل ہو جانے کا فتویٰ دیا ہے۔ یہ دونوں باتیں ان حضرات کے اپنے ذہن کی ایجاد اور مقصود ان کی ایجاد سے شریعت کی ان پابندیوں سے پیچھا چھڑانا ہے جن کو کتابوں میں لکھ کر فروخت کرنا تو آسان تھا لیکن سیاسی حوصلوں کے ساتھ اب عملاً ان کو نباہنا ان کے لئے ممکن نہیں رہا۔ شریعت میں جو بات کہی گئی ہے، وہ تو یہ ہے کہ ہر حرام سے بچو، البتہ اگر اکراہ یا اضطراہ کی حالت پیش آجائے تو اس صورت میں آدمی کو اس بات کی رخصت ہے کہ کسی حرام سے فائدہ اٹھالے بشرطیکہ نہ اس حرام کا خواہشمند ہو، نہ اس حد سے آگے بڑھے جو رفع ضرورت کے لئے ناگزیر ہے۔

اکراہ و اضطرار

شریعت کا ہر علم رکھنے والا اس بات کو جانتا ہے کہ اکراہ یا اضطرار کے معنی "شدید ضرورت" کے نہیں ہیں۔ شدید ضرورت تو آدمی کو سردیوں میں گرم چادر کی، گرمیوں میں برف کی، غریب کو روپے کی، خوشحال کو کوٹھی اور کار کی پیش آتی ہی رہتی ہے۔ لیکن یہ ضرورتیں اضطرار میں داخل نہیں ہیں جن میں شریعت نے کسی حرام سے فائدہ اٹھا لینے کی اجازت دی ہے۔ اکراہ یا اضطرار کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی کو بے بسی کی ایسی حالت پیش آجائے کہ دو حرام چیزوں میں سے کسی ایک کو

اختیار کرنے کے سوا کوئی اور مفر باقی ہی نہ رہ جائے اس صورت میں شریعت بلا شبہ اس بات کی رخصت دیتی ہے کہ آدمی دونوں حراموں میں سے اس حرام سے فائدہ اٹھائے جو نسبتاً اور مقابلتاً اہون ہے۔ حرام اور حرام کے درمیان یہ امتیاز ابدی اور غیر ابدی یا قطعی اور غیر قطعی کی تقسیم کی بناء پر نہیں ہے۔ بلکہ پیش آمدہ صورت حال میں ایک کے اشد اور دوسرے کے شدید ہونے کی بناء پر ہے۔ فرض کیجئے ایک شخص کی گردن پر تلوار رکھدی جاتی ہے کہ وہ اگر کلمۂ کفر نہیں کہتا تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی تو اس کو رخصت ہے کہ وہ زبان سے کلمۂ کفر نکال کر اپنی جان بچالے جائے، ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ اس صورت میں ایک مومن کی جان کے مقابل میں کلمۂ کفر کہنے کی جو اجازت ہے تو اس وجہ سے نہیں ہے کہ کلمۂ کفر کی حرمت غیر ابدی اور قطعی ہے بلکہ صرف اس وجہ سے ہے کہ پیش آمدہ صورت میں اس کا اختیار کرنا نسبتاً اہون ہے۔ ورنہ کلمۂ کفر کی حرمت کی ابدیت اور قطعیت میں کسی کلام کی گنجائش کہاں ہے؟ اسی طرح فرض کیجئے ایک شخص کی گردن پر چھری رکھدی جاتی ہے کہ وہ کسی بے گناہ کو قتل کرے۔ ورنہ خود اس کو ذبح کر دیا جائے گا تو اس صورت میں چاہیئے کہ وہ اپنا ذبح ہو جانا گوارا کرے لیکن دوسرے کے خونِ ناحق کا بار اپنے سر نہ لے۔ اس کی وجہ بھی یہ نہیں ہے کہ ایک حرمت ابدی ہے اور دوسری غیر ابدی، ابدی دونوں ہیں۔ البتہ پیش آمدہ صورت میں مقابلتاً ایک اہون ہے۔

اِن حضرات نے یہ بات سمجھنے میں بھی ٹھوکر کھائی ہے کہ شریعت کی کوئی حرمت "شدید ضرورت" کی حالت میں "حلت" میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ حرمت حلت میں تبدیل ہو جاتی تو پھر قرآن کو "غیر باغ ولا عاد" کی شرط لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ حرمت حلت میں تبدیل نہیں ہو جاتی۔ وہ بدستور باقی رہتی ہے۔ البتہ بقدر سدّ رمق اس سے جان بچالانے کی رخصت حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ رخصت بہر حال رخصت ہے، عزیمت نہیں ہے۔ اس وجہ سے اگر کوئی شخص اضطرار میں کسی حرام سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو فائدہ اٹھائے لیکن اس کو یہ حق حاصل نہیں ہو جاتا کہ وہ اس حرام کا ایک ہوٹل کھول کر ساری دنیا کو دعوت دینا شروع کر دے کہ آؤ لوگو! اضطرار پیش آگیا ہے۔ اس حرام کے لئے اپنے تن من دھن قربان کرو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ نہ اضطرار ایسی حالت ہے جو خود اپنے ووٹوں سے اپنے اوپر مسلط کی جائے اور نہ کوئی حرام چیز مسلمانوں کے اندر یہ درجہ حاصل کرتی کہ لوگ اس کے لئے تن، من، دھن تینوں کی اکٹھی قربانیاں دینی شروع کر دیں ——— یہ باتیں ہم نے بالکل پہلی مرتبہ جماعت اسلامی کے ان فقہا ہی کی زبان سے سنی ہیں!

اضطرار و اکراہ کو "شدید ضرورت" سے تعبیر کرنا اور شرعی حرمتوں کو ابدی اور غیر ابدی یا قطعی اور غیر قطعی کے دو الگ الگ خانوں میں بانٹ دینا محض تعبیر کی عامیانہ غلطی نہیں ہے - بلکہ اسلامی شریعت کے خلاف یہ دیدہ و دانستہ ایک ایسی شرارت ہے جس کی اگر بروقت بیخ کنی نہ کی گئی تو یہ فتنہ بن کر بہت جلدی پوری شریعت کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ جو شخص بھی چاہے گا بڑی آسانی کے ساتھ کسی حرمت کے متعلق یہ کہدے گا کہ یہ ابدی اور قطعی حرمتوں میں سے نہیں ہے۔ اور اس وقت اس کی شدید ضرورت لاحق ہو گئی ہے۔ اس وجہ سے یہ حرمت اب حلت میں تبدیل ہو گئی۔ آج ہمارے ملک میں جتنے کام بھی خلاف شریعت ہو رہے ہیں۔ ان سب کے جواز کی دلیل اس اصول سے فراہم ہو سکتی ہے۔ اور آئندہ جس حرمت کا بھی دروازہ کھولنا ہو اس کے لئے یہ کنجی بے خطا ثابت ہوگی۔ ہمارے مستغربین اب تک شریعت کو ذبح کرنے کے لئے جو چھری استعمال کر رہے ہیں وہ نہایت کند ہے لیکن جماعت اسلامی کی پھونکی ہوئی یہ تیز چھری اگر کہیں ان کے ہاتھ لگ گئی تو پھر سمجھ لیجئے کہ جماعت کے اقتدار تک پہنچنے سے پہلے ہی ساری شریعت کا صفایا ہو جائے گا۔ اسلامی فقہ کا وہ پورا باب جو عورتوں سے متعلق تھا وہ تو اس فتوے سے ان حضرات نے خود ہی ختم کر دیا۔ بے پردگی، عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط، عورتوں کی اخباری تصاویر، مخلوط تعلیم۔ عورتوں اور مردوں کے کھیلوں میں مقابلے دفاتر میں مردوں کے شانہ بشانہ عورتوں کی موجودگی اور اس قبیل کے دوسرے مسائل ان حضرات کے نہایت محبوب موضوعات تھے اور جماعت کے مقررین اور محررین ہر مجلس اور ہر تحریر میں ان عنوانات پر اپنی گرم گرم تحریروں اور تقریروں سے ارباب اقتدار کے خلاف حاضرین و قارئین کے ایمان گرمایا کرتے تھے۔ اب اس فتوے کے بعد یہ داستان تو ختم ہوئی۔ اگر کچھ ابواب فقہ باقی رہ گئے ہیں تو اب ان پر لب کشائی کی جرأت کم از کم یہ حضرات تو نہیں کر سکتے۔ خود انہی کی دلیل ان کا منہ بند کرنے کیلئے کافی ہوگی۔

ہم یہاں تھوڑی دیر کے لئے اس فرق کو نظر انداز کرتے ہیں جو "شدید ضرورت" اور "اکراہ و اضطرار" کے درمیان ہے۔ ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ ان حضرات نے "شدید ضرورت" سے اضطرار اور اکراہ ہی کو مراد لیا ہے۔ یہ فرض کر کے ان سے پوچھتے ہیں کہ آخر وہ کیا اضطرار لاحق ہوا کہ شریعت کی ایک حرمت کو (جس کی حرمت آج بھی آپ حضرات کے نزدیک "علیٰ حالہ" قائم ہے) حلت میں تبدیل کرنا پڑا؟

نوعیت اضطرار

کیا یہ اضطرار پیش آیا کہ متحدہ محاذ کے چار شریکوں نے آپ حضرات کی رائے کا لحاظ کئے بغیر

ایک عورت کی صدارت کا فیصلہ کر لیا اس وجہ سے آپ کو عورت کی صدارت و امارت کی حرمت کو حلت میں تبدیل کرنا پڑا؟ اگر یہ اضطرار ہے تو ماننا پڑے گا کہ متحدہ محاذ کی شرکت آپ حضرات کے نزدیک ایک ایسے وجوب شرعی کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس سے محروم ہونے کے مقابل میں شریعت کے ایک حرام کو حلت میں تبدیل کر دینا اہون ہے۔ کیا آپ حضرات کا موقف یہ ہے اگر یہ موقف نہیں ہے تو پھر از روئے شرع یہ وہ اضطرار نہیں ہوا جو کسی حرام کو آپ حضرات کے لئے جائز قرار دیدے۔

ایک اضطرار یہ بھی ہو سکتا ہے کہ متحدہ محاذ کے اندر سرے سے کوئی مرد ہی نہیں اس وجہ سے عورت کے انتخاب پر مجبور ہونا پڑا ہو اگر یہ بات تھی تو اس کمی کو باہر سے کوئی مرد تلاش کر کے پورا کیا جا سکتا تھا، آخر مس فاطمہ جناح بھی تو متحدہ محاذ سے باہر ہی کی ہیں۔ اگر باہر بھی کوئی مرد ایسا موجود نہیں تھا جو صدر ایوب کے مقابل میں کھڑا ہو سکے تو اسی اضطرار کے تحت جس کے تحت آپ نے مس فاطمہ جناح کو گوارا کر لیا، صدر ایوب ہی کو گوارا کر لیتے۔ آخر وہ گنہگار ہی ہیں، کافر تو نہیں ہیں؟ اگر کسی کو ایسی مجبوری پیش آجائے کہ اس کے سوا چارہ نہ ہو کہ ایک عابدہ و زاہدہ عورت کی اقتداء میں نماز ادا کرے یا ایک گنہگار مسلمان مرد کی تو آخر وہ کیا کرے گا؟ عابدہ و زاہدہ عورت کو امام بنائے گا یا گنہگار مرد کو؟ اسلامی شریعت کی رو سے مس فاطمہ جناح تو درکنار حضرت رابعہ بصریہ کے پیچھے بھی ایک مرد کی نماز نہیں ہو سکتی۔ لیکن ایک فاسق مسلمان کے پیچھے ہو سکتی ہے یہی صورت حال بلا اختلاف، سیاسی امامت کی اسلام میں ہے کہ ایک فاسق مسلمان تو مسلمانوں کا امیر ہو سکتا ہے لیکن ایک عورت ان کی امیر نہیں ہو سکتی، اگرچہ وہ کتنی ہی عابدہ و زاہدہ ہو۔

ایک اضطرار جماعت کے امیر صاحب نے اپنی موچی دروازے کی تقریر میں پیش کیا ہے جو یہ ہے کہ "ایک طرف ایک مرد ہے جس میں مرد ہونے کے سوا کوئی خوبی نہیں ہے اور دوسری طرف ایک عورت ہے جس میں عورت ہونے کے سوا کوئی عیب نہیں" ان کا مطلب یہ ہے کہ اس وجہ سے انہیں اور ان کی جماعت کو مس فاطمہ جناح کو صدر ایوب پر ترجیح دینے پر مجبور ہونا پڑا۔

اگرچہ موچی دروازے میں کہی ہوئی باتیں سنجیدہ تنقید کی سزاوار نہیں ہوا کرتیں اور یہ بات تو خاص طور پر کہنے والے کے ذہنی عدم توازن کی غمازی کر رہی ہے لیکن ہم فی الواقع نہایت سنجیدگی سے ان حضرات سے پوچھتے ہیں کہ اگر صدر ایوب میں مرد ہونے کے سوا کوئی اور خوبی نہیں ہے تو آپ لوگوں کے اندر کوئی اتنا مرد بھی نہ تھا جو ایک ایسے مرد کا مقابلہ کر سکے جس میں مرد ہونے کے سوا کوئی خوبی نہیں ہے۔

جہاں تک مس فاطمہ جناح کے "بے عیب" ہونے کا تعلق ہے۔ اس میں کسی اختلاف کی کہاں گنجائش

ہے۔ یہ حضرات تو ان کے عورت ہونے کو عیب قرار دیتے ہیں ہم تو اس چیز کو بھی کوئی عیب نہیں سمجھتے جب مرد کے لئے مرد ہونا کوئی عیب نہیں تو عورت کے لئے عورت ہونا کیوں عیب قرار پائے؟ لیکن اس وقت زیر بحث ان کے عیوب نہیں بلکہ وہ فضائل و کمالات ہیں جو بحیثیت صدر ریاست کے ان کا پلہ بھاری کرنے والے ہیں۔ اس پہلو سے جو شخص بھی ان کے معاملے پر غور کرے گا وہ صرف ایک چیز پیش کر سکے گا کہ وہ قائدِ اعظم کی بہن ہیں لیکن اس فضیلت کو ظاہر ہے کہ صدارت کے مسئلے سے کوئی تعلق نہیں۔ صدارت کے مسئلہ سے تعلق تو مثلاً جماعت اسلامی کے نقطۂ نظر سے اس چیز کو ہو سکتا ہے کہ وہ بڑی متبع کتاب و سنت ہوتیں۔ دین و دنیا کے معاملات میں ان کو بصیرت[1] ہوتی۔ حسن تدبیر و سیاست میں ان کو ملکہ ہوتا، انتظام ملک کا ان کو تجربہ ہوتا۔ کیا کوئی شخص ایمان و دیانت کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ان چیزوں کے لحاظ سے مس فاطمہ جناح کوئی درجہ و مرتبہ رکھتی ہیں؟ جہاں تک دین کا تعلق ہے عمل تو در کنار وہ اپنی تقریروں میں کبھی زبان سے بھی اس کا نام نہیں لیتی ہیں۔ اس کی شکایت ابھی پچھلے دنوں جماعت اسلامی کے ایک اخبار نے بھی کی ہے کہ وہ باتیں تو اچھی اچھی کہتی ہیں لیکن اسلام کا نام ان کی زبان پر نہیں آتا۔ رہا ملکی معاملات کا تجربہ تو مس فاطمہ جناح کے متعلق اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس میدان کی نہ وہ اہل ہیں اور نہ انہوں نے کبھی اس میدان میں قدم رکھا۔ برعکس اس کے صدر ایوب وہ ہیں کہ ان کے مخالف بھی اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے تدبر و سیاست سے پانچ چھ سال کے اندر اندر ملک کو اتنا مستحکم کر دیا ہے کہ اب پاکستان کے حلیف و حریف دونوں اس کا صحیح وزن محسوس کرنے لگے ہیں۔ مذہبی اعتبار سے اگرچہ ان کا بھی کوئی خاص وزن نہ ہوتا ہم کردار کے پختہ ہیں، جری ہیں، صاف گو ہیں۔ عوام پسند ہیں اور ان کی ہر تقریر اسلامی قومیت کے جوش و جذبہ سے لبریز ضرور ہوتی ہے۔

---

[1] بصیرت کیوں نہیں؟ مولانا کے اس مقالہ کی اشاعت کے تقریباً ۳ ہفتے بعد کراچی میں تعارفی تقریر (۱۶ر دسمبر) کے بعد مس فاطمہ جناح سے دو سوال کئے گئے۔ بعینہٖ یہ سوالات اور ان کے جوابات ملاحظہ فرمایئے:۔

س = کیا آپ برسر اقتدار آ کر ملک میں اسلامی قوانین نافذ کریں گی؟ ج = محترمہ فاطمہ جناح نے جواب میں پوچھا کون سے اسلامی قوانین

س = آپ اسلامی قوانین نافذ کرنے میں کیا اقدامات اختیار کریں گی؟ ج = محترمہ نے جواب میں کہا کہ ایک ایسے ملک میں جس میں مسلمان آباد ہوں۔ آئین شریعت اسلامیہ کی بنیاد پر ترتیب دیا جائے گا۔ ہمارا ملک اسلامی جمہوریہ ہے۔ ہمارا آئین مسلمانوں کیلئے ہے میں نہیں سمجھتی کہ اس کے علاوہ اسلامی آئین کا کیا مطلب ہے؟ ۔۔۔ کیا اس شاہکار کے بعد بھی کہا جا سکتا ہے کہ مس فاطمہ جناح دین کی بصیرت نہیں رکھتیں۔ (المنبر)

ایک اضطرار یہ حضرات یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ مس فاطمہ جناح کے سوا کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں تھی جس کو صدارت کے لئے نامزد کیا جاتا تو اس کے منتخب ہونے کی توقع کی جا سکتی۔ یہ عذر ان حضرات کا ہمارے نزدیک صحیح ہے اس میں شبہ نہیں کہ اگر کوئی اور صاحب کھڑے ہوتے تو صدر ایوب کے مقابل میں وہ پانچ سات فیصد ووٹ سے زیادہ نہ حاصل کر پاتے لیکن یہ چیز صدر ایوب کے حق میں جاتی ہے نہ کہ ان کے خلاف۔ اس حقیقت کی روشنی میں تو ان حضرات کو مضطر صدر ایوب کو قبول کرنے پر ہونا تھا نہ کہ مس فاطمہ جناح کی نامزدگی پر۔ اس لئے کہ صدر ایوب کو یہ مقبولیت جو اس ملک میں حاصل ہے کہ ان کے مقابل میں متحدہ محاذ کے رجال میں سے کوئی صاحب کھڑے ہونے کی جرأت نہ کر سکے وہ اس بناء پر نہیں ہے کہ وہ قائد اعظم کے بھائی ہیں بلکہ اس بناء پر ہے کہ انہوں نے اس ملک کی خدمت کی ہے۔ برعکس اس کے مس فاطمہ جناح کو جو مقبولیت حاصل ہے اس میں ہرگز کوئی دخل نہ تو اس بات کو ہے کہ انہوں نے ملک و قوم کی کوئی خدمت کی ہے اور نہ اس بات کو ہے کہ ان کے اندر ملک کے مسائل کو سمجھنے اور اس کے نظم و نسق کو چلانے کی کوئی خاص صلاحیت و قابلیت ہے بلکہ جو کچھ بھی ہے صرف اس بات کو ہے کہ وہ قائد اعظم کی بہن ہیں۔ اگر یہ شرف ان کو حاصل نہ ہوتا تو وہ مجرد اپنی خدمت و قابلیت کے بل پر وہ شاید پانچ ووٹ بھی حاصل نہ کر پاتیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کو اسلام یا ملک یا قوم کا خیر خواہ کس طرح سمجھا جائے جو ملک کی صدارت جیسے اہم مسئلے پر صرف اس پہلو سے غور کرتے ہیں کہ کون شخص صدر ایوب کو شکست دے سکتا ہے اور اس سوال کو بالکل نظر انداز کر جاتے ہیں کہ صدر ایوب کو شکست دے کر وہ ملک کو بچا بھی سکتا ہے یا نہیں۔ ہر ایمان دار شخص اس امر کا اندازہ کر سکتا ہے کہ مس فاطمہ جناح کو جو شخص بھی ووٹ دے گا اس لئے نہیں دیگا کہ ان کے ہاتھوں ملک میں اسلامیت کو فروغ ہوگا یا ملک کو استحکام حاصل ہوگا یا بین الاقوامی مجلس میں پاکستان کا وقار بڑھے گا بلکہ زیادہ تر وہ لوگ ان کو ووٹ دیں گے جن کی نگاہ میں ملک و ملت سے زیادہ اہمیت رکھنے والا مسئلہ ان کے مادر ملت ہونے کا ہے یا وہ لوگ جن کو صدر ایوب سے اللہ واسطے کا بغض ہے یا پھر وہ لوگ جو اپنی سادہ لوحی یا پاکستان دشمنی کی وجہ سے جمہوریت اور انارکی میں امتیاز نہیں کرتے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ جن لوگوں نے اس سب سے زیادہ اہم سیاسی و اجتماعی مسئلے میں قوم کے ایک اندھے بہرے جذبہ عقیدت سے فائدہ اٹھانے کی سوچی۔ یہاں تک کہ اس کو ثواب ثابت کرنے کے لئے اپنے اوپر اضطرار طاری کر کے شریعت کے حرام کو بھی حلال بنایا وہ کبھی دین و ملت کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں

اس طرح کے لوگ اپنے اغراض کے لئے ہر وہ خطرناک سے خطرناک کھیل کھیل سکتے ہیں جس سے ان کو اپنی غرض پوری ہوتی نظر آئے۔ اگرچہ ملک اس سے تباہ ہو جائے۔

آغاز و انجام

یہ حضرات جمہوریت جمہوریت کا وظیفہ بھی بہت پڑھتے ہیں اور اس کا عشق بھی منجملہ ان چیزوں کے ہے جن کے سبب سے یہ مس فاطمہ جناح کی حمایت پر مجبور ہوئے۔

ان حضرات کی جمہوریت کی تاریخ یہ ہے کہ پہلے یہ جمہوریت کو شیطنت قرار دیتے تھے۔ ان کا نقطہ نظریہ تھا کہ اسلام کا اپنا ایک مستقل نظام سیاسی ہے جو ملوکیت، آمریت اور جمہوریت سب سے الگ ہے۔ جمہوریت حاکمیت عوام۔ نظریہ پر مبنی ہوتی ہے، اس وجہ سے اس کو یہ شرک قرار دیتے تھے۔ اس فکر کا غلبہ اس وقت تک رہا۔ جب تک یہ حضرات سیاست میں نہیں اترے تھے سیاست کے میدان میں اترنے کے بعد ان کو جمہوریت کے نعرے کی مقبولیت کا کچھ اندازہ ہوا تو انہوں نے آہستہ آہستہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں اسلامی نظام کے ساتھ ساتھ جمہوریت کا لفظ بھی استعمال کرنا شروع کیا لیکن اس کے ساتھ "اسلامی" کا دم چھلا لگا کر، پھر جب سیاست میں ذرا کچھ اور آگے بڑھے تو نری جمہوریت رہ گئی۔ "اسلامی" کا لفظ غائب ہو گیا اور اب اس وقت یہی حضرات جو انبیاء علیہم السلام کے طریقے پر ساری دنیا میں خالص اسلامی نظام قائم کرنے اٹھے تھے مس فاطمہ جناح کی قیادت میں امریکی طرز جمہوریت کے مقابل میں برطانوی طرز کے پارلیمانی نظام کے حصول کے لئے تن، من، دھن تینوں کے ساتھ مصروف جہاد ہیں۔ اسلام اور اسلامی سب غائب ہو گئے وہ آغاز تھا یہ انجام ہے!

ہر واقف حال اس بات کو جانتا ہے کہ اس وقت صدر ایوب اور مس فاطمہ جناح میں جو جنگ ہو رہی ہے وہ نہ اسلام کے لئے ہو رہی ہے نہ جمہوریت کے لئے۔ ان دونوں ہی کے نزدیک نہ اسلام زیر بحث ہے نہ جمہوریت مابہ النزاع، مابہ النزاع جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ یہاں امریکی طرز کی جمہوریت چلے یا انگریزی طرز کی؟ ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کے قیام سے بھی اسلام کی راہ کھلنے والی نہیں ہے کہ اس کی حمایت کوئی ایسا دینی مسئلہ بن جائے کہ اس کے لئے اضطرار کی آڑ لے کر شریعت کے ایک حرام کو جائز کیا جائے۔ جمہوریت اسلام کے لئے تو جب سازگار ہو سکتی ہے۔ جب جمہور کے مزاج میں اسلامیت پیدا کی جائے۔ اگر جمہور کے مزاج میں اسلامیت نہ ہو تو وہ خواہ

انگریزی طرز کی ہو یا امریکی طرز کی، وہ بڑی آسانی کے ساتھ مشہور مسخرے چارلی چپلن کو سیدنا مسیح علیہ السلام پر ترجیح دے دیتی ہے۔ آخر متحدہ محاذ کی جمہوریت کا پہلا تجربہ تو ہو ہی چکا کہ باوجودیکہ اس کی شریک پانچ پارٹیوں میں سے تین اسلام کی مدعی تھیں۔ لیکن انہوں نے اسلام کے احکام کے خلاف اپنا سربراہ ایک عورت کو بنایا۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے کی جرأت انہیں اسی وجہ سے ہوئی کہ انہیں اندازہ ہے کہ عوام کے ذہن پر اسلام کے حرام و حلال کا اتنا اثر نہیں ہو سکتا۔ جتنا اس بات کا ہو سکتا ہے کہ صدر ایوب کا مقابلہ کرنے کے لئے قائداعظم کی بہن اٹھی ہیں۔ اب فرض کیجئے کہ مس فاطمہ جناح کامیاب ہو جاتی ہیں تو ان کے وعدے کے مطابق صدارتی نظام کے بجائے یہاں پارلیمانی نظام آجائے گا لیکن اسلامی نظام کدھر سے آجائے گا۔

بہرحال اس وقت ہمارے صدرین میں جو جنگ ہے اس میں اصل مسئلہ پارلیمانی نظام اور صدارتی نظام کا ہے۔ اس میں سے کسی کے حق میں بھی وحی نہیں اتری کہ اس کے قیام سے اسلام کے قیام کو وابستہ کر دیا جائے۔ ان پر اگر بحث ہو سکتی ہے تو ان کی صلاحیت کار کے پہلو سے ہو سکتی ہے اور ہمارے نزدیک ان کا حسن و قبح دونوں اضافی نوعیت کا ہے۔ جس ملک میں وحدت فکر ہو، تعلیم عام ہو۔ عوام کے جذبات و رجحانات ہموار ہوں، سیاسی جماعتوں اور لیڈروں میں جمہوریت کے حقوق کے ساتھ ساتھ اس کی ذمہ داریوں کا بھی احساس ہو وہاں پارلیمانی نظام کامیاب ہو جاتا ہے لیکن جہاں یہ چیزیں موجود نہ ہوں وہاں اس سے انتشار اور ابتری کے پھیل جانے کا اندیشہ رہتا ہے اور جمہوریت انارکی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ صدارتی نظام میں یہ خوبی ہے کہ یہ جمہوریت کے ساتھ ساتھ ملک کے استحکام کا بھی ضامن ہے اور ملک کا استحکام ایک ایسی چیز ہے جس کے لئے پارلیمانی نظام تو درکنار دین کے سوا دنیا کی ہر چیز قربان کی جا سکتی ہے۔ ہم پارلیمانی نظام کی بے آبرویوں کا نہایت تلخ تجربہ کر چکے ہیں۔ اور آئندہ اگر اس کا مزید تجربہ کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا نتیجہ ملک کی تباہی کے سوا کچھ اور نہیں نکل سکتا۔ یہاں عوام کے سیاسی شعور کا عالم یہ ہے کہ بہتوں کے لئے یہ فرق کرنا بھی مشکل ہو رہا ہے کہ اس وقت یہاں ملت کے لئے ماں کا انتخاب ہو رہا ہے یا ریاست کے لئے صدر کا۔ انگریزی دور کا یہ ذہن ابھی ہمارا بدلا نہیں ہے کہ جو اقتدار پر ہو اس کو شیطان سمجھو اور جو اقتدار سے محروم ہو اور لوگوں سے بے سروپا وعدے کر سکے اس کو فرشتہ قرار دو۔ ملک میں مرکز گریز طاقتیں ہی نہیں بلکہ ملک دشمن عناصر بھی ہر حصے میں مصروف سازش ہیں جو پختونستان قائم کرنے اور مشرقی پاکستان کی

علیحدگی کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ سیاسی کردار کی بے اعتباری کا یہ عالم ہے کہ چوہدری محمد علی صاحب جیسے جیسے لوگ حصول اقتدار کی طمع میں عواقب و نتائج سے آنکھیں بند کرکے "مادر ملت" کے نام سے ان تمام عناصر کو صلائے عام دے دیتے ہیں جن کے درمیان ایوب دشمنی کے سوا اور کوئی بھی قدر مشترک نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کو بھی چوہدری صاحب "مادر ملت" کے جھنڈے کے نیچے جمع کر رہے ہیں جن کی آزردگی کا باعث ون یونٹ قائم کرکے چوہدری صاحب خود ہوئے ہیں۔ مذہبی بے ضمیری کا یہ عالم ہے کہ جو لوگ کل تک گلی گلی میں لوگوں کو پیغمبر کا یہ قول سناتے پھر رہے تھے کہ عورت کی حکومت میں جینے سے زیر زمین دفن ہو جانا بہتر ہے وہ "مادر ملت" کا جھنڈا اٹھائے اور ان کا نعرہ لگاتے پھر رہے ہیں اور بے شرمی کا یہ عالم ہے کہ اس کو اقامتِ دین کا جہاد قرار دے رہے ہیں جس ملک میں ایسے انتشار پسند اور ناقابل اعتماد عناصر کارفرما ہوں وہاں جمہوریت کی وہی شکل کامیاب ہو سکتی ہے جو ایک مضبوط مرکز کے نظم و ضبط میں ہو۔

لیکن اس وقت ہمیں مسئلے کے سیاسی پہلو سے بحث نہیں ہے اس پر ضرورت ہو گی تو ہم آئندہ بحث کریں گے۔ اس وقت ہم صرف اس کے اسلامی پہلو سے بحث کرنا چاہتے ہیں کہ آخر مس فاطمہ جناح کی صدارت اور متحدہ محاذ کی حمایت میں اسلام کی بہبود کا پہلو کیا ہے؟ یہ حضرات بڑی جرأت کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر اسلام کی مصلحت ہو تو عورت کو حکمران بنایا جا سکتا ہے۔ چلئے ہم نے مانا کہ بنایا جا سکتا ہے لیکن وہ اسلامی مصلحت کیا ہے جس کے لئے مس فاطمہ جناح کا انتخاب کیا گیا ہے؟ ہم ان کے ذاتی تقویٰ و تدین اور ظواہر شریعت کے احترام سے کوئی بحث نہیں کرتے اس لئے کہ ان چیزوں کو تو اندھے بھی دیکھ سکتے ہیں۔ ہم صرف یہ پوچھتے ہیں کہ ہے کوئی ثقہ شہادت اس بات کی موجود کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی کی کسی تقریر یا بیان میں کبھی اسلام کا بھی نام لیا ہو یا کبھی کوئی چھوٹا یا بڑا کام دینی نوعیت کا بھی کیا ہو؟ اس معاملے میں ان کی وضع داری کا تو یہ عالم ہے کہ الیکشن کے زمانے میں بھی جس میں رندانِ قدح خوار بھی زاہدانِ شب زندہ دار بن جاتے ہیں، کبھی یہ غلطی نہیں کرتیں کہ بھول کر ہی اسلام کا نام لے جائیں اور اس کی شکایت خود انہی حضرات کو پہلے بھی تھی اور دبی زبان سے اب بھی ہے۔ لیکن اب مادر ملت کی وفاداری کا جوش اس زور سے ابھرا ہے کہ اس ملک میں اسلام کا قیام تنہا انہی کے دم سے وابستہ ہو کر رہ گیا ہے۔

اسلامی مصلحت کے زاویہ سے

اسلامی مصلحت کے زاویہ سے ذرا ایک نظر متحدہ محاذ کے عجائب گھر پر بھی ڈالئے اس میں

مولانا بھاشانی ہیں جو شروع سے بے داغ سوشلزم یا کمیونزم کے علمبردار ہیں۔ ان کی شخصیت محاذ میں اس پہلو سے سب سے زیادہ موثر ہے کہ محاذ کو جتنی کچھ بھی کامیابی کی توقع ہے وہ دراصل مشرقی پاکستان ہی سے ہے۔ اس میں محمود علی قصوری صاحب ہیں جو ابتداء سے لادینی نظام کے بڑے زبردست داعی ہیں اور اشتراکیت پسندانہ رجحانات رکھنے کی وجہ سے ہر انتشار اور ہر انتشار پسند کے لئے ان کی آغوش کشادہ رہتی ہے۔ اس میں چوہدری محمد علی صاحب ہیں جو یوں تو اسلامی نظام کے علمبردار ہیں! لیکن سنتے ہیں کہ جماعت اسلامی کے لئے وہ اضطرار انہی نے پیدا کیا جس کے تحت اسے مس فاطمہ جناح کی صدارت کی حمایت میں اللہ و رسول کو چھوڑنا پڑا۔ اس کے ایک رکن جنرل اعظم خاں بھی ہیں جو کل تک تو ختم نبوت کا نعرہ لگانے والوں کو پھانسیاں دیتے تھے جن میں جماعت اسلامی کے امیر بھی شامل تھے لیکن اب اقامت دین کا مستقبل ان کی ذات سے بھی وابستہ ہو گیا ہے۔ جماعت اسلامی کے لوگوں نے ایک زمانے میں جتنی گالیاں ان کو دی ہیں شاید ہی اس ملک میں کسی اور کو دی ہوں لیکن اب جماعت کے شیوا بیان نامہ نگاروں کے قلم سے ان کا ذکر جمیل پڑھئے تو ایسا محسوس ہوگا کہ اسلاف میں سے کسی مجاہد اعظم کا ایمان افروز تذکرہ ہے۔ خواجہ صاحب مرحوم کا ذکر ہم اس لئے نہیں کرتے کہ اب وہ اپنے رب کے پاس پہنچ چکے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان سب میں دین دار اور شریف وہی تھے۔ یہ متحدہ محاذ ہے جس کو اب جماعت اسلامی اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام کا ذریعہ سمجھتی ہے اس محاذ نے پہلا اسلامی کارنامہ جو انجام دیا ہے وہ صدارت کے لئے مس فاطمہ جناح کی نامزدگی ہے۔

ملکہ سبائی حجت

یہ حضرات اضطرار کے علاوہ ایک اور دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ ملکہ سبا جب حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائیں تو اس وقت حضرت سلیمانؑ پر یہ وحی نہیں اتری کہ عورت کا بادشاہ رہنا ٹھیک نہیں ہے۔

اول تو ان بوالفضولوں سے کوئی یہ پوچھے کہ جب عورت کی بادشاہت پر یہ سبائی حجت تمہارے پاس موجود تھی تو پھر اضطرار کے آڑ میں پناہ لینے کی ضرورت کیا تھی؟ پھر تو خم ٹھونک کر یوں کہنا تھا کہ جس طرح سبا والوں نے ملکہ بلقیس کو اپنی ملکہ بنا لیا تھا اسی طرح ہم مس فاطمہ جناح کو اپنی ملکہ بنا رہے ہیں۔

دوسری یہ کہ یہ لوگ حضرت سلیمان کی شریعت کے پیرو ہیں یا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے؟ ہم نے مانا کہ حضرت سلیمانؑ پر ملکہ سبا کی بادشاہت کے بارے میں کوئی وحی نہیں آئی لیکن رسول اللہ پر تو عورت کی امارت کی حرمت کی وحی آئی۔ اور اس حرمت کے سب سے زیادہ زور دار بیان کرنے والے یہی تھے تو حضرت سلیمانؑ کی شریعت رسول اللہ کی شریعت کی ناسخ ہے یا رسول اللہ کی شریعت حضرت سلیمانؑ کی شریعت کی؟

تیسری یہ کہ حضرت سلیمانؑ پر عورت کو بادشاہ بنانے کی حرمت کی وحی تو جب آتی کہ انہیں اسرائیلی شریعت کا یہ حکم معلوم نہ ہوتا کہ عورت حکمران نہیں ہو سکتی اور وہ ملکہ سبا کو کہیں کا بادشاہ بنانے کا ارادہ کرتے۔ قرآن سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ تو یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ملکہ سبا کا تخت و تاج سب اپنے دربار میں منگوا لیا اور خود ان کو بھی اپنے دربار میں فرماں بردارانہ حاضر ہونے کا حکم دیا اور انہوں نے ان کے حکم کی تعمیل بھی کی۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ قرآن اس بارے میں خاموش ہے۔ لیکن قرینے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ان کو اپنے حرم میں داخل کر لیا تو جب صورت معاملہ یہ تھی تو حضرت سلیمانؑ پر وحی کس بات کے لئے آتی؟

چوتھی یہ کہ اگر ملکہ سبا کی بادشاہت مس فاطمہ جناح کی صدارت کیلئے دلیل بن سکتی ہے تو کیا حضرت سلیمانؑ کی بادشاہت پاکستان میں جمہوریت کے بجائے بادشاہت کے قیام کے لئے دلیل نہیں بن سکتی؟ کیا حضرت سلیمانؑ نے اپنے ملک میں کوئی جمہوریت قائم فرمائی تھی یا انگریزی طرز کا پارلیمانی نظام قائم کیا تھا؟ اگر صدر ایوب اس دلیل سے فائدہ اٹھا کر اپنی بادشاہی کا حق جتانا شروع کر دیں تو ان فقیہوں کے پاس ہے اس کا کوئی جواب؟

پانچویں یہ کہ تورات، زبور، امثال اور انبیاء کے دوسرے صحیفوں میں عورت کی حیثیت کیا بیان ہوئی ہے؟ کیا یہی کہ ملکہ سبا کی طرح حکمرانی کرے۔ ہم بنی اسرائیل کی پوری تاریخ از سیدنا حضرت اسحاقؑ تا سیدنا حضرت مسیحؑ سے ثابت کر سکتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں عورت کی حکمرانی کا نہ صرف یہ کہ کوئی تصور موجود نہیں ہے بلکہ اس کی کامل نفی موجود ہے۔

یہ حضرات آج بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ بعض مفتیوں کے فتوے بھی اپنے ووٹروں کو سناتے پھر رہے ہیں ہم ان پر بھی تنقید کر کے ان کی لغویت واضح کرنا چاہتے ہیں۔......

ایک مفتی کا یہ فتویٰ پیش کیا جا رہا ہے کہ عورت کی امارت اگرچہ آثار قیامت میں سے ہے لیکن اس صورت میں اس کا امیر بنانا جائز ہے جبکہ اس کو امیر بنانے میں دین کا فائدہ یقینی ہو اور وہ

پردے میں رہے - کوئی ان اللہ کے بندوں سے پوچھے کہ عوام کو ان فتووں سے الجھن میں ڈال کر آخرت کی کون سی کمائی کر رہے ہو؟ تم اقامت دین کے دعوے سے اٹھے تھے یا قوم پر آثار قیامت مسلط کرنے کے ارادے سے؟ رسول کی حدیث اور تمہارے اس مفتی کے فتوے کی رو سے مس فاطمہ جناح کی صدارت کا آثار قیامت میں ہونا تو یقینی ہو گیا، اب ثابت کرو کہ ان کی صدارت میں دین کا نفع یقینی ہے - چلو یقینی نہیں دین کے نفع کا کوئی دور قریب امکان ہی ثابت کر دو، چلو یہ بھی نہ سہی یہ فرماؤ کہ مس فاطمہ جناح پردہ کرتی ہیں؟ کیا ۷۲ سال کی زندگی میں کبھی انہوں نے پردہ کیا ہے؟ یہ بھی چھوڑو یہ بتاؤ کہ وہ پردے کی قائل بھی ہیں؟ کیا اُن کی صدارت سے یہ توقع رکھتے ہو کہ ملک میں بے حجابی و بے پردگی کی اصلاح ہو گی؟ چلو یہ سب چھوڑو، ایمانداری سے بتاؤ کہ مس فاطمہ جناح عائلی قوانین کے حق میں ہیں یا اس کے خلاف؟ یہی ایک یتیم دفعہ اسلام کے نام سے نو نکاتی پروگرام میں عوام کو بیوقوف بنانے کے لئے شامل کی گئی ہے لیکن اس کا بھی یہ حال ہے کہ متحدہ محاذ کا پورا کنبہ مادر ملت سمیت اس کو اپنے پروگرام سے خارج کرنے کا خواہش مند ہے - پھر دین کی وہ کونسی چیز ہے جس کے قائم کرنے کی امید پر مسلمانوں کو یہ دعوت دے رہو کہ وہ خود اپنے ووٹوں سے اپنے اوپر وہ شامت مسلط کر لیں جس کو ان کے پیغمبر نے آثارِ قیامت میں سے گنایا ہے -

کل — اور — آج

ان لوگوں کے سامنے جب عورت کی صدارت کی حرمت کے بارے میں خود ان کے فتوے رکھے جاتے ہیں تو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کہتے ہیں کہ لوگ ہمارے فتووں کا اس طرح حوالہ دیتے ہیں گویا ہمارے ہی فتووں پر عمل کرتے رہے ہیں - ان سے کوئی پوچھے کہ آپ کے ہر مقرر کی زبان آج جن مفتیوں کی مدح خواں ہے کیا آج تک آپ انہی مفتیوں کے فتووں پر عمل کرتے رہے ہیں؟ لوگ جو آپ کے سامنے آپ کے فتوے پیش کرتے ہیں تو اس لئے پیش کرتے ہیں کہ آپ اپنے ہی تحریر فرمائے ہوئے فتووں پر خود کیوں نہیں عمل کرتے؟ دوسرے تو جب عمل کریں جب مفتیوں کو خود اپنے فتووں پر عمل کرتے دیکھیں - جب لوگ دیکھتے ہیں کہ آپ کے فتوے آپ کی خواہشات کے محور پر گھومتے ہیں - ایک چیز جو کل تک حرام تھی - آج سیاسی اغراض کے لئے جائز ہو جاتی ہے تو ایسے دین باز مفتیوں کے فتووں کا بہترین مصرف لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ان کا ہر مجلس اور ہر کوچہ و بازار

میں مذاق اڑایا جائے۔ چنانچہ یہی اس وقت ہو رہا ہے اور شاید یہی کھیل اس اقامتِ دین کے ڈرامے کا آخری کھیل ہے۔

ان حضرات کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب ایوب صاحب کی حکومت میں عورت سفیر اور وزیر بنتی ہے تو ہم اگر ایک عورت کو صدر بنا رہے ہیں تو لوگوں کو اس پر کیوں اعتراض ہے ہم نیازمندوں کو تو جو اعتراض ہے وُہ ایوب صاحب پر بھی ہے اور ان حضرات پر بھی ہے۔ البتہ ان حضرات پر زیادہ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مذہب کے مدعی رہے ہیں اور کل تک عورت کی حکومت کو حرام ٹھہراتے ٹھہراتے رہے ہیں۔ ایوب صاحب کو ان پر جو اعتراض ہے وہ اس بناء پر نہیں کہ وہ عورت کی حکومت کو حرام سمجھتے ہیں۔ وہ تو مذہب جمہوریت کے قائل ہیں۔ اس وجہ سے عورت کی حکومت کو حرام سمجھنے کا ان کے ہاں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ انہیں جو مذہب یاد آیا ہے وہ ان حضرات کے فتووں کے یاد دلانے سے آیا ہے۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ ان حضرات کو تو ایوب صاحب پر اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے اس لئے کہ یہ حضرات آج جمہوریت کے بھی بڑے علمبردار ہیں اور جمہوریت کے بھی بڑے علمبردار ہیں اور جمہوریت کے نقطۂ نظر سے ایوب صاحب کا عورت کو وزیر سفیر بنانا قابلِ اعتراض نہیں۔ لیکن ایوب صاحب کو ان کی پھبتی اڑانے کا حق ہے اس لئے کہ یہ حضرات مذہب کے بھی دعویدار ہیں اور مذہب کی رو سے انہیں خود اعتراف ہے کہ عورت کی حکومت جائز نہیں۔

بعض سادہ لوحوں کی طرف سے یہ بات بھی کہی جا رہی ہے کہ جب حکومت میں مختلف قسم کی خلافِ شرع باتیں ہو رہی ہیں تو آخر عورت کی صدارت ہی کے مسئلہ کو ایک شرعی اور دینی مسئلہ کیوں بنا لیا جائے اہل دین کی زبان سے اس عذر کا پیش کیا جانا انتہائی ضعفِ ایمان کی دلیل ہے۔ اہل ایمان کا فریضہ ہر منکر کے خلاف آواز اٹھانا ہے۔ اسی سے وہ عنداللہ اس منکر کی ذمہ داریوں سے بری ہو سکتے ہیں۔ اس دلیل کی بناء پر کہ جب بہت سے منکر ہو ہی رہے ہیں تو ایک نئے منکر کیخلاف آواز کیوں اٹھائی جائے ایک ایسی بات ہے جو زندہ ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ اہل دین اگر ایک منکر کے وجود کو دوسرے اس سے ہزار درجے بڑے منکر کے جواز کی دلیل بنائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے شیطان کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔ کوئی شخص اگر صدر ایوب سے ناراض ہے وہ خدا کی شریعت سے بیزار کیوں ہو جائے اور اس کو شیاطین کے ہاتھوں تاراج ہونے کے لئے کیوں چھوڑ دے؟ غیرت ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس منکر پر بھی نکیر کیجیے جو صدر ایوب کے ذریعہ سے پھیلے اور اس منکر کی بھی بیخ کنی کیجیے جو مذہب کے مدعیوں کے ہاتھوں برپا ہو رہا ہے

اور جو صرف ایک منکر ہی نہیں بلکہ منکرات کے فتح باب کا ایک شیطانی فلسفہ بھی اپنے ساتھ لئے ہوئے ہے۔ اگر ایک جماعت سیاست کے جنوں میں مذہب کو بازیچۂ اطفال بنا ڈالے اور اہل دین سیاسی مصالح ہی کے تحت اس سے اغماض کی پالیسی اختیار کریں تو ہمیں اندیشہ ہے کہ دونوں ہی کی یہ سیاست بازی اللہ کے ہاں ایک ہی درجے کا جرم ٹھہرے گی۔ ہمارے دینی حلقوں کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ سیاسی مصلحتوں کے تحت جو خاموشیاں ہوتی ہیں بعض اوقات وہ ایسے حالات پیدا کر دیتی ہیں کہ ہمیشہ کے لئے زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔ خدا اپنی شریعت کے معاملے میں بڑا غیور ہے!!

بہر حال جو لوگ آج شریعت کے ایک حرام کو اس دلیل سے جائز ٹھہرا رہے ہیں کہ اس حرام کے جائز کر لینے سے دین کی کامیابی کی راہیں کھلیں گی وہ اپنے آپ کو اللہ و رسول سے زیادہ عقلمند سمجھتے ہیں۔ رسول نے تو اُمت کو یہ تعلیم دی کہ جو قوم اپنی باگ ایک عورت کے ہاتھ میں پکڑائے گی وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔ یہ اس کے برعکس یہ کہتے ہیں کہ شریعت کی ہر حرمت ابدی نہیں ہے آج اگر فلاح حاصل کرنا چاہتے ہو تو مس فاطمہ جناح کو اپنا حکمران بناؤ۔ پیغمبر صادقؐ نے فرمایا کہ عورت کی حکومت میں جینے سے زمین میں گڑ جانا بہتر ہے اور یہ دعوت دیتے ہیں کہ مس فاطمہ جناح کو صدر بنانے کے لئے تن من دھن کی قربانی دو۔ یہ کہتے ہیں کہ صدر ایوب کی حکومت میں فسق و فجور ہے مس فاطمہ جناح اس کی اصلاح کریں گی۔ حالانکہ از روئے شریعت مس فاطمہ جناح کی صدارت بجائے خود فسق و معصیت ہے تو فسق سے فسق کی اصلاح کیا ہوگی؟ یہ کہتے ہیں کہ صدر ایوب دین سے ہٹے ہوئے ہیں ہم کہتے ہیں کہ صدر ایوب اگر دین سے ایک فرلانگ دور ہیں تو مس فاطمہ جناح دین سے ایک میل دور ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ صدر ایوب میں مرد ہونے کے سوا کوئی خوبی نہیں اور مس فاطمہ جناح میں عورت ہونے کے سوا کوئی عیب نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ صدر ایوب کا اس درجے کا مرد ہونا کہ متحدہ محاذ کا کوئی مرد ان کے مقابل میں کھڑے ہونے کی جرأت نہ کر سکا بجائے خود ایک ایسا وصف ہے جو صدارت کے لئے ان کے استحقاق کی کافی دلیل ہے۔ رہیں مس فاطمہ جناح تو ان کی ذات کو اگر "بے عیب" بھی مان لیا جائے جب بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ ان میں صدارت کا اہل ثابت کرنے والا ہنر کون سا ہے؟ رہا متحدہ محاذ تو وہ اس ملک کے تمام دین دشمن اور ملک دشمن عناصر کا مجموعہ ہے بلکہ سچ پوچھئے تو دین کے مخالفوں کو پبلک کے سامنے آنے کی جرأت متحدہ محاذ کے پلیٹ فارم ہی سے ہوئی ہے۔ اس سے پہلے وہ پبلک کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کر سکتے

تھے۔ جماعت اسلامی کی ان کے ساتھ ملی بھگت بھی دین دشمن عناصر ہی کی کامیابی ہے۔ اس لئے کہ تحریف دین کے جو اصول اس جماعت کے پاس ہیں وہ اور کسی کے پاس بھی نہیں ہیں۔

خلاصۂ مباحث

"اب اوپر کی بحثوں کا خلاصہ ذہن میں محفوظ کر لیجئے ــــــ"

(۱) شریعت کی حرمتوں میں ابدی اور غیر ابدی قطعی اور غیر قطعی کی کوئی تفریق و تقسیم نہیں ہے سب حرمتیں ابدی اور قطعی ہیں۔ یہ تقسیم شیطان کا اٹھایا ہؤا فتنہ ہے اور اگر آج اس کا سر نہ کچل دیا گیا تو شیطان اس حربے سے کام لے کر ساری شریعت کو تاراج کر کے رکھدیگا۔

(۲) شریعت کی کوئی حرمت "حکمت عملی" یا "عملی ضرورت" یا "شدید ضرورت" یا "مصلحت" کے عذرات پر حلت میں نہیں تبدیل ہو جاتی بلکہ اکراہ و اضطرار کی حالت میں اس کو حرام سمجھتے ہوئے احتیاط اور بے دلی کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھا لینے کی رخصت حاصل ہو جاتی ہے۔

(۳) اکراہ و اضطرار کے معنی شدید ضرورت کے نہیں ہیں کہ جو شخص جب چاہے شدید ضرورت کے عذر پر حرام کو حلال بنا لیا کرے بلکہ بے بسی کی اس حالت کے ہیں جس میں گھر جانے کے بعد آدمی کے لئے دو حراموں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کے سوا کوئی راہ فرار باقی ہی نہ رہ جائے۔ اس صورت میں شریعت نے اجازت دی ہے کہ اس حرام سے فائدہ اُٹھائے جو دونوں میں مقابلتہً اہون ہو۔ اگر کوئی تیسری راہ مل سکنے کی گنجائش ہو جو جائز ہو تو پھر یہ اضطرار نہیں ہے۔

(۴) اہون اور غیر اہون کا فرق ابدی اور غیر ابدی قطعی اور غیر قطعی کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ پیش آمدہ صورت میں مصلحتِ شریعت اور حقوق عباد کے لحاظ پر ہے۔ ایک مومن جان بچانے کے لئے کلمۂ کفر کہہ سکتا ہے۔ لیکن کسی مسلمان کو قتل نہیں کر سکتا۔ کیا یہ فرق اس بنیاد پر ہے کہ کلمہ کفر کی حرمت غیر ابدی اور غیر قطعی ہے۔ اور حرمت نفس قطعی اور ابدی ؟ قطعی اور ابدی تو دونوں ہیں لیکن برعایت حقوق عباد ایک کی اجازت ہے دوسرے کی نہیں۔

(۵) اگر مسلمانوں کے سامنے امامت و امارت کے لئے انتخاب کا سوال آئے تو وہ مجبوری میں ایک فاسق مسلمان کا تو انتخاب کر سکتے ہیں لیکن ایک عورت کا انتخاب نہیں کر سکتے اگرچہ وہ زاہدہ و عابدہ ہی کیوں نہ ہو۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر تمہارے اوپر ایک نکٹا حبشی بھی امیر بن جائے تو اس کی اطاعت کرنا۔ مگر یہ نہیں فرمایا کہ اگر ایک عورت بھی تمہاری امیر بن جائے تو اسکی اطاعت کرنا۔

(۶) حکمران اور امیر کے معاملے میں تدبر، سیاست اور صلاحیت کار کو دینی نقطۂ نظر سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ جیسے امام الاتقیاء کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر امیر کے انتخاب کا سوال درپیش ہو۔ ایک طرف ایک دیندار شخص ہو لیکن اسے انتظام ملک کا تجربہ نہ ہو دوسری طرف ایک ایسا مسلمان ہو جو زیادہ دیندار تو نہ ہو لیکن اسے انتظام ملک کا تجربہ ہو تو ترجیح اس کم دیندار اور زیادہ تجربہ کار کو دی جائے گی۔ یہی رائے اس معاملے میں امام ابن تیمیہؒ کی ہے۔ اب ہر شخص خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ ایک طرف ایک دبنگ۔ ایک قد آور، ایک بہادر، ایک صاحب عزم، ایک صاحب تدبیر و سیاست زعیم ہے جس کا سینہ قوم و وطن کی سربلندی کے جذبے سے معمور ہے۔ دوسری طرف مس فاطمہ جناح ہیں جو اب سنا ہے ۷۲ سال کی ہو چکی ہیں اور اتنی عمر میں نہ انہوں نے دین کا کوئی تجربہ کیا نہ دنیا کا لیکن تمام دین دشمن اور ملک دشمن عناصر کو لے کر اٹھ کھڑی ہوئی ہیں کہ یہ ملک میرے بھائی کی یادگار ہے۔ ان کے بھائی کی یادگار تو بے شک ہے لیکن کیا ان کے عظیم بھائی نے ان کو یہ بھی وصیت کر دی تھی کہ میں اس کو ساری دنیا سے لڑ کے بنا کے جا رہا ہوں، تم میرے اور پاکستان کے سارے دشمنوں کو جمع کر کے اس کو بگاڑ کے آنا!!؟

مولانا تھانویؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع کے فتاویٰ

ہم مولٰنا تھانویؒ کے اس فتوے پر تنقید کرنا چاہتے تھے جس کا حوالہ جناب مفتی محمد شفیع صاحب نے دیا ہے لیکن مولٰنا رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ثقہ اور ذی علم معتقدین نے وضاحت کر دی ہے کہ اول تو اس فتوے کی نسبت ہی مولانا کی طرف مشکوک ہے پھر اس کا تعلق انگریزی دور کی ان دیسی ریاستوں سے ہے جن کی حیثیت آزاد حکومتوں کی نہیں بلکہ نوابیوں اور تعلقوں کی تھی۔ ان میں ریاست کی سربراہی قوم کے ووٹوں سے نہیں بلکہ وراثت اور ولی عہدی کے ذریعے سے مورث سے وارث کو منتقل ہوتی تھی۔ جس سے بعض اوقات یہ صورت بھی پیدا ہو جاتی تھی کہ ذکور میں سے کوئی وارث موجود نہ ہونے کے باعث اناث میں سے کوئی صغریٰ یا کبریٰ گدی کی وارث بن جاتی۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مفتی کے جواب کا تعلق سوال کی نوعیت سے ہوتا ہے اس وجہ سے اس فتوے کو یہاں کے حالات پر منطبق کرنا بالکل غلط ہے۔ مولٰنا نے حکومتوں کی جو تقسیم کی ہے وہ بھی ان کی ایک خاص اپنی ذہنی تقسیم ہے، نہ وہ دنیا کے موجودہ مروجہ

اشکال حکومت پر منطبق ہوتی - نہ پاکستان کے دستور نظام پر - علاوہ ازیں مولانا نے فتوے میں بطور استدلال ملکۂ سبا کی حکمرانی کا ذکر کیا ہے لیکن مولینا کے ایک معتقد نے ان کی ایک تفسیر کا ایک حوالہ ہم کو دکھایا جس میں انہوں نے اپنی یہ دلیل خود ہی ختم کر دی ہے اور بعینہٖ وہی موقف اس مسئلے میں اختیار کیا ہے جو اپنے پچھلے شمارے والے مضمون میں ہم نے اختیار کیا ہے ایسی صورت میں اس فتوے پر کوئی بحث بالکل غیر ضروری ہے - ہم مفتی شفیع صاحب سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ خود اس صورتِ حال کی وضاحت کر دیں گے اور اگر ان کی رائے کی بنیاد مجرد اس فتوے پر ہی ہے تو اپنی اس رائے پر بھی نظر ثانی کریں گے -

انتخابات کے نئے پروگرام کے مطابق چونکہ صدر کے انتخاب کا مرحلہ اب بالکل سامنے ہے اس وجہ سے اس موقع پر چند باتیں ہم بنیادی جمہوریتوں کے ارکان سے کہنا چاہتے ہیں جن کے فیصلے ہی پر اب اس ملک کی قسمت کا انحصار ہے -

سب سے پہلے ہمارے ان نمائندوں کو یہ بات پیش نظر رکھنی ہے کہ سیاست میں بے جا عقیدت ایک غیر فطری مداخلت ہے - اگر مس فاطمہ جناح کا آپ احترام کرتے ہیں تو یہ احترام سر آنکھوں پر لیکن صدر کا انتخاب کرتے وقت آپ اس احترام کو بالائے طاق رکھ کر معاملے کو اس پہلو سے دیکھیں کہ آپ ملت کے لئے ماں کا انتخاب نہیں کرنے چلے ہیں بلکہ ریاست کے لئے صدر کا انتخاب کرنے چلے ہیں - اس منصب کی عظیم ذمہ داریوں کے لحاظ سے دونوں شخصیتوں میں سے جس شخصیت کو آپ موزوں تر پائیں اس کو ووٹ دیں - اپنی اس ذمہ داری کی ادائیگی میں اپنے ذاتی جذبات عقیدت کو مزاحم نہ ہونے دیں - ورنہ اس کا خمیازہ آخرت ہی میں نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی بھگتنا پڑے گا اور صرف ۸۰ ہزار ممبروں ہی کو نہیں بلکہ دس کروڑ پاکستانیوں میں جمہوریت کی ذمہ داریوں کا شعور نہیں پیدا ہوا ہے - جو قومیں آج جمہوری نظام کامیابی سے چلا رہی ہیں ان کی یہ مشترک صفت ہے کہ وہ اپنے عہدوں اور مناصب کے لئے اشخاص اُن عہدوں کے تقاضوں کے مطابق منتخب کرتی ہیں - افسوس ہے کہ متحدہ محاذ نے ایک خالص سیاسی و انتظامی معاملے میں آپ کے جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور آپ کو ایک سخت امتحان میں ڈال دیا ہے - یہ درحقیقت حصول اقتدار کے لئے ایک سازش ہے جس کو اگر آپ نے ناکام نہ بنا دیا تو آپ کا ملک سخت خطرے میں پڑ جائے گا - اس اندیشے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ سیاسیات میں سازشی ہتھکنڈوں کے استعمال کا ردعمل بعض اوقات نہایت خطرناک نتائج پر منتہی ہوتا ہے -

دوسری بات یہ یاد رکھیئے کہ اس ملک میں اسلام نہ صدر ایوب کے ہاتھوں آئے گا نہ مس فاطمہ جناح کے۔ صدر ایوب اگر اسلام سے بعید ہیں تو مس فاطمہ جناح بعید تر۔ علیٰ ہذا القیاس مسلم لیگ اور متحدہ محاذ سے بھی اسلام کے لئے کسی خیر کی اُمید نہ رکھیئے۔ عملاً یہ دونوں ہی دین سے دُور ہیں۔ بس یہ فرق ہے کہ متحدہ محاذ میں ایسی پارٹیاں بھی شامل ہیں۔ جو عقیدۃً بھی اسلام کی باغی ہیں۔ جب کہ مسلم لیگ میں کم از کم اسلامی نظام کے کھُلم کھُلا مخالفت کرنے والے موجود نہیں ہیں۔ متحدہ محاذ کے ساتھ اسلامی نظام کی مدعی جو جماعتیں شامل ہیں اوّل تو محاذ کے اندر ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، یہ حقیقت بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات سے اچھی طرح واضح ہو چکی ہے۔ ثانیاً ان میں سے کم از کم ایک جماعت —— جماعت اسلامی کے متعلق تو ہماری ایماندارانہ رائے یہ ہے کہ اس وقت اسلام کے لئے اس ملک میں اس سے زیادہ مضر جماعت کوئی نہیں ہے۔ متحدہ محاذ کی اسلام دشمن جماعتیں اسلام کی مخالفت بے دلیل کریں گی اور جماعت اسلامی کے امیر صاحب اور ان کے اتباع ان کے لئے اپنی نرالی فقاہت سے شرعی دلیلیں ایجاد کریں گے۔ جہاں تک مس فاطمہ جناح کا تعلق ہے نہ وہ مذہب کی مدعی ہیں۔ نہ فکراً و عملاً ان کو مذہب سے کبھی کوئی واسطہ رہا ہے۔ ان کی طبعی مناسبت دین بیزاروں سے جتنی ہو سکتی ہے، دینداروں سے نہ اتنی ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ آپ اگر ان کو اپنے ووٹ سے برسر اقتدار لاتے ہیں تو اس کے معنی صرف یہی نہیں ہیں کہ ان کے ساتھ آپ نے ان کی دین بیزاری کو بھی اپنے اوپر مسلط کر لیا بلکہ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ آپ نے ہر شعبۂ زندگی میں مرد و زن کی کامل مساوات کے خالص مغربی نظریے کو اعتقاداً و عملاً تسلیم کر لیا۔ اس کا قدرتی ردِ عمل جو آپ کے معاشرے پر ہو گا وہ یہ ہو گا کہ ان کے اقتدار کے چند دنوں کے اندر اندر آپ کا معاشرہ اتنا تبدیل ہو جائے گا کہ پھر قیامت تک اس کے اسلام کی طرف مڑنے یا موڑنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہ جائے گا۔ یہ جنگ جو آج اسلامیت و مغربیت میں ہو رہی ہے وہ مغربیت کی فتح پر ختم ہو جائے گی اور ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔ صدر ایوب کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ وہ اسلام سے ناواقف ضرور ہیں لیکن اسلام سے بیزار نہیں ہیں۔ ان کا مزاج سپاہیانہ اور ان کے اندر حمیت ملی و قومی ہے انہوں نے غلطیاں ضرور کی ہیں لیکن ان کی اصلاح کی راہ مسدود نہیں ہوئی ہے ان سے لڑنے کے لئے میدان کھلا ہوا ہے اور انہوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان میں اصلاح پذیری کی صلاحیت موجود ہے۔ وہ کوئی سوکھی ہوئی لکڑی نہیں ہیں جو ٹوٹ تو سکے لیکن لچک نہ سکے۔ وہ چند سال میں

بہت بدلے ہیں اور آئندہ بہت بدل سکتے ہیں۔ اس انتخاب میں وہ کامیاب ہوگئے تو ہمیں امید ہے کہ وہ عوامی آدمی بن جائیں گے اور مذہبی پہلو سے بھی ان میں مفید تبدیلیاں آئیں گی۔

تیسری بات یہ یاد رکھئے کہ آپ کو صرف جمہوریت ہی کی نہیں بلکہ مستحکم حکومت کی بھی ضرورت ہے۔ آپ کے ملک کے عوام برطانیہ کے عوام کی طرح تعلیم یافتہ نہیں ہیں اور نہ آپ کی سیاسی پارٹیاں وہاں کی پارٹیوں کی طرح اپنے حقوق و فرائض کے معاملے میں تربیت یافتہ ہیں۔ اس امر کو نظر انداز نہ کیجئے کہ یہاں عوام کو آسانی سے گمراہ کیا جاسکتا ہے اور سیاسی پارٹیاں بسا اوقات مفاد ملک کے خلاف سرگرمیوں میں منہمک ہو جاتی ہیں۔ پھر ہمارے ملک کے دو بازو ہیں اور دونوں میں ہزار میل کا فاصلہ بھی ہے۔ اور بدقسمتی سے مفسد پارٹیوں نے دونوں کے اندر شدید قسم کی غلط فہمیوں کی تخم ریزی بھی کر رکھی ہے علاوہ ازیں بھارت کے ساتھ ہمارے تعلقات ایسے اُلجھے ہوئے ہیں کہ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کب کیا صورت پیش آجائے۔ ایسے حالات میں آپ کے لئے جمہوریت کی وہ شکل جس کی علمبردار مس فاطمہ جناح ہیں، نہایت خطرناک ہے۔ مس فاطمہ جناح کے پیچھے جو پارٹیاں جمع ہیں ان کے درمیان کوئی رابطہ ایوب دشمنی کے سوا نہیں ہے۔ صدر ایوب اگر خدانخواستہ ہٹ گئے تو ان کا یہ رابطہ بھی ٹوٹ جائیگا اور پھر یہ ایک دن کے لئے بھی کوئی مضبوط حکومت نہ بنا سکیں گی۔ چودھری محمد علی صاحب نے یہ مینڈکوں کی پنسیری باندھی ہے جس کو باندھے رکھنے پر مس فاطمہ جناح قادر نہ ہو سکیں گی اور خود چودھری صاحب کا تجربہ ہو چکا ہے کہ وہ اندرون خانہ سیاست کے تو ماہر ہیں لیکن میدان میں نکل کر حالات کا مقابلہ کرنے کے معاملے میں سخت بودے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ ابتری اور انتشار کی شکل میں ظاہر ہوگا اور پھر دو ہی امکانات سامنے ہیں۔ یا تو کوئی انقلاب ظہور میں آئے، یا خدانخواستہ ہم آزادی ہی سے محروم ہو بیٹھیں۔ ان دونوں میں سے کوئی امکان بھی گوارا کئے جانے کے لائق نہیں۔

—— انگریزوں کا نظام بالکل غیر فطری اور غیر عقلی ہے۔ یہ تو اُن کے مخصوص قسم کے ٹھنڈے سیاسی مزاج کی برکت ہے کہ وہ اُن کے ہاں چل رہا ہے اس کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے مضبوط عوامی قیادت اور ہمہ گیر عوامی سیاسی شعور ناگزیر ہیں ہمارے ہاں یہ چیزیں مفقود ہیں اس وجہ سے ہمارے لئے ان کی ریس خطرناک ہوگی ہم اپنے ملک کے سیاسی استحکام کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ہم (جیسا کہ اوپر) لکھ چکے ہیں کہ اس کے لئے ہر چیز قربان کی جاسکتی ہے ہمیں کمزور قوم کی حیثیت سے جینے کا ایک لمحے کے لئے بھی تصور نہیں کرنا چاہئے۔

یہ حقیقت بھی یاد رکھئے کہ حکومت کا مزاج فاعلانہ ہونا چاہئے نہ کہ منفعلانہ۔ اس کی اصلی سرشت مردانہ ہے نہ کہ زنانہ۔ عورت کا مزاج منفعلانہ ہوتا ہے اور اس کے اصل فطری فرائض کے لحاظ سے اس کا یہی مزاج اس کے لئے موزوں ہے۔ اپنے اس مزاج کے لحاظ سے عورت حکومت کے لئے فطرتاً ناموزوں ہے۔ اگر حکومت عورت کے سپرد کر دی جائے تو حکومت کا مزاج بھی اس کے اثر سے بگڑ کر زنانہ ہو جاتا ہے جس سے اس کی صلاحیت کار بالکل برباد ہو کر رہ جاتی ہے علم السیاست کے مشہور ماہر بلنچلی نے تاریخی اور فلسفیانہ دونوں ہی پہلوؤں سے ثابت کیا ہے کہ حکومت کے معاملات میں عورت کی مداخلت حکومت کے مزاج کو بگاڑ کے رکھ دیتی ہے۔ یہی رمز ہے کہ امریکہ کے لوگوں نے جمہوریت اور مساواتِ مرد و زن کے نظریہ پر ایمان رکھنے کے باوجود آج تک اپنے ہاں کسی عورت کو صدر نہیں بنایا۔ انگریز وراثت اور ولی عہدی کے نظام کی مجبوریوں کی وجہ سے کبھی کبھی کسی عورت کو بادشاہ بنانے پر مجبور ہو جاتے ہیں لیکن اُن کے ہاں بادشاہ محض ایک مقدس نشان ہے حکومت ان کے ہاں چرچل، اٹیلی، ایڈن۔ میک ملن اور ولسن جیسے لوگوں ہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے اسلام دین فطرت ہے اس وجہ سے اس نے قوامیت اور سربراہی کا منصب مرد کے سپرد کیا ہے۔ عورت کو نہ گھر کا قوام بنایا ہے نہ باہر کا۔ ہمارے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جو اپنی باگ ایک عورت کے ہاتھ میں پکڑائے گی۔ آپ کس طرح یہ توقع کر سکتے ہیں کہ اپنی حکومت کا مزاج و کردار زنانہ بنا کر اور اپنے پیغمبرؐ کی ہدایت کی مخالفت کر کے فلاح پا سکیں گے؟ ہمیں اپنی حکومت کے مردانہ مزاج و کردار کو نہ صرف باقی رکھنا ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کو ترقی دینا ہے اس وجہ سے اس انتخاب کے موقع پر ان لوگوں کی کوششوں کو ناکام بنا دیجئے جو ہماری حکومت کے مزاج کو نسوانی اور نامردانہ بنانا چاہتے ہیں۔

اس نازک موقع پر اس بات کو بھی یاد رکھئے کہ دین اور عقل دونوں سے بعید تر جماعت اس ملک میں اگر کوئی ہے تو جماعت اسلامی ہے۔ اس کی الٹی منطق اور اس کے دینی فہم دونوں کا جائزہ ہم (اس سے قبل) لے چکے ہیں اور آئندہ ہم اس کے سارے فکر و فلسفہ کا جائزہ لینے والے ہیں۔ یہ جماعت اب صحیح فکر اور صحیح عمل کی توفیق سے محروم ہو چکی ہے۔ اس کی ہر بات اُلٹی ہوتی ہے اور جو قدم بھی یہ اُٹھاتی ہے اُس سے اپنی بے راہ روی اور ضلالت کا ثبوت مہیا کرتی ہے۔ اس جماعت نے مس فاطمہ جناح کی حمایت میں جو دلیل پیدا کی ہے اس کی بنیاد ملک کے موجودہ حالات کی نزاکت پر رکھی ہے، یعنی حالات بہت پیچیدہ اور نازک ہیں اس وجہ سے اسے مس فاطمہ جناح

کی حمایت پر مجبور ہونا پڑا۔ غور کیجئے کہ نازک اور پیچیدہ حالات دنیا میں مردوں کے حل کرنے کے ہوتے ہیں یا عورتوں کے؟ جس قوم کے مرد ملکی مسائل کی گتھیاں سلجھانے سے قاصر ہو جائیں گے، کیا اس کے مسائل ایک عورت حل کرے گی؟ پھر اس سے زیادہ قابل ماتم بات یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ لوگ مجبوری کا عذر پیش کرتے ہیں کہ جس طرح اضطرار میں کوئی جان بچا لینے کے لئے خنزیر کھا لیتا ہے اسی طرح انہوں نے مس فاطمہ جناح کی صدارت گوارا کر لی ہے، دوسری طرف یہ حال ہے کہ ملتان میں اس جماعت کے قیم نے مس فاطمہ جناح کو "نور خدا" سے تشبیہ دی۔ تبائیے، ہے ان دونوں باتوں میں کوئی مناسبت؟ جن لوگوں کو مس فاطمہ جناح کے اندر بھی نورِ خدا نظر آئے انہیں کہاں نورِ خدا نظر نہیں آسکتا؟ یہ مس فاطمہ جناح کی خوبی نہیں ہے کہ آج ان کے اندر نورِ خدا پیدا ہو گیا ہے۔ بلکہ صرف ان حضرات کی آنکھوں کی خیرگی کا کرشمہ ہے کہ انہیں ان کے اندر بھی نورِ خدا نظر آنے لگا ہے۔ جب کسی کی غیرت ایمانی مردہ اور بصیرت روحانی سلب ہو جاتی ہے تو اس کو اسی طرح کے عجائب نظر آتے ہیں۔ آخر دنیا نے گائیوں اور بچھڑوں کی پوجا اور پتھروں اور مورتوں کی پرستش یوں ہی تو نہیں کی ہے!!

یہ امر بھی یاد رکھئے کہ جو لوگ اپوزیشن میں ہوتے ہیں ان کے لئے جھوٹے سچے وعدے کرنے اور امیدوں کے سبز باغ دکھانے کے بڑے مواقع ہوتے ہیں۔ وہ انتظام کی ذمہ داریوں اور حکومت کی زیر باریوں سے بالکل فارغ ہوتے ہیں۔ اس لئے بڑی آسانی سے لوگوں کو بیوقوف بنا سکتے ہیں۔ یہ راتوں رات دودھ اور شہد کی نہریں جاری کر سکتے ہیں، جمہوریت کی بہار لا سکتے ہیں، کتاب و سنت کے انوار سے ملک کے کونے کونے کو جگمگا سکتے ہیں اور معلوم نہیں کیا کیا کچھ کر دے سکتے ہیں، لیکن یہ سب کچھ ادھار ہوتا ہے اور اس کے لئے انہیں الفاظ کے سوا اور کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا۔ جو برسر اقتدار ہو اس کو یہ آسانیاں حاصل نہیں ہوتیں، اس کو سارا معاملہ نقد نقد کرنا پڑتا ہے اور نقد اور نسیہ میں جو فرق ہے وہ معلوم ہے۔ اپوزیشن کے بزرگوں میں سے جن لوگوں کے اقتدار کا تجربہ آپ صوبوں یا مرکز میں کر چکے ہیں ان کے دورِ اقتدار کو حافظے پر ذرا زور ڈال کر یاد کیجئے کہ جب ان کے ہاتھ میں حکومت کی باگ تھی تب انہوں نے کیا بنایا ہے اور پھر اسی سے اندازہ کیجئے کہ آئندہ اگر انہیں آپ نے اقتدار کی امانت سونپی تو وہ کیا بنائیں گے۔

یہاں اپوزیشن کے تمام آزمودہ افراد کا تذکرہ تو بہت طولانی ہو جائے گا جس کے لئے گنجائش نہیں ہے اس لئے ہم صرف چودھری محمد علی صاحب کے حوالے پر کفایت کرتے ہیں چودھری صاحب

اپوزیشن کے گل سرسبد ہیں اور ہم بھی ان کی قابلیت کے مداحوں میں ہیں۔ یہ حکومت پاکستان کے جنرل سیکرٹری بھی رہ چکے ہیں، وزیر مالیات بھی رہ چکے ہیں اور وزیر اعظم بھی۔ دل میں ان کے لئے چونکہ ایک احترام ہے اس وجہ سے ان کے دور کی بعض باتیں حافظہ میں محفوظ ہیں۔ چودھری صاحب مالیات کے ماہر ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ چودھری صاحب کے دور کے لحاظ سے آج پاکستان کی مالی پوزیشن بہت مستحکم ہے۔ چودھری صاحب شہری آزادیوں اور جمہوریت کے بڑے دلدادہ ہیں۔ لیکن چودھری صاحب کے دور میں جو سیفٹی قوانین نافذ رہ چکے ہیں۔ میں ذاتی تجربے کی بناء پر پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ آج کے قوانین ان سے ہزار درجے لبرل ہیں۔ چودھری صاحب نے ایک اسلامی دستور بھی بنوایا تھا جس میں "لاکمیشن" نامی ایک چیز بھی تھی، میں اس کے متعلق بھی ذاتی تجربے کی بناء پر یہ رائے رکھتا ہوں کہ موجودہ مشاورتی کونسل کی پوزیشن آئینی لحاظ سے اس کمیشن سے کہیں زیادہ باوقار اور مضبوط ہے، یہ الگ بات ہے کہ یہ کونسل کوئی کام کرے یا نہ کرے مجھے یاد ہے کہ چودھری صاحب نے اپنے دور میں کشمیر کے مسئلے کو زندہ کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن ان کی مسیحائی ذرا کارگر نہ ہوئی لیکن صدر ایوب نے نہ صرف کشمیر کے مسئلے کو ایک زندہ مسئلہ بنادیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بھارت کے لئے ایک اور مستقل دردسر بھی پیدا کر دیا ——— ان باتوں کے ذکر سے مقصود چودھری صاحب کی صلاحیتوں کی تحقیر نہیں ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ آج اپوزیشن میں ہونے کی وجہ سے وہ جس بیدردی سے تنقید اور جس فیاضی سے وعدے کر رہے ہیں اس کے متعلق ان کے ماضی کو دیکھ کر فیصلہ کیجئے۔ ان کے بارے میں شروع سے ہماری ایک رائے ہے جو آج ہم بلا کسی ارادہ تحقیر کے ظاہر کر دیتے ہیں۔ کہ وہ قوامیت کی صفات سے بالکل عاری ہیں۔

۱۱ محترمہ فاطمہ جناح کا تجربہ

محترمہ مس فاطمہ جناح کا اب تک اس کے سوا کوئی تجربہ نہیں ہوا ہے کہ وہ سال میں چند مخصوص مواقع پر ایک خاص ڈھنگ کے بیانات دیتی رہی ہیں۔ انہیں سیاسی زندگی کا کوئی تجربہ نہیں ہے، ان میں کسی مذہبی خدمت کا تو درکنار کسی سماجی خدمت کا بھی کوئی ذوق وشوق کبھی محسوس نہیں ہوا۔ جمہوریت کا لفظ وہ بار بار دہراتی ہیں۔ لیکن اس کے لئے جس مزاج اور جس جذبۂ خدمت کی ضرورت ہے وہ ان کے اندر مفقود ہے۔ ملک کی صدارت جیسے منصب کے لئے اگر آپ نے محض ان کی انتخابی تقریروں پر اعتماد کر کے ان کو انتخاب کر لیا تو ہمیں اندیشہ ہے کہ اس کے نتائج نہایت خطرناک ہوں گے۔ صدارت کے منصب کی ذمہ داریوں کے لئے قوت، قابلیت

اور ساتھ ہی صبر اور بُردباری کی ضرورت ہے، وہ ان اوصاف سے بالکل خالی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ متوقع اس بات کی ہوں گی کہ ان کے احکام کی تعمیل کُن فیکون کی طرح کی جائے اور لوگ اُن کا احترام قائدِ اعظم کی طرح کریں۔ ظاہر ہے کہ ان کی یہ توقع پوری نہیں ہو گی، پھر کیا ہو گا، اس کے نتائج کا اندازہ آپ خود کر لیجئے۔

جنرل اعظم فطرتاً ایک ڈکٹیٹر ہیں۔ ختم نبوت کی تحریک کے سلسلے میں جو مارشل لاء جاری ہوا تھا اس میں ان کا اصلی مزاج بے نقاب ہو چکا ہے۔ وہ جب جمہوریت کا نام لیتے ہیں تو واقعی ہمیں حیرانی ہوتی ہے۔ یہ ان کے اپنے فکری انقلاب کا کرشمہ ہے یا صدر ایوب کی مخالفت کا جوش ان کو اس نیک راہ پر لایا ہے، اس کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے ہم صرف یہ عرض کر سکتے ہیں کہ ان کے اوپر اعتماد کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔ ہو سکتا ہے کہ جمہوریت کا یہ عشق ان کے اندر ایوب دشمنی کی راہ سے پیدا ہوا ہو۔ اگر خدانخواستہ بات یہی نکلی تو ان کے اوپر آپ کا اعتماد نہایت مہلک نتائج کے دروازے کھول سکتا ہے۔ اگر فی الواقع ان کے اندر کوئی نظریاتی تبدیلی ہوئی ہے تو اس کو انہیں کچھ عرصہ سماجی خدمات میں مصروف رہ کر پختہ کرنا چاہئے۔ بغیر اس ریاضت کے اگر وہ "مادرِ ملت" کی آڑ میں اقتدار حاصل کرنے کے لئے زور لگائیں گے تو ہمیں اندیشہ ہے کہ ان کے ہاتھوں جمہوریت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔ یہ چیز خود ان کے بھی سوچنے کی ہے اور وہ نہ سوچیں تو بی۔ ڈی کے ممبروں کے سوچنے کی ہے۔

قبائے امامت سیاسی لیڈری کے گون پر نثار

(مولانا عبدالماجد دریا آبادی)

"مولانا مودودی مرحوم ہو گئے" "مولانا مودودی ماشاءاللہ زندہ و سلامت ہیں" - دونوں باتیں ایک ہی وقت میں کیسے صحیح ہو سکتی ہیں؟ اور ان میں سے پہلا دعوٰی تو صریحاً صحیح ہے ——— جی نہیں دونوں باتیں ایک ہی وقت میں صحیح ہیں۔ جو مولانا مودودی رحلت فرما گئے۔ اور یہ واقعہ معمولی درجہ کا نہیں، بڑے ہی دکھ اور رنج کا ہے۔ وہ دین کے ممتاز عالم تھے۔ مفسر قرآن تھے۔ متکلم تھے اقامت دین و حکومت الٰہیہ کے علمبردار تھے۔ ایک مستقل و سراپا دینی شخصیت رکھتے تھے ایک ایسی ہستی کا اٹھ جانا ساری ملت اسلامی کے لئے ایک حادثہ کا حکم رکھتا ہے۔ حدود پاکستان کے باہر بھی اسی قدر جس طرح پاکستان کے اندر — اب جو مولانا مودودی ماشاءاللہ موجود و سرگرم عمل ہیں۔ وہ ایک سیاسی لیڈر ہیں۔ جس طرح اور پارٹیوں کے لیڈر موجود ہیں، اور ہر ملک میں نرم و گرم اور رطب و یابس قسم کے لیڈر ہوا ہی کرتے ہیں۔

کوئی یقین کرے یا نہ کرے۔ میرے دل میں مولانا کی خصوصی عزت و وقعت تھی، ان کی دینی شخصیت کی بنا پر مسائل میں اختلاف بار بار ان سے ہوا۔ اور کسی نہ کسی مسئلہ میں اپنا اختلاف بزرگان دیوبند و اکابر ندوہ میں سے بھی کس سے نہیں ہوا؟ لیکن اختلافی مسائل کے باوجود بھی مولانا کا دینی احترام ہمیشہ قائم رہا۔ اور دینیات میں مابہ الاشتراک ہمیشہ مابہ الاختلاف پر غالب ہی رہا۔ متعدد دینی عنوانوں پہ ان کی قلمی خدمات کی قدر دل میں محسوس کی۔ اور ان کے حق میں دعائے خیر بار ہا زبان پر آئی۔ جن حضرات نے ان کو دین سے خارج کرنا چاہا۔ ان سے بحثیں کر کر کے ان کی تردید کی۔ اور مولانا کے وجود کو ملت کے لئے بہ حیثیت مجموعی مایۂ ناز ہی سمجھتا رہا ——— اسی اعتماد و اعتقاد کی مناسبت سے اس دھکے اور صدمے کا بھی اندازہ کیجئے۔ جو اس یقین کے قائل ہونے سے دل و دماغ دونوں کو پہنچا۔ یہ معلوم ہوا کہ ہاتھ سے کتنی قیمتی نعمت چھن گئی۔ پیروں کے نیچے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ دل شکستگی اور حسرت کی نوعیت کچھ اس قسم کی رہی۔ جیسے اس دن محسوس ہوئی تھی جب ترکی سے خبر آئی تھی کہ اتاترک نے منصب خلافت توڑ دیا یا جیسی اقبال کی وفات یا محمد علی کی رحلت کی خبر آئی تھی۔

عورت کی امارت کے مسئلہ تک چنداں مضائقہ نہ تھا۔ اس اجتہادی رائے کو غلط سمجھتا رہا۔ جیسے مولانا کے اور بہت سے مجتہدات کو غلط سمجھتا رہا ہوں۔ اس سے ضرب ان کی دینی شخصیت پہ پوری طرح نہیں پڑ

رہی تھی۔ لیکن جب ان کے اس قسم کے فقرے متعدد نقل ہونے لگے۔ تو عقل حیران رہ گئی۔ کہ ان کی کیا تاویل کی جائے۔ کہ

"اصل مسئلہ اس وقت جمہوریت کی بحالی کا ہے"

انا للہ۔ ان کی زبان وقلم سے اس طرح کے غرق سیاست فقروں کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ توقع اس کے بالکل برعکس ان کی طرف سے اس قسم کے بیانات اور زور دار بیانات کی قائم کئے ہوئے تھا! کہ

"ہم خادمان اقامت دین کو ان سیاسی قضیوں سے کیا واسطہ ہمارے نزدیک برطانوی نظام جمہوریت اور امریکی نظام صدارت۔ سب یکساں حکومت الہیہ کے معیار سے دور اور بے وزن ہیں۔ چاہے ایک بھی ووٹ نہ ملے۔ لیکن بہر حال ہم ان سیاسی نزاعات میں پڑنے اور الجھنے کے لئے تو گھر سے ایک قدم باہر رکھنا بھی معصیت سمجھتے ہیں۔ ہم اگر ووٹ دینے جائیں گے بھی تو صرف اسی صورت میں کہ جب مسئلہ اقتدار الہی بمقابلہ اقتدار انسانی کا چھڑا ہو"

اور جہاں تک مادر ملت کے انتخاب کا تعلق ہے۔ مجھے یقین تھا۔ کہ مولانا کی تحریریں کچھ ان خطوط پر ہوں گی! کہ

"ہم تو رابعہ بصریہ کی بھی جن کی صالحیت ضرب المثل ہے امارت وصدارت کے بھی روادار نہ ہوں گے۔ چہ جائیکہ کسی ایسی خاتون کے حق میں جو شریعت کی بالکل کھلی ہوئی دفعات کی بھی پابندی سے علانیہ آزاد ہوں۔ اور جن کی زندگی کا سارا نقشہ ہی اسلام سے کہیں بڑھ کر مغرب کے معیار کا ہو"

اور صدر ایوب خاں اور ان کی حکومت کی زیادتیاں آپ کے معتقدین اگر آپ کو یاد بھی دلاتے اور کہتے کہ یہی موقع ان سے انتقام لینے اور انہیں جواب ترکی بہ ترکی دینے کا ہے۔ تو آپ کی طرف سے جواب کچھ اس انداز کے ملتے۔ کہ

"ہمارا ایمان تو لایجرمنکم شنان قوم الا تعدلوا پر ہے۔ اندھا دھند انتقام لینے کی اجازت تو ہم کو منکروں اور کافروں کے مقابلے میں بھی نہیں۔ چہ جائیکہ کلمہ گویوں کے مقابلے میں۔ ان لوگوں کے ظلم اور زیادتیاں ہمارے حق میں جو کچھ بھی ہوں۔ ہمیں اشتعال قبول کر کے عدل واعتدال کی راہ سے کسی حال میں بھی نہیں ہٹنا ہے۔ دنیا میں امتحان کے ہی تو مواقع آتے ہیں۔ اور ایسے صریح مبالغہ آمیز دعووں اور نعروں سے تو ہم خدا کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ کہ اس شخص میں کوئی خوبی ہی سرے سے نہیں۔ سوا اس کے کہ یہ عورت ذات نہیں۔ بلکہ مرد ہے۔ ہم گواہی صرف اس کی دیں گے۔ جو امر حق ہے۔ خواہ وہ ہمارے بڑے سے بڑے مخالف ہی کی تائید کر رہی ہو"

شہرت تواب تک مولانا کے توازن اور احتیاط الفاظ کی تھی اور یہ بات تو گمان میں بھی نہ تھی، کہ "بعض معاویہ" میں وہ مبالغہ آرائی کے ان حدود تک چلے جائیں گے۔ جہاں تک کوئی بدتر سے بدتر سیاسی لیڈر بھی جا سکتا ہے۔

فتنۂ قسائیت پاکستان کے دینی فتنوں میں اس وقت شاید سب سے زیادہ زبردست و پرقوت فتنہ ہے۔ اس کا مقابل و مزاحم مولانا سے بڑھ کر اب تک کون تھا! ان کو یقیناً اندازہ نہیں کہ ان کی حملت کی تازہ روش نے اس فتنۂ عظیم کی امداد کس زور شور سے کر دی۔ اور اس بند کو کس بے جگری سے توڑ دیا۔ جس کے باندھنے میں اب تک مولانا ہی پیش پیش تھے!

مسئلہ جمہوریت یوں بھی دینی نقطۂ نظر سے بس ایک حقیر سے جزئیہ ہی کی حیثیت رکھتا ہے۔ چہ جائیکہ جب سوال نفس جمہوریت کا بھی نہیں۔ بلکہ اس کی دو متبادل شکلوں (برطانوی اور امریکی) کا ہو! حکومت الٰہیہ کے علمبردار کے پاس تو صرف ایک ہی جواب ہوتا تھا ؎

مزہ ہو یا نگہ ہو، ہم تو دونوں کو بلا سمجھے!
اسے تیر قضا اس کو پر تیر قضا سمجھے!

حیف و صد ہزار حیف کہ اس کی قیمت آج اتنی ادنیٰ سمجھ لی گئی کہ قبائے امارت کو بے تکلف سیاسی لیڈری کے گون پر نثار کر دیا گیا!

شیطان اور اس کے سارے حزب کو اتنی مسرت و شادمانی اپنی کامیابی و فتحمندی پر حال و ماضی قریب میں کیوں نصیب ہوئی ہوگی!۔

جانتا ہوں کہ اب اس آہ و بکا، نالہ و فریاد سے حاصل کچھ بھی نہیں۔ جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ جف القلم بما ھو کائن اور وکان امر اللہ قدرًا مقدورًا۔ تقدیرات تکوینی کون آج تک بدل سکا ہے لیکن صدمہ سے تاثر بھی ایک امر طبعی ہے۔ اور پھر جو صدمہ بلی اس طول و عرض اور اس حجم و ضخامت کا ہو۔ اس پر صبر آجانا تو آسان ہے۔ بھی نہیں۔ اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون

صدارت کا فیصلہ جو کچھ بھی ہو۔ وہ بہر حال ایک سیاسی ہی قضیہ ہوگا۔ دینی صدمہ جو پاکستان و بیرون پاکستان کو پہنچ سکتا تھا۔ وہ پہنچ گیا۔ اور اس کو اگر تعبیر "سانحۂ پاکستان" یا "المیہ پاکستان" سے نہ کیجئے تو اور کس سے ، کیجئے!۔

اس مقالہ کے ساتھ مولانا عبد الماجد دریا آبادی کے انداز خاص کے بعض رشحات قلم جو سچی باتیں کے عنوان سے شائع ہوئے، یکجا ملاحظہ فرمائیے۔

عورت کی امارت وصدارت کی بحث جو زور و شور سے پاکستان میں چلی ہوئی ہے۔ اس کے سلسلے میں مولانا امین احسن اصلاحی کے قلم سے ان کے ماہنامہ میثاق (لاہور) کے نومبر نمبر میں ہے۔

"......ایک اضطرار جماعت کے امیر صاحب نے اپنی موچی دروازے کی تقریر میں پیش کیا ہے۔ جو یہ ہے۔ کہ ایک طرف ایک مرد ہے۔ جس میں عورت نہ ہونے کے سوا کوئی خوبی نہیں۔ دوسری طرف ایک عورت ہے۔ جس میں عورت ہونے کے سوا کوئی عیب نہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے۔ کہ اس وجہ سے انہیں اور ان کی جماعت کو مس فاطمہ جناح کو صدر ایوب پر ترجیح دینے پر مجبور ہونا پڑا۔

اگرچہ موچی دروازے میں کہی ہوئی باتیں سنجیدہ تنقید کی سزاوار نہیں ہوا کرتیں اور یہ بات تو خاص طور پر کہنے والے کے ذہنی عدم توازن کی غمازی کر رہی ہے۔ لیکن ہم فی الواقع نہایت سنجیدگی سے ان حضرات سے پوچھتے ہیں کہ اگر صدر ایوب میں مرد ہونے کے سوا کوئی اور خوبی نہیں ہے۔ تو کیا آپ لوگوں کے اندر اتنا کوئی مرد بھی نہ تھا جو ایک ایسے مرد کا مقابلہ کر سکے جس میں مرد ہونے کے سوا کوئی خوبی نہیں"۔

لیکن کیا واقعی مولانا مودودی اور ان کی جماعت کا دیانتہ" یہی خیال ہے۔ اگر صدر ایوب سراپا عیوب ہیں۔ جن میں کوئی خوبی نہیں (اور اس نفی کامل میں ظاہر ہے کہ نفی ایمان بھی آجاتی ہے۔) اور مادر ملت کی ذات بے عیب یا عملاً معصوم ہے۔ اکیا مولانا اور ان کے مقلدین کسی مسجد میں آکر اپنا یہ عقیدہ حلف شرعی کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں! لندن کے ہائیڈ پارک کی طرح لاہور کے موچی دروازے کی بھی خطابت مدت دراز سے اپنی ایک مخصوص شہرت رکھتی چلی آرہی ہے۔ اس کے انتہائی کمال کا تجربہ اب جا کر ہوا جب مولانا کی سی ذمہ دار ہستی کا سارا احساس ذمہ داری وہاں کی خطابت میں گم ہو گیا۔

اور یہ اضطرار کی آخر کون سی قسم ہے۔ جو مولانا نے یہاں پیش فرمائی ہے فقہی منطقی کوئی سی بھی دلیل اسکے محل اضطرار ہونے پر قائم ہے؟ مولانا سے اب تک جو حسن ظن تھا اس کی بنا پر گمان تو یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ تقریر مولانا کے کسی شدید دشمن نے ان کی طرف سے گھڑ کر شائع کر دی ہے۔ مسئلہ پر تحقیق و جامعیت کے ساتھ ماہنامہ برہان (دہلی) نے اپنے تازہ نمبر میں گفتگو کی ہے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر جہاں تک امیر جماعت اسلامی کی تقریر کا تعلق ہے۔ محققانہ نظر ماہنامہ میثاق (لاہور) نے کی ہے۔ یہ دونوں تحریریں پڑھنے ہی کے قابل ہیں۔

"قحط الرجال" کا استعمال مجازاً خدا معلوم کتنی بار اردو میں نظر سے گزر چکا ہے۔ لیکن مولانا کے بیانات پر اگر اعتماد کیا جائے۔ تو اس کے کھلے ہوئے معنی یہی نکلتے ہیں کہ اب پاکستان میں واقعتہ" اور صحیح معنی میں قحط الرجال پڑ گیا ہے۔

تجدد کی فتح مبین

نئی دہلی ۲۴ نومبر: یہاں خاتون وکیلوں کی بین الاقوامی فیڈریشن کے کنونشن میں دو پاکستانی وکیل خاتونوں نے اپنا اپنا مقالہ پڑھا۔ پاکستان کی بیگم ..... نے اپنے مقالہ میں عائلی قانون کا مفصل جائزہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان اصلاحات کے باوجود پاکستان میں عورتوں کو مردوں کے برابر کا درجہ نہیں ملا ہے۔ اور وہ عائلی زندگی میں کمتر حقوق کی مالک ہیں۔ نئے قانون نے ایک سے زائد بیویوں کی موجودگی یا طلاق کو بھی دشوار تو کر دیا ہے۔ تاکہ یہ رواج ختم ہو جائے۔ لیکن اب بھی ایک مرد کوئی وجہ بتائے بغیر اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے" (پی - ٹی - آئی)

اور مدح و ذم، عیب و ہنر سے قطع نظر نفس واقعہ کے لحاظ سے ان پاکستانی وکیل صاحبہ نے اپنی ہی "وکیلانہ" کے آفاقی اور بھرے مجمع میں جو کچھ ارشاد فرمایا۔ بالکل درست ہی کہا۔ اسلام میں تو واقعۃً عورت کا مرتبہ مرد سے پست ہے۔ اور اس کے حقوق مرد سے کمتر ہیں۔ جیسے نابالغ کے حق بالغ سے کمتر ہیں۔ اور جدید عائلی قانون کی دفعات باوجود اپنی ساری تجدد آمیزیوں کے اس نابرابری کو برابری میں اور امتیاز کو یکسانی میں تبدیل نہیں کر سکی ہیں۔ اور نہ جب تک قرآن دنیا میں محفوظ ہے۔ انشاءاللہ کبھی بھی اس پر قادر ہو سکیں گی۔ یہ حقیقت تو فخر کے ساتھ قبول کرنے کی ہے۔ نہ کہ چڑھنے یا شرمانے کی!

البتہ تحریک نسائیت کی اس خوش بختی کا دنیا میں کسی کے پاس جواب نہیں کہ پاکستان کے تخت صدارت پر اب کروڑوں مردوں کو چھوڑ کر ایک خاتون (بے پردہ اور آزاد خیال) کے جلوس افروز ہونے کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ اور تحریک کا علم ایسے بزرگ کے ہاتھ میں ہے۔ جن کے متعلق ایسی بدگمانی خواب میں بھی مشکل سے ہی ہو سکتی تھی! اس کے بعد اب کون سی ان ہونی ہے۔ جو ہو کر نہ رہے گی۔

عورت مسلمانوں کی سربراہ نہیں ہو سکتی

ہ ——— مولانا عتیق الرحمن سنبھلی مدیر "الفرقان" لکھنؤ

محب مکرم مولانا عتیق الرحمن سنبھلی زید مجدہٗ کو اللہ رب العزت نے حساس دل و دماغ سے نوازا ہے اور اخلاص کی نعمت سے بھی بھرپور حصہ عطا فرمایا ہے۔ انہوں نے ۱۹۶۳ء میں جس دردمندی اور سوز کے ساتھ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے "فلسفۂ حکمت عملی" پر بحث کی تھی، علمی اور دینی حلقوں نے اس کی صحیح قدر افزائی کی، بجز اس کے کہ ان کے جذبہ نصح و خیر خواہی کو جماعت اسلامی کے حلقوں میں قبولیت حاصل نہ ہو سکی اور یہ کچھ غیر متوقع بات بھی نہ تھی ——— اب جو پاکستان میں عورت کی صدارت کے مسئلے نے یہ پریشان کن صورت اختیار کر لی کہ بعض عناصر نے امت کے چودہ سو سالہ اتفاق و اجماع کو اپنی انفرادی رائے سے پوتاش کرنے کی کوشش کی اور ملت اسلامیہ پاکستان کو "انتشار" میں مبتلا کر دیا تو اس پریشانی کا ردعمل بیرونِ پاکستان بھی ہوا، چنانچہ اب تک مولانا عبدالماجد دریا آبادی مدیر صدق جدید، مولانا سعید احمد مدیر برہان دہلی، مولانا مفتی عزیز الرحمان، نائب مدیر مدینہ بجنور، مولانا قاسمی مدیر میقات دیوبند، مدیر محترم شعور حیدر آباد دکن اور کئی دوسرے اصحاب اس مسئلے پر اظہار رائے فرما چکے ہیں، ان سب حضرات نے امت کے چودہ سو سالہ اجماع کی پُرزور تائید کی ہے اور بڑی بیش قیمت باتیں کہی ہیں ——— لیکن مولانا عتیق الرحمان صاحب کے زیر نظر مقالہ کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے یہاں کے حزب اقتدار کی غلطی کو بھی واضح کیا جو ترتیب دستور کے وقت ان سے سرزد ہوئی، عورت کو سفیر، وزیر بنانے پر بھی گرفت کی، جو قطعی طور پر بجا اور درست ہے مزید برآں مولانا سنبھلی نے، جماعت اسلامی کے غیر شرعی فیصلہ کو ایک صاحب بصیرت عالم کی حیثیت سے، جماعت کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے "فلسفہ حکمت عملی" کا فطری نتیجہ قرار دیا، جس کے بارے میں بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ یہ تجزیہ صد فی صد درست ہے۔

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی صاحب نے ارادہ ظاہر فرمایا تھا کہ وہ الفرقان کے آئندہ شمارے میں اس مقالہ کو مکمل کریں گے مگر افسوس کہ وہ علالت کے باعث ایسا نہ کر سکے تاہم یہ حصہ

بھی بڑی حد تک مکمل ہی ہے، ہم اسے پیش کرتے ہیں۔

یہاں ایک ستم ظریفی کا ذکر بھی بے جانہ ہوگا، پچھلے ہفتے جماعت اسلامی کے ایک معاصر نے بہت تند و تیز سرخیوں کے ساتھ، مولانا عتیق الرحمان سنبھلی کا ایک مضمون شائع کیا، جس سے یہ تاثر دیا گیا تھا کہ انہوں نے اس جانب توجہ دلائی ہے کہ جو حضرات عورت کے صدر مملکت بنائے جانے" کو خلاف شریعت قرار دے رہے ہیں وہ اس موضوع پر کیوں غور نہیں کرتے کہ صدر کے لئے مرد ہونے کے علاوہ متقی وغیرہ ہونے کی شرائط بھی شریعت میں ضروری قرار دی گئی ہیں ـــــ بات تو یہ حق تھی کہ شریعت نے صدر مملکت کیلئے متقی، دیانتدار اور پابندِ احکامِ الٰہیہ ہونے کی شرائط بھی ضروری قرار دی ہیں بگلاس پر کلمۃ حق ارید بہ الباطل ـــــ کی اصلاح صادق آتی تھی ـــــ اور یہ پہلو تو اگرچہ اب المناک نہیں رہا کہ ـــــ اس سے پہلے "فاران" وغیرہ دیوبند کے فتویٰ کے ساتھ بھی یہی حرکت کرچکے ـــــ اس اخبار نے "مولانا سنبھلی" کے زیرِ نظر مضمون کا ابتدائی حصہ تو زوردار سرخیوں کے ساتھ نقل کردیا۔ مگر جہاں سے جماعت اسلامی کے فیصلے پر تنقید شروع ہوتی تھی، وہ سارا مضمون غائب کردیا۔ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون۔

بہرحال مولانا سنبھلی کا مقالہ ملاحظہ فرمائیے۔　　(ادارہ)

پاکستان کے صدارتی الیکشن میں بانیٔ پاکستان مسٹر محمد علی جناح کی ہمشیرہ مس فاطمہ جناح کی امیدواری نے جہاں اور پہلوؤں سے اس الیکشن کو بیحد ہنگامہ خیز بنادیا ہے وہاں ایک مسئلہ یہ بھی پیدا کردیا ہے کہ کیا از روئے شرع ایک عورت کو مملکت کی سربراہی کے لئے ووٹ دینا جائز ہے؟" ـــــ ہمارے لئے اس الیکشن کو موضوع بحث بنانے کا باعث بس یہی مسئلہ ہے!

ہم جہاں تک سمجھتے ہیں۔ پاکستان کے انتخابی معرکہ میں یہ سوال بالکل بے معنی ہے۔ کیونکہ اسلام کو اگر معیار ٹھہرایا جائے گا تو اسی قسم کا سوال دوسرے امیدوار صدر ایوب خاں صاحب کے بارے میں بھی پیدا ہوجائے گا۔ وہ کب اس معیار پر پورے اُترتے ہیں جو اسلام نے سربراہِ مملکت کے لئے ملحوظ رکھا ہے؟ ـ یہ معیار خالی مرد ہونا تو نہیں ہے۔ کچھ اور اوصاف بھی تو اس کے ساتھ لازم ہیں! کیا وہ اوصاف صدر ایوب خاں صاحب میں پائے جاتے ہیں؟ پھر ان کے بارے میں کیوں اسلامی معیار کا سوال نہیں اٹھایا گیا؟ اور ایک صدر ایوب خاں کیا، پاکستان کے روزِ اول سے

کتنے کرسی اقتدار پر آئے اور کتنے چلے گئے کسی کے بارے میں بھی کب یہ سوال اٹھا کہ وہ امارت کے اسلامی شرائط کو پورا کر رہے ہیں یا نہیں؟ وجہ صاف ہے کہ جب حکومت کا نظام اسلامی نہیں شریعت کے مقرر کردہ مقاصد و فرائض حکومت کو انجام دیتے نہیں تو حکمرانوں کو اسلام کے معیار پر جانچنے سے کیا حاصل؟

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مس فاطمہ جناح کے بارے میں یہ سوال اس لئے کھڑا ہو گیا کہ قیادت کے اور تمام غیر اسلامی نمونوں کے تو لوگ عرصہ سے عادی ہو چکے تھے۔ لیکن یہ تجربہ ان کے لئے بالکل نیا ہے کہ ایک عورت باقاعدہ رائے عامہ کے ذریعہ ایک مسلمان ملک کی سربراہی کے لئے منتخب ہونا چاہیے۔ جس کی کوئی نظیر اسلام کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بظاہر یہی وجہ ہے کہ یہ نئی "غیر اسلامیت" بہت سے علماء کو ہضم نہیں ہو سکی اور انہوں نے صدر ایوب خاں کی حمایت کرتے ہوئے فتویٰ دے دیا کہ "عورت مسلمانوں کی سربراہ نہیں ہو سکتی" ـــ لیکن ان علماء نے ایک بات نہیں سوچی کہ یہ نیا غیر اسلامی تجربہ جس کی وہ تاب نہیں لا سکے خود صدر ایوب خاں صاحب ہی کے عطا کئے ہوئے دستور ہی کی تو برکت ہے۔ اس دستور ہی کی رو سے پاکستانی عورتوں کو مردوں کے مساوی یہ حق ملا ہے کہ وہ ملک کا بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کر سکیں ورنہ مس فاطمہ جناح اس صدارتی مقابلہ میں شامل کیسے ہو سکتی تھیں؟ پس اگر مس فاطمہ ایک غلطی کر رہی ہیں تو اس کی ذمہ داری سب سے پہلے صدر ایوب خاں پر ہے اور وہ اگر عورتوں کو پاکستان کی صدارت کے لئے منتخب ہونے اور منتخب کئے جانے کا حق دے کر صدارت کے لئے اہل رہ سکتے ہیں تو بیچاری مس فاطمہ جناح نے کیا قصور کیا ہے کہ وہ عورت ہونے کی بناء پر صدارت کے لئے نااہل قرار دیدی جائیں۔

علماء نے "سکوت" کر کے بہترین موقع ضائع کر دیا

افسوس ہمارے ان علماء نے کیسا بہترین موقع ضائع کر دیا۔ وقت آیا تھا کہ پاکستان میں عورت کی مساوات کے فتنے کو خود فتنہ گروں اور ان کے سرپرستوں کے ہاتھوں ایک کاری ضرب لگ جاتی اور ؏ "جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا" کے ماتحت کم از کم یہ فتویٰ تو تجدد پسند حکمرانوں اور ان کے حامی فلسفیان تجدد کی زبانوں پر جاری ہو ہی جاتا کہ اسلام میں عورت کی سربراہی جائز نہیں ہے۔ اور پھر اس سے ان کے فلسفہ مساوات کی جو گت بنتی وہ ظاہر ہے لیکن ہائے یہ ہمارے نیک دل علماء کہ انہوں نے یہ خدمت اپنے ذمہ لیکر اس طبقہ کو اس مشکل سے صاف نکل جانے کا موقع دے دیا۔ چنانچہ ایک چودھری خلیق الزمان نے تو باآواز بلند پہلے پہل یہ فتویٰ سنایا تھا، لیکن اس کے بعد جونہی یہ خدمت علماء کی ایک

جماعت نے اپنا فرض سمجھ کر سنبھالی لی تو ہوشیار مدعی اب اس موضوع سے گویا غیر متعلق ہیں کہ جب کام دوسروں کے ذریعہ نکل رہا ہے تو کیوں اس کو اوڑھ کر اپنے نظریات کیلئے مصیبت پیدا کریں۔ ع
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

تجدد پسندی — سرخ سویرے کے پرستاروں اور جماعت اسلامی کے ہاتھوں

لیکن اس سحر کا اس سے بھی زیادہ دردناک منظر یہ ہے کہ پاکستان میں جو جماعت تجدد پسندوں کی اصل حریف بنی ہوئی تھی۔ اس نے ایوب خاں صاحب کی ڈکٹیٹرشپ کے مقابلہ میں ایک خاتون کی سربراہی کو ترجیح دیکر مکمل شرعی زبان میں فتویٰ دیدیا ہے کہ پاکستان میں اس وقت جیسے حالات ہیں ان میں مس فاطمہ جناح کو مملکت کی سربراہی کے لئے منتخب کرنا مسلمانوں کے لئے نہ صرف شرعاً جائز ہی ہے۔ بلکہ تن من دھن سے ان کی حمایت کی جانی چاہئیے ——— یہ فتویٰ پاکستان کی جماعت اسلامی کا ہے!۔

ایوب خاں ہاریں تو بلا سے ہاریں۔ لیکن تجدد پسندی کو پاکستان میں اپنی جیت کے لئے اس سے زیادہ اور کیا چاہئیے؟ ابھی تو برسوں نہیں، مدتوں بھی تجدد پسندی اور ترقی پسندی اپنی اس معراج کا خواب تک پاکستان میں نہیں دیکھ سکتی تھی کہ صنف نازک کی ایک فرد مملکت کی سربراہی کیلئے امیدواری کا حوصلہ کرے اور اس طرح مردوں کی مساوات سے بھی بڑھ کر اس کا قدم ایک ہی جست میں بالاتری کی سطح پر نظر آئے اور کس شان سے! کہ ایک طرف اس کے جلو میں سرخ سویرے کے پرستار مولانا بھاشانی ہوں تو دوسری طرف اسلام کے علمبردار مولانا مودودی بھی!!

آسماں کی نظر نہ لگ جائے — ع

جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کا ارشاد

جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے اس معاملہ میں اپنے موقف کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"شریعت میں جو چیزیں حرام ٹھہرائی گئی ہیں ان میں سے بعض کی حرمت تو ابدی اور قطعی ہے جو کسی حالت میں حلت سے تبدیل نہیں ہو سکتی اور بعض کی حرمت ایسی ہے جو شدید ضرورت کے موقع پر ضرورت کی حد تک جواز میں تبدیل ہو سکتی ہے اب یہ واضح ہے کہ عورت کو امیر بنانے کی ممانعت ان حرمتوں میں نہیں ہے جو ابدی اور قطعی ہیں بلکہ دوسری قسم کی حرمتوں ہی میں اس کا شمار ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہمیں ان حالات کا جائزہ لے کر دیکھنا چاہئیے جن میں

یہ مسئلہ ہمارے سامنے آیا ہے۔"

(اس کے بعد حالات کی وضاحت کی گئی ہے اور پھر ان الفاظ پر مجلس شوریٰ کی یہ قرارداد ختم ہوئی ہے)

"مذکورہ بالا وضاحت کی روشنی میں اس مجلس نے صدارتی انتخاب کے لئے موجودہ صدر کے مقابلہ میں محترمہ فاطمہ جناح کی تائید اور حمایت کا فیصلہ کیا ہے اور یہ مجلس عوام سے اپیل کرتی ہے اور جماعت کے کارکنوں کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ جبر و استبداد سے نجات پانے کے اس آخری موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور اس مہم کو تن من دھن سے کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔"

سیاست میں اقامت دین کا حاصل؟

جہاں تک جماعت اسلامی کا تعلق ہے اس کے بارے میں ہم یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ جماعت اسلامی کو بھی اس مسئلہ میں شریعت کا معیار زیر بحث نہیں لانا چاہیے تھا کیونکہ وہ تو سیاست میں حصہ ہی محض اس بنیاد پر لیتی ہے کہ اس میدان میں بھی دین کے اصول و احکام غالب ہوں اور ملک کا اجتماعی نظام بھی تمامتر شریعت کے معیار پر قائم ہو۔ ایسے میں اگر وہ بھی شریعت کا معیار سامنے نہ رکھے تو اپنے عقیدے کی رو سے اسی لمحے شرک اور کفر کی مرتکب ہو جائے گی۔ پس یہ بات تو جماعت نے عین اپنے اصول کے مطابق کی کہ امارت کے شرعی معیار کو فراموش نہیں کیا۔ لیکن یہ جو فیصلہ ہمارے سامنے آیا ہے اگر اجازت ہو تو اسے دیکھ کر ایک بات پوچھنے کو جی چاہتا ہے کہ سیاست میں جماعت کی سعیٔ اقامتِ دین کا حاصل آخر اس کے سوا بھی آج تک کچھ نکلا کہ جو غیر اسلامی باتیں لوگ اس میدان میں اسلام کا نام لئے بغیر یا کبھی کبھی اسلام سے منہ دیکھی ہی بھی معذرت کے ساتھ کر رہے تھے، اب انہیں باتوں کو نہایت شرعی طریقہ سے کرنے کا گر سیکھ جائیں؟ ہماری گنہگار آنکھیں تو اس اقامتِ دین کی جدوجہد میں بس ابھی تک یہی دیکھ رہی ہیں کہ کل ایک اسلامی حرمت کو ضرورت "شرعی" کی چھری سے ذبح کیا گیا تو آج دوسری کا نمبر لگا ہوا ہے۔ میدانِ جہاد میں جماعت قدم بعد میں رکھتی ہے۔ پہلے کم از کم اپنا ایک عدد اسلامی اصول اس کے ہاتھوں قربان ہو جاتا ہے۔ پتہ نہیں یہ اقامتِ دین کی کونسی شکل ہے اور ہدم دین کے اس عمل سے قیام دین کا نتیجہ کس اصول پر برآمد ہوگا!!

دین میں حکمت عملی کا فلسفہ

غالباً ۵۲ء میں پہلے پہل کچھ محدود انتخابات ہوئے تھے اس میں جماعت اپنے تمام نظریات کی

پابندی کا عزم لے کر میدان میں اُتری لیکن نتیجہ میں انتہائی ناکامی رہی، حالانکہ اندر کے بعض لوگوں کی روایت کے مطابق کچھ بے اصولیاں بھی اس سے سرزد ہو کر رہیں۔ اس تجربہ سے کچھ لوگ تو اس نتیجہ پر پہونچ گئے کہ اس راہ سے اقامتِ دین کا خیال محض فریب نفس ہے۔ ع

کیں راہ کہ می روی بترکستان است

یہاں اگر دینی جامہ سنبھالتے ہیں تو حریفوں پر فتح ممکن نہیں اور فتح دیکھتے ہیں تو اپنے ہی ہاتھوں دین کی خیر نہیں۔ لیکن غالب گروہ نے اس خیال سے اتفاق نہیں کیا اور نتیجۃً اوّل الذکر گروہ نے جماعت کو خیر باد کہہ دیا۔

اندرونی اختلافات کی یہ صورت حال اس وقت سامنے آئی جب پاکستان میں ایک نئے انتخابی معرکے کے آثار پیدا ہونے لگے۔ یہ پاکستان میں ہونے والے وہ عام انتخابات تھے۔ جنہیں ۵۸ء کا مارشل لا بہالے گیا۔ بہرحال اختلافی نقطۂ نظر والا گروہ الگ ہو گیا تو جماعت نے اس نئے انتخابی معرکے میں اُترنے سے پہلے اس مشکل پر غور کیا جو پچھلے انتخابی تجربہ میں اس کے سامنے آئی تھی۔ یعنی یا اصُول چھوڑ دیا جیت کا خیال دل سے نکال دو۔ اس مشکل کا حل قائد جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے "دین میں حکمت عملی" کے فلسفے سے نکالا کہ ضرورت داعی ہو تو ایک اہم تر مقصد کی خاطر نسبتاً کم اہم اصُول کو قربان کیا جا سکتا ہے۔ اور اس فلسفہ سے اولین مشکل یہ حل کی گئی کہ اسلام میں امیدوار اور خواہشمند کو چونکہ کوئی منصب نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے ابتک تو جماعت اسلامی نہ صرف یہ کہ امیدواری سسٹم سے اپنے نمائندے منتخب کرنے کی قائل نہ تھی بلکہ کسی بہتر سے بہتر جماعت یا فرد سے بھی انتخابی حمایت کا کوئی معاہدہ اس شرعی عیب کی صورت میں نہیں کر سکتی تھی کہ وہ جماعت امیدواری سسٹم سے اپنے نمائندے کھڑے کرے یا وہ فرد از خود آزادانہ امیدوار ہو، لیکن چونکہ یہ دیکھا جا چکا تھا کہ تن تنہا اپنے بل بوتے پر جماعت ذرا بھی کامیاب نہیں ہو سکتی اور جماعت کی کامیابی کے بغیر اقامتِ دین کا کوئی سوال نہیں۔ لہٰذا اب یہ طے کر دیا گیا کہ جماعت اپنی حد تک امیدواری سسٹم نہیں اپنائے گی لیکن دوسری بہتر جماعتوں یا اچھے افراد سے اس شرعی عیب کی بناء پر اب مجتنب بھی نہیں رہے گی۔

خیر اس وقت تو یہ "حکمت عملی" عمل میں آئے بغیر صرف علمی بحث کا موضوع بن کر رہ گئی عہ

عہ اس حکمت عملی کے فلسفہ پر نہایت مفصل بحث الفرقان جلد ۲۵، شمارہ ۱۲ اور جلد ۲۶۔ شمارہ ۱، ۲، ۳، ۴ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ع

کیونکہ انتخابات کی بساط ہی نہ بچھ سکی۔ لیکن اب پھر ایک نئے انتخاب کا وقت آیا تو پہلے ہی قدم پر ایک نئی اور بڑی مشکل سامنے آگئی، یعنی متحدہ محاذ جس میں جماعت اسلامی جیسی شرعی جماعت کے ساتھ نہایت غیر شرعی جماعتیں بھی جمہوریت کی بحالی کے نام پر یکجا ہوگئی تھیں۔ اس میں سے جماعت اسلامی کے ماسوا سب نے مس فاطمہ جناح کو موجودہ صدر پاکستان جناب محمد ایوب خاں صاحب کے مقابلہ میں صدارتی امیدوار چن لیا لیکن جماعت کے نمائندوں نے اس میں شرعی قباحت کے خیال سے اپنا فیصلہ محفوظ رکھا اور بعد میں پوری مجلس شوریٰ کے غور و فکر کے بعد وہ فیصلہ کیا گیا جس کا اوپر ذکر ہے۔

ہم نے اس فیصلہ کا پورا متن طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کیا۔ اس کے لئے کئی صفحے چاہئے تھے لیکن اب اس کا تمہیدی ٹکڑا اور پڑھ لیجئے۔

"جماعت اسلامی ابتداء سے اس ملک میں جمہوری اقتدار کی بحالی کے لئے متحدہ محاذ قائم کرنے کی کوششوں میں برابر شریک رہی ہے اور آئندہ انتخابات کے لئے حزب اختلاف کو ایک متفقہ پروگرام پر جمع کرنے میں اس سے تعلق رکھنے والوں نے پورا پورا حصہ لیا ہے لیکن جب صدارت کے لئے حزب اختلاف کی طرف سے ایک متفق علیہ امیدوار کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو ہم اس پیچیدہ صورت حال سے دوچار ہوگئے کہ چار جماعتوں نے محترمہ فاطمہ جناح کو منتخب کرنے پر اتفاق کر لیا جسے قبول کرنا ان شرعی احکام کی موجودگی میں ہمارے لئے مشکل تھا جن کی رو سے کوئی عورت مسلمانوں کی امیر نہیں ہوسکتی۔ اسی بناء پر ہم نے صدارت کے مسئلہ میں حزب اختلاف کے ساتھ اتفاق یا ان سے علیحدگی کا کوئی اعلان نہیں کیا۔ تاکہ مسئلے کے تمام پہلوؤں کا اچھی طرح جائزہ لینے اور اہل علم سے مشورہ کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کیا جا سکے۔"

ہمارے خیال میں اگر جماعت اسلامی اپنے اس فیصلہ کی توجیہ اُسی حکمت عملی کے اصُول سے کرتی تو اس تمہید کے بعد وہ مسئلہ یوں بیان کرتی کہ

متحدہ محاذ کے اس فیصلے کے بعد جماعت اسلامی کے سامنے دو راستے تھے کہ یا تو وہ اس فیصلہ کی تصدیق کرے اور یا خود کو محاذ سے الگ کرلے ظاہر ہے کہ دوسرا راستہ اختیار کرنے کے بعد متحدہ محاذ کے اس متوقع اقتدار میں جس کے لئے زمین ہموار کرنے میں جماعت اسلامی نے بڑا حصہ لیا تھا۔ جماعت کا کوئی حصہ نہ رہتا اور پھر وہ اس اقتدار کو پاکستان میں اقامتِ دین کا ذریعہ بنانے کے قابل نہ رہ جاتی جو کہ بہت بڑا دینی نقصان تھا۔ لہٰذا مجبوراً اس

نے فیصلہ کیا کہ ایک بہت بڑے دینی نقصان سے بچنے کے لئے نسبتاً ایک چھوٹے دینی اصول کی قربانی گوارا کرلی جائے۔ چنانچہ اب وہ متحدہ محاذ کے متفق علیہ امیدوار کی پوری پوری حمایت کرے گی۔

سب کے لئے حرام حلال ہوگیا

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اِدھر گذشتہ چند برسوں میں وہ فلسفۂ حکمت عملی کی سطح سے بھی ترقی کرکے بہت آگے جا چکی ہے۔ اب وہ صرف اپنے ہی اعلیٰ مقاصد کے لئے بدرجۂ مجبوری حرام کو حلال نہیں کرتی بلکہ کسی مجبوری یا شرعی قباحت کا خیال دل میں لائے بغیر بھی جو لوگ کسی حرام راستہ پر چکے ہیں اُن کے فعل کو بھی سندِ جواز عطا کرنے میں بخل نہیں کرتی جماعت کے جو نمائندے مس فاطمہ کو منتخب کرنے والی میٹنگ میں شریک تھے اُن پر خدا نے بڑا فضل کیا تھا کہ وہ اس فیصلہ کی ذمہ داری سے جماعت کو بچا لے گئے اور اس کے بعد جماعت کو تائید ہی کرنا تھی، تو وہ غلط یا صحیح ایک عذر کے ساتھ کرسکتی تھی۔ لیکن معلوم ہوا کہ اب جماعت یہ سب تکلفات بھی برطرف کر چکی ہے۔ اب اس نے وہ فتویٰ دیا جس سے صرف اس کی ہی مشکل حل نہ ہو بلکہ اور سب کا بھی بھلا ہو اور کوئی نہ کہہ سکے کہ متحدہ محاذ کی باقی چار جماعتوں نے مس فاطمہ جناح کو صدارت کے لئے انتخاب کرکے ذرا بھی شریعت کے خلاف کیا تھا —— واقعی حق رفاقت ادا کیا جائے تو ایسا ہی کیا جائے۔ ورنہ فاطمہ جناح کو بھی شکایت ہوتی کہ مجھے مجبوراً گوارا کیا جا رہا ہے اور دوسری جماعتیں بھی منہ بُرا کرتیں کہ اپنے لئے تو حلال کرلیا اور ہم پر حرام کا الزام چھوڑ دیا۔

عورت کو صدر مملکت بنانے کی کوشش

اقامت دین یا انہدام دین؟

دار العلوم کے فتویٰ کی اشاعت میں بد دیانتی کے ارتکاب پر احتجاج

ــــــ مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب بجنور

پچھلے دنوں دار العلوم دیوبند سے ایک فتویٰ ان لوگوں نے حاصل کیا تھا جو پاکستان میں عورت کو صدر مملکت بنانے کی جدوجہد کو بھی اقامتِ دین ہی کا ایک ناگزیر حصہ قرار دے رہے ہیں۔ یہ فتویٰ جس استفتاء کے جواب میں دیا گیا تھا۔ چونکہ یہ استفتاء بجائے خود چند اہم مغالطوں پر مشتمل تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر جواب بھی محل نظر تھا۔ لیکن ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ عورت کو صدر مملکت بنانے کے حامی حضرات نے اس فتویٰ میں بھی خیانت کر ڈالی اور اس کا وہ حصہ جس کی رو سے ان کی "صدارتی تحریک" شرعاً ناجائز قرار پاتی تھی۔ انہوں نے حذف کر دیا۔ مفتیؒ دیوبند نے لکھا تھا کہ بے شک عورت کو اپنے اوپر حاکم مقرر کر لینا قیامت کی علامات میں سے ہے لیکن دینی مصالح کا لحاظ کرتے ہوئے مقرر کرنا مباح ہوگا۔ بشرطیکہ دینی مصالح کا حصول یقینی ہو ورنہ عورت کو بنا بر حدیث مذکور کے حاکم بنانا جائز نہیں ہے صرف وہم پر بنانا حدیث مذکور کے خلاف ہے ــــــ جیسا کہ عرض کیا گیا دینی مصالح کی بناء پر اباحت کا فتویٰ بھی محلِ نظر ہے بلکہ جیسا کہ ہم اپنے مضمون میں اس فتویٰ پر بحث کر چکے ہیں۔ ہم اسے اجماع امت اور نصوص کے خلاف سمجھتے ہیں۔ تاہم جن لوگوں نے یہ فتویٰ اپنے حق میں استعمال کیا۔ انہوں نے "مباح ہے" کا حصہ تو نقل کر دیا۔ بشرطیکہ دینی مصالح کا حصول یقینی ہو ورنہ عورت کو بنا بر حدیث مذکور کے حاکم بنانا جائز نہیں ہے۔ صرف وہم پر بنانا حدیث مذکور کے خلاف ہے۔ یہ پوری عبارت حذف کر دی۔ چنانچہ اس پر دفتر دار العلوم دیوبند نے بھی احتجاج کیا اور "مدینہ بجنور" کے مقالہ نگار خصوصی مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب نے بھی مدینہ کے اداریہ میں اِس طرزِ عمل کی مذمت کی ہمیں افسوس ہے کہ ان حضرات کی اس حرکت سے پاکستانی پریس رُسوا ہوا ہے۔ مگر جو لوگ دین کو بازیچۂ اطفال اہولویات

بنانے کے درپے ہوں۔ ان سے شکوہ چہ معنی؟ بہر نوع ہم مدینہ بجنور کا مذکورۃ الصدر اداریہ درج ذیل کرتے ہیں:　　　(ع-ا)

ہندوستان اور پاکستان میں بکثرت اخبار اور رسالے اپنے کیرکٹر کے اعتبار سے نہایت مضبوط ہیں۔ آج ہم بعض پاکستانی اخباروں کی تنقیدوں کو وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں (باوجودیکہ ان کا اور ہمارا سیاسی مسلک علٰحدہ علٰحدہ ہے وہ پاکستانی سیاست سے متعلق ہیں اور ہم ہندوستانی سیاست کے پابند ہیں) کیونکہ وہ اخبارات اصولی اور ضابطے کی بات کرتے ہیں۔ دیانتداری کے ساتھ خبروں کو نقل کرتے ہیں۔ لیکن بہت بڑی تعداد میں پاکستانی اخبارات اور رسالے ایسے ہیں جن کا پیشہ دوسروں کو چڑانا اشتعال دلانا اور لڑائی کی باتیں کرنا ہے۔ متعدد بار ایسا ہوا ہے کہ انھوں نے ہندوستانی لیڈروں کی باتوں کو یا تو ناقص شائع کیا یا توڑ مروڑ کر شائع کیا ہے۔ آئے دن پاکستانی پریس یہی بدمزگی پیدا کرتا رہتا ہے۔

چلئے یہ معاملہ تو سیاست اور حکومت کا تھا ہم اپنی جگہ یہ تاویل کر لیتے تھے کہ ہر آدمی اپنی حکومت اور ملک کی خیر خواہی کرتا ہے اس لئے اگر پاکستانی اخبارات سیاست میں پاکستان کے موافقت اور ہندوستان کی مخالفت کرتے ہیں تو ایک حد تک ٹھیک بھی ہے۔ لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے دیکھا کہ وہ دین اور شریعت کے معاملہ میں ایمان اور اسلام کے سلسلہ میں توڑ مروڑ کر بات کرتے ہیں اور حق کو فراموش کر دیتے ہیں۔ بلکہ اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے دیانتداری کے تمام تقاضوں کو بھول جاتے ہیں تو ہمیں بے حد افسوس ہوا۔

ابھی حال ہی میں یعنی اکتوبر کے شہاب لاہور اور نومبر کے فاران کراچی میں ہندوستان کے مفتی مولانا سید مہدی حسن صاحب کا ایک فتویٰ اور ایک استفتاء شائع ہوا۔ ہم نے اسی اعتماد کی بناء پر جو ہونا چاہیئے تھا فاران سے نقل کر کے ۱۳ر نومبر ۶۴ء کے مدینہ میں شائع کر دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ فاران ایک مذہبی رسالہ ہے۔ اس کا مدیر قرآن وحدیث سے بات کرتا ہے مولانا مودودی صاحب کے مسلک کا سچا پیرو اور داعی ہے اور حضرت مولانا مودودی صاحب کا سچا عاشقِ زار ہے اس لئے ہمیں اس کی بات پر شک کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ لیکن ہمیں نہایت افسوس اور صدمہ ہوا اور ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب ہمارے پاس حضرت مفتی مہدی حسن صاحب کا اصل فتویٰ اور اس سے متعلق استفتا پہنچا۔ اس کو ہم نے ۲۱ر نومبر ۱۹۶۴ء کے مدینہ میں شائع کر دیا ہے۔

چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

جب پاکستان کے یہ پاک صحیفے جو خالص اقامتِ دین کے داعی اور پاکستان میں صحیح نظام اسلام کے اعلانچی ایسی حرکتیں کریں گے تو دوسرے کس شمار و قطار میں ہیں معلوم نہیں یہ کس قسم کی اقامتِ دین کر رہے ہیں کچھ نہیں ان کا دین اور مسلک تو وہی ہے جو ان کا قائد کہتا ہے۔ اگر ان کے قائد کے منہ سے کوئی بات نکل گئی ہے تو اس کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ہزاروں قسم کی تاویلیں کر ڈالیں گے۔ چلئے تاویل بھی کر لیجئے اس سے آپ کو کون روکتا ہے۔ لیکن دوسرے کی باتوں کو تو دیانتداری کے ساتھ نقل کیجئے۔

ہوا یہ کہ ان دنوں صدر ایوب خاں اور مس فاطمہ جناح کا صدارتی الیکشن ہو رہا ہے۔ اور صدر ایوب خاں اور ان کی حکومت وہ ہے جنہوں نے مولانا مودودی کو گرفتار کیا اور ان کی جماعت کو پاکستان میں خلافِ قانون قرار دیا۔ لہٰذا ان کو صدر ایوب خاں اور ان کی حکومت کی مخالفت کرنی ضرور تھی۔ چنانچہ انہوں نے مس فاطمہ جناح کی موافقت کا اعلان کر دیا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ان کی صدارت کو از روئے شرع جائز قرار دے دیا۔ خدا کے بندے نے یہ نہ سوچا کہ ستمبر ۵۲ء کے ترجمان القرآن میں عورت کی صدارت کے متعلق میں کیا کچھ لکھ چکا ہوں۔ مگر جب مخالفت ہی ٹھہری تو پھر سوچنے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ مولانا مودودی صاحب یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ عدالت میں مخالف اور دشمن کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ وہ عورت کی صدارت کے بارے میں جو جواز کا فتویٰ پیش فرما رہے ہیں وہ ان کے کردار کی روشنی میں مجروح ہے۔

اس کو بھی رہنے دیجئے ہم مولانا مودودی صاحب سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کا پہلا فتویٰ صحیح تھا تو یہ دوسرا فتویٰ از خود غلط ہوا اور اگر یہ صحیح ہے تو پہلا غلط ہوا۔ یہ اجتماع ضدین کیوں اور اگر دونوں فتوے آپ کے درست اور صحیح ہیں تو ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم آپ سے سوال کریں کہ مس فاطمہ جناح کی صدارت میں جو حکومت قائم ہو گی اسلامی ہو گی یا غیر اسلامی؟ اگر غیر اسلامی ہوئی اور اس کو بھی آپ نے غیر اسلامی کہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ غیر اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس وقت آپ کی دعوت اقامتِ دین تھی انہدامِ دین کی دعوت ہو جائے گی اور اگر آپ مس فاطمہ جناح کی حکومت کو اسلامی حکومت کہیں گے تو ہم آپ سے دریافت کریں گے کہ قرون ثلاثہ میں سے کوئی ایک مثال نکال کر دکھا دیجئے کہ جس کی سربراہ کوئی عورت رہی ہے۔ اس کو چھوڑئیے، نام نہاد خلافت عباسیہ

خلافت بنو اُمیہ۔ خلافت عثمانیہ۔ کسی میں سے ایک حکومت کی نشاندہی فرما دیجئے کہ جس کی امیر خلیفہ کوئی عورت رہی ہو۔ اگر نہیں رہی تو آپ کا خیال محض اتباعِ نفس اور قانونِ شریعت میں تحریف کے مترادف ہے جس کو ہم ہرگز اقامتِ دین نہیں کہہ سکتے۔

ہم اس جگہ صدر ایوب کی ہرگز موافقت نہیں کر رہے ہیں۔ ہمارے حساب وہ ہاریں یا جیتیں ہم کو اُن سے کوئی غرض نہیں ہے ہم جو کچھ عرض کر رہے ہیں محض اس وجہ عرض کر رہے ہیں کہ آپ نے اس وقت قانونِ شریعت میں تحریف کی اور اس تحریف میں وہ سب شریک ہیں جنہوں نے آپ کے خیال کی اتباع کی ہے۔ خواہ مفتی محمد شفیع صاحب ہوں یا کوئی اور صاحب ہوں۔ ہمیں اس وقت جو بولنا پڑا محض اس وجہ سے بولنا پڑا کہ پاکستانی صحافت بہت بددیانتی سے کام لے رہی ہے اس نے بددیانتی کا ریکارڈ توڑ دیا اور اپنا اُلو سیدھا کرنے کے لئے ایشیاء کے ایک دینی اور مشہور ادارے دارالعلوم دیوبند کو بھی اس کیچڑ میں گھسیٹنے کی ناکام کوشش کی۔ آسمان کی طرف تھوکا تو خود ان کے مُنہ پر آگرا۔

ہم پاکستانی صحافت سے گذارش کریں گے کہ وُہ دنیاداری کے لئے جیسے چاہیں ویسے ہتھکنڈے اختیار کریں۔ اس کا انہیں اختیار ہے۔ مگر دین کے معاملہ میں وہ دیانت کو ہرگز ہاتھ سے نہ دیں اور سیاست کے لئے مذہب کو کھلونا نہ بنائیں۔ اُمید ہے کہ پاکستانی صحافت ہماری اس گذارش پر ضرور غور کرے گی۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر "برہان" دہلی

دین سے تلعب

ہمارے ہمسایہ ملک پاکستان میں آج کل صدارتی انتخاب کی مہم بڑے زور شور سے جاری ہے یوں تو اس قسم کے معاملات ہر ملک کے اپنے ہوتے ہیں اور اس ملک کے لوگوں کو اختیار ہوتا ہے کہ اُلٹا کریں یا سیدھا۔ دوسروں کو اس میں مداخلت کرنے کا حق نہیں۔ لیکن جو چیز اسلام کے نام پر کہیں اور کسی جگہ بھی کی جائے ساری دنیا کے مسلمانوں کو اس سے دلچسپی لینا ناگزیر ہے۔ علاوہ ازیں پاکستان ہمارا بہت قریبی پڑوسی ملک ہے اور اس حیثیت سے اس کی خوشحالی اور اس کا استحکام طبعی طور پر ہمارے دل کی آرزو ہونی چاہئے۔ اس بناء پر اس صدارتی انتخاب سے ہم کو دلچسپی ہے اور صدر ایوب خاں کے مقابلہ میں مس فاطمہ جناح کے امیدوار ہونے نے اس دلچسپی کو دو چند کر دیا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ جیسا کہ عام مسلمانوں کی عام فطرت اور جبلت بن گئی ہے اسلام کو اس موقع پر بھی اپنی اغراضِ فاسدہ کے لئے بڑی جسارت اور دلیری سے توڑا مروڑا جا رہا ہے گویا دین اور شریعت کیا ہوئے؟ موم کی ناک ہیں جیسا چاہا بنا دیا! مس فاطمہ جناح کی حمایت اگر خالص سیاسی یا ملکی مصالح کے پیشِ نظر کی جاتی اور اسلام کا پاؤں درمیان میں نہ آتا تو غنیمت تھا۔ دین سے تلاعب اور شریعتِ محمدی سے بازی گری کے جرم کا ارتکاب تو نہ ہوتا۔ لیکن ستم بالائے ستم یہ ہے کہ صدر ایوب کی مخالفت میں جو علماء پیش پیش ہیں وہ اعلان یہ اعلان کر رہے ہیں کہ اسلام میں ایک عورت کا سربراہ مملکتِ اسلامی ہونا ممنوع نہیں ہے اور ایک بڑے مولانا نے چیلنج کیا ہے کہ اگر ممنوع ہے تو کوئی خاص شخص بتائے کہ قرآن میں یا حدیث میں اس کا ثبوت کہاں ہے؟ ان حضرات سے کوئی پوچھے کہ اگر کسی چیز کے ممنوع ہونے کے لئے قرآن یا حدیث میں اس کا بصراحت مذکور ہونا ہی شرط ہے تو پھر آپ بینک کے سود اور بیمہ کو، برتھ کنٹرول اور رقص و سرود کو کیوں ناجائز اور ممنوع فرماتے ہیں؟ ان کے لئے قرآن یا حدیث میں کوئی حکم بہ طور عبارت النص کے کہاں ہے؟

جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے۔ ہر وہ شخص جس نے قرآن کا مطالعہ ایمانداری اور ہوائے نفس

کے بغیر کیا ہے وہ لازمی طور پر اس کا تسلیم کرے گا کہ اسلام ہرگز ایک عورت کے سربراہ مملکت ہونے کا حامی اور مؤید نہیں ہو سکتا۔ ایک سربراہ مملکت ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ (قرآن کی تصریح کے مطابق) بسطۃً فی الجسم اور بسطۃً فی العلم رکھتا ہو۔ یعنی ذہنی اور جسمانی قوتوں کے اعتبار سے امتیاز ہونا چاہئے تاکہ تفنن اور تنقید یہ دونوں کام باحسن وجوہ انجام دے سکے۔ وہ سرحدوں کی حفاظت کر سکے۔ جنگ کا قائد بن سکے۔ مملکت اور ریاست کے اُلجھے ہوئے معاملات کو حسن تدبر کے ناخن سے کھول سکے۔ ملک کے داخلی اور خارجی امور میں رہنمائی اور ان کی نگرانی کا فرض ادا کر سکے۔ ساتھ ہی اس کی شخصیت ایسی باوقار اور پُر رُعب ہونی چاہئے کہ وہ اپنے فیصلوں کو منوا سکے اور اپنے احکام کو نافذ کر سکے۔ از روئے قرآن یہ تمام اوصاف و کمالات بیک وقت ایک مرد میں ہی ہو سکتے ہیں۔ عورت میں نہیں۔ کیونکہ قرآن نے عورت کو مرد کے مقابلہ میں ایک صنفِ ضعیف و لطیف قرار دیا ہے جو حکمرانی کے اس بھاری بوجھ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ کون نہیں جانتا قرآن میں صاف طور پر مذکور ہے الرجال قوامون علی النساء۔ مرد عورتوں پر محافظ اور نگران ہیں تو کیا ایک عورت کو سربراہ مملکت بنا کر ملک کے تمام مردوں پر حاکم اور فرمانروا بنا دینا قرآن کے اس ارشاد کو یک لخت پلٹ دینا نہیں ہے۔ ایک فرمانروائے ملک کے لیے با اختیار و با اقتدار ہونا ضروری ہے اور یہ معلوم ہے کہ از روئے احکام شریعت و صنفی خصوصیات عورت مرد کی طرح مکمل طور پر با اختیار نہیں ہے۔ چنانچہ ایک عورت کا وراثت میں حصہ مرد سے آدھا ملتا ہے۔ ہر ماہ اسے نماز اور تلاوت قرآن سے اور روزہ رکھنے سے چند روز کے لئے محروم ہونا پڑتا ہے۔ حمل اور ولادت کے دنوں میں اس کی معذوریاں بڑھ جاتی ہیں اور وہ کسی کارِ گراں و ثقیل کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر قرار دی گئی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ چار عورتوں کی گواہی دو مردوں کے برابر نہیں بلکہ بہرحال ایک مرد ضرور ہونا چاہئے اور قرآن نے اس کی وجہ بھی بتا دی "لِتذکّر احداھما الاخریٰ" تاکہ ایک عورت بھول جائے تو وہ دوسری اسے یاد دلا دے۔ یہی وہ حکم ہے جس کی بنیاد پر عورتوں کو حدیث میں ناقصات فی العقل کہا گیا اور اوپر جو معذوری مذکور ہوئی اس کی وجہ سے ناقصات فی الدین فرمایا گیا ہے اور یہی وہ اسباب ہیں جن کے باعث عورت نماز میں امامت نہیں کر سکتی۔ غلام اور بچوں پر جس طرح نماز جمعہ فرض نہیں ہے اسی طرح عورت پر بھی فرض نہیں ہے۔ جہاد کا اگر حکم دیا جائے تو عورت پر لازم نہیں ہوتا۔ حج مرد پر صرف استطاعت زاد و راحلہ کی بنیاد پر فرض ہو جاتا ہے لیکن عورت کا حال یہ نہیں۔ اس کے لئے محارم میں سے کوئی

ہمراہ ہونا بھی ضروری ہے۔ گھوڑے کی سواری کرنا اسلامی سماجیات میں عورت کے لئے نامحمود ہے۔ حدیث میں عورتوں کو آبگینہ (قواریر) کہا گیا ہے اور یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ عورت مرد کے مقابلہ میں بہت زود رنج، نازک مزاج اور سریع الحس ہوتی ہے۔ چنانچہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ مذاق میں کوئی بات کہئے اور جھٹ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگیں گے۔ کوئی اچھا شعر گا کر اس کے سامنے پڑھئے اور فوراً اس کا چہرہ تمتما اٹھے گا۔ اس کی محبت بھی غضب کی ہوتی ہے اور نفرت بھی بلا کی، محبت ہو تو اسے اپنا سب کچھ لٹا دینے میں تامل نہیں ہوتا۔ اور نفرت ہو تو مرغ بسمل کا تماشہ اس کا محبوب کھیل بن جاتا ہے۔ یہی وہ عورت کی خلقی صفت ہے جس کے باعث قرآن میں اسے فِی الخصام غیر مبین فرمایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن میں ہے۔ وقرن فی بیوتکن اور وہ عورتیں رہیں اپنے گھروں میں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اسلامی معاشرہ میں ایک عورت کا دائرۂ عمل امور خانہ داری تک محدود ہے اور اسی بناء پر اسے ربۃ البیت گھر کی مالک کہا جاتا ہے۔ پھر عورتوں کے لئے قرآن میں حجاب کا بھی حکم ہے جس کے باعث وہ مردوں سے اور مردان سے خلا ملا نہیں رکھ سکتے۔ اب آپ فرمائیں اسلامی معاشرہ کا یہ نظام جو قرآن کی تعلیمات پر مبنی ہے کیا یہ اس کا ثبوت نہیں ہے کہ از روئے شریعت محمدی ایک عورت کسی اسلامی مملکت کی صدر یا فرمانروا نہیں ہو سکتی۔ صدر ہونا تو کجا! "فوج کی کمانڈر، کلکٹر اور کمشنر، سپرنٹنڈنٹ پولیس اور جج نہیں ہو سکتی صحیح بخاری میں ارشاد نبوی ہے۔ ہرگز وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جو اپنے اوپر عورت کو حاکم بنا لے۔

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام میں یہ حد بندی عورت کی تنقیص ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کی صنف کا احترام اور اس کی رعایت ہے۔ اسلام ہر چیز کو اس کی اپنی جگہ پر رکھنے کا قائل ہے۔ وہ گلِ تر سے شعلۂ اخگر کا اور نسیم سحر سے باد صرصر کا کام لینے کا حامی نہیں۔

مس فاطمہ جناح کو صدر مملکت بنانا خلاف اسلام ہے!

۱۹۶۱ء میں مولانا مودودی کا فتویٰ!

وہ کون سے واقعات ہیں جو ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۴ء کے دوران پیش آئے اور یہ حرام حلال ہو گیا؟

مذہبی دنیا میں یہ بات تعجب اور حیرت سے دیکھی گئی ہے کہ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب، امیر جماعت اسلامی پاکستان، ساری عمر تو اس اسلام کی نمائندگی کرتے رہے جو عورتوں کو سیاسی زندگی میں گھسیٹ لانے کو حرام قرار دیتا ہے۔ اور مولانا پارلیمانی اسمبلی اور دوسرے اجتماعی اداروں میں عورتوں کی شرکت کو کتاب و سنت کی رو سے ناجائز قرار دیتے رہے ہیں۔ مگر اب مولانا "متحدہ محاذ" میں شامل ہوئے تو، مولانا بھاشانی، محمود الحق عثمانی اور مجیب الرحمٰن ایسے کمیونسٹ و نیم کمیونسٹ افراد اور نیشنل عوامی پارٹی ایسی سیکولر نظریات کی علمبردار جماعت کی وجہ سے مولانا مودودی صاحب اس مقام پر آ گئے کہ اوّلاً انہوں نے اعلان فرمایا کہ قرآن و سنت سے کوئی شخص ثابت نہیں کر سکتا کہ عورت کو صدر مملکت بنانا ایسا حرام ہے جس میں کوئی استثنا ممکن نہیں، آگے چل کر مولانا نے ملکہ بلقیس کے واقعہ سے استدلال فرمایا کہ عورت کو صدر مملکت بنانا جائز ہے اور جب خود انہی کے چند سال قبل تحریر کردہ مضامین شائع کر دیے گئے جن میں انہوں نے عورت کے سیاسیات میں آنے کو خلاف کتاب و سنت ثابت کیا تھا۔ تو مولانا موصوف نے یہ موقف اختیار کر لیا کہ مس فاطمہ جناح کو ان حالات میں صدر مملکت بنانا اسی طرح جائز ہے جس طرح مرتے آدمی کے لئے شراب حلال ہو جاتی ہے۔ ایک جانب مولانا مودودی صاحب کا یہ موقف اور دوسری جانب یہ اہم انکشافات کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے ۱۹۶۱ء میں سوال کیا گیا کہ اگر محترمہ فاطمہ جناح صدارت کا عہدہ سنبھال لیں تو کیا اسلامی اصول اس کی اجازت دیں گے؟

اس سوال کے جواب میں مولانا نے صراحت فرمائی کہ اسلامی حکومت اس کی ہرگز مجاز نہیں ہے اور اس سے ملک و ملت اس خطرے میں مبتلا ہو جائیں گے۔ کہ عورتوں کے پاس پہنچ کر کوئی راز راز نہیں رہتا۔ یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ مولانا نے ۱۹۶۱ء میں جب یہ فتویٰ صادر فرمایا تھا۔ اس وقت مارشل لاء کا مہیب دور تھا۔ مولانا اس دور کو انسانی حقوق کی پامالی کا سب سے بھیانک دور قرار

دے رہے ہیں اس وقت آئین معطل تھا اور آمریت مطلقہ کی حکومت تھی۔ مگر مولانا نے اس وقت تو نہ حالت اضطرار تسلیم کی اور نہ مجبوری وبے لبسی کا سہارا لیا اور صاف صاف اعلان کیا کہ اسلامی مملکت کو یہ حق ہی حاصل نہیں کہ اسلام کے حرام کو حلال کرے۔ لیکن جب آمریت مارشل لاء کی جگہ آئینی حکومت نے لے لی، دستور نافذ ہوگیا۔ اس دستور میں پہلی اہم ترمیم کی گئی اور بنیادی حقوق دستور میں شامل کر لیے گئے اور ۶۳ء کے اجلاس ڈھاکہ میں ممبران قومی اسمبلی پر مشتمل ایسی کمیٹی ترتیب دے دی گئی جس کا فرض منصبی یہ تھا کہ عائلی قوانین کو شریعت کے مطابق بنانے کے لئے سفارشات پیش کرے (اس کمیٹی کی سہل انگاری اور اپنے فرض سے کوتاہی پر ہم حد درجہ معترض ہیں) تو ان حالات میں مولانا نے یہ فتوے صادر فرمایا کہ اب حالتِ اضطرار طاری ہے لہٰذا قرآن کی صریح نصوص، احادیث نبویہ کی توضیحات اور امت کے چودہ سو سالہ اجماع کے علی الرغم، عورت کو صدر مملکت بنانا نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دینی چاہیئے۔ اور اسلام کے لئے جن کارکنوں نے اپنے آپ کو جماعتِ اسلامی کے حوالے کیا ہے۔ وہ اب اسلام کے چودہ سو سالہ اجماع کو پارہ پارہ کرنے اور امت کو انتشار میں مبتلا کرنے میں مصروف ہو کر "اقامتِ دین" کا فرض انجام دیں۔

بہر نوع مولانا کے بارے میں جو انکشاف ہوا ہے کہ انہوں نے ۱۹۶۱ء میں مس فاطمہ جناح کی صدارت کی تجویز کو اسلام کے خلاف قرار دیا تھا۔ ان کا یہ فتوے "اسلام بیسویں صدی" کے عنوان سے شائع شدہ ایک کتاب میں ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ سوال اور جواب بعینہ اس کتاب سے درج ذیل ہے۔ مولانا سے سوال کیا گیا کہ

فرض کیجئے اگر اسلامی حکومت خواتین کو برابر کا حق رائے دہندگی دے اور وہ کثرتِ آراء سے وزارت وصدارت کے عہدوں کے لئے الیکشن لڑ کر کامیاب ہو جائیں تو موجودہ بیسویں صدی میں بھی کیا ان کو منصب اعلیٰ کے سنبھالنے کا حق اسلامی احکام کی رو سے نہیں مل سکتا۔ جب کہ بہت سی مثالیں ایسی موجود ہیں، مثلاً سیلون میں وزارت عظمیٰ ایک عورت کے پاس ہے یا نیوزی لینڈ میں ایک خاتون ہی حکمران اعلےٰ ہے یا برطانیہ پر ملکہ کی شہنشاہیت ہے یا سفارتی حد تک جیسے عابدہ سلطانہ دختر نواب آف بھوپال رہ چکی ہیں۔ اور اب بیگم رعنا لیاقت علیخاں نیوزی لینڈ میں سفیر ہیں یا دیگر جس طرح مسز وجے لکشمی پنڈت برطانیہ میں ہائی کمشنر تھیں اور اقوام متحدہ کی صدر رہ چکی ہیں۔ اور بھی مثالیں ہیں جیسے نورجہاں، جھانسی کی رانی، رضیہ سلطانہ، حضرت محل زوجہ واجد علی شاہ جو "فخر لکھنؤ" کہلاتی ہیں۔ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف لکھنؤ میں جنگ کی کمانڈ کی۔ غرض

اس طرح خواتین نے خود کو پورا اہل ثابت کر دیا ہے تو اگر محترمہ فاطمہ جناح صدارت کا عہدہ سنبھال لیں تو کیا اسلامی اصول پاکستان کے اسلامی نظام میں اس کی اجازت نہ دیں گے۔ مولانا مودودی صاحب نے اس سوال کا جواب حسب ذیل دیا۔

اسلامی حکومت دنیا کے کسی معاملے میں بھی اسلامی اصولوں سے ہٹ کر کوئی کام کرنے کی نہ تو مجاز ہے اور نہ وہ اس کا ارادہ ہی کر سکتی ہے اگر فی الواقع اسے چلانے والے ایسے لوگ ہوں جو اسلام کے سچے دل سے ماننے والے ہوں اور اس پر عمل کرتے ہوں۔ عورتوں کے معاملے میں اسلام کا اصول یہ ہے کہ عورت اور مرد عزت و احترام کے لحاظ سے برابر ہیں لیکن دونوں کا دائرہ عمل ایک نہیں ہے۔ سیاست اور ملکی انتظام اور فوجی خدمات اور اسی طرح کے دوسرے کام مرد کے دائرہ عمل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس دائرے میں عورت کو گھسیٹ لانے کے دو بڑے نتیجے ہو سکتے ہیں۔ یا یہ کہ ہماری خانگی زندگی بالکل تباہ ہو گی۔ جس کی بیشتر ذمہ داریاں عورتوں سے تعلق رکھتی ہیں یا پھر عورتوں پر دہرا بار ڈالا جائے گا۔ کہ وہ اپنے فطری فرائض بھی انجام دیں جن میں مرد ان کا شریک نہیں ہو سکتا اور پھر مرد کے فرائض کا بھی نصف حصہ اپنے اوپر اٹھائیں۔ یہ دوسری صورت ممکن نہیں۔ لازماً پہلی ہی صورت رونما ہو گی اور مغربی ممالک کا تجربہ بتاتا ہے کہ وہ رونما ہو چکی ہے آنکھیں بند کر کے دوسروں کی حماقتوں کی نقل اتارنا عقلمندی نہیں۔ اسلام میں اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں کہ وراثت میں عورت کا حصہ مرد کے برابر ہو اس باب میں قرآن حکیم کا صریح حکم مانع ہے کہ عورت کا حصہ مرد کے برابر ہو کیونکہ اسلامی احکام کی رو سے خاندان کی پرورش کا سارا مالی بار مرد پر ڈالا گیا ہے بیوی کا مہر اور نفقہ بھی اس پر واجب ہے۔ اس کے مقابلے میں عورت پر کوئی مالی بار نہیں ڈالا گیا۔ اس صورت میں آخر عورت کو مرد کے برابر حصہ کیسے دلایا جا سکتا ہے؟

اسلام اصولاً مخلوط سوسائٹی کا مخالف ہے اور کوئی ایسا نظام جو خاندان کو اہمیت دیتا ہو اس کو پسند نہیں کرتا کہ عورتوں اور مردوں کی مخلوط سوسائٹی ہو۔ مغربی ممالک میں اس کے بدترین نتائج ظاہر ہو چکے ہیں اگر ہمارے ملک کے لوگ ان نتائج کو بھگتنے کے لئے تیار ہوں تو شوق سے بھگتتے رہیں لیکن آخر یہ کیا ضروری ہے۔ کہ اسلام میں ان افعال کی گنجائش زبردستی نکالی جائے جن سے وہ شدت کے ساتھ روکتا ہے۔ اسلام میں اگر جنگ کے موقع پر عورتوں سے مرہم پٹی وغیرہ کا کام لیا گیا ہے۔ تو اس کے معنی یہ نہیں کہ امن کی حالت میں عورتوں کو

دفتروں، کارخانوں، کلبوں اور پارلیمنٹوں میں لا کھڑا کیا جائے مرد کے دائرہ عمل میں آ کر عورتیں کبھی مردوں کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں اس لئے کہ وہ ان کاموں کے لئے بنائی ہی نہیں گئیں۔ ان کاموں کے لئے جن اخلاقی اور ذہنی اوصاف کی ضرورت ہے وہ دراصل مرد میں پیدا کئے گئے ہیں۔ عورت مصنوعی طور پر مرد بن کر کچھ تھوڑا بہت ان اوصاف کو اپنے اندر اکھار نے کی کوشش کرے بھی تو اس کا دہرا نقصان خود اس کو بھی ہوتا ہے اور معاشرہ کو بھی۔ اس کا اپنا نقصان یہ ہے کہ وہ نہ پوری عورت رہتی ہے اور نہ پوری مرد بن سکتی ہے اور اپنے اصلی دائرہ عمل میں جس کے لئے وہ فطرتاً پیدا کی گئی ہے۔ ناکام رہ جاتی ہے۔ معاشرہ اور ریاست کا نقصان یہ ہے کہ وہ اہل کارکنوں کے بجائے نااہل کارکنوں سے کام لیتا ہے۔ اور عورت کی آدھی زنانہ اور آدھی مردانہ خصوصیات، سیاست اور معیشت کو خراب کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں گنتی کی چند سابقہ معروف خواتین کے نام گنانے سے کیا فائدہ؟ دیکھنا تو یہ ہے کہ جہاں لاکھوں کارکنوں کی ضرورت ہو کیا وہاں تمام خواتین موزوں رہ سکیں گی۔ ابھی حال ہی میں مصر کے سرکاری محکموں اور تجارتی اداروں نے یہ شکایت کی ہے کہ وہاں بحیثیت مجموعی ایک لاکھ دس ہزار خواتین جو مختلف مناصب پر کام کر رہی ہیں بالعموم ناموزوں ثابت ہو رہی ہیں اور ان کی کارکردگی مردوں کی نسبت ۵۵ فیصد سے زیادہ نہیں پھر مصر کے تجارتی اداروں نے یہ عام شکایت کی ہے کہ عورتوں کے پاس پہنچ کر کوئی راز راز نہیں رہتا۔ مغربی ممالک میں جاسوسی کے جتنے واقعات پیش آئے ہیں ان میں بھی عموماً کسی نہ کسی طرح عورت کا دخل ہوتا ہے۔"[1]

یہ تھا مولانا مودودی کا موقف ۱۹۶۱ء میں جو حضرات مولانا کی اس تاویل کو اب قبول کر رہے ہیں انہیں سوچنا چاہیئے کہ کیا بات صرف اتنی ہی تو نہیں کہ اس عرصے میں سب سے ہولناک حادثہ یہ رونما ہوا ہے۔ کہ مولانا اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور جماعت اسلامی کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔" ہم ان دونوں اقدامات کو غلط اور حق و عدل کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اور اس پر شدید ترین احتجاج اس عالم خوف و ہراس میں کر چکے ہیں جب یہ اقدام کیا گیا تھا۔ اور اس طرح ہم عائلی قوانین کے خلاف اب تک برد آزما ہیں اور حکومت کی دوسری غلطیوں پر بلا خوف لومۃ لائم اظہار رائے کرتے ہیں اور ان شاء اللہ العزیز کرتے رہیں گے، کہیں ایسا تو نہیں کہ مولانا مودودی اس مرتبہ جیسی کی زندگی کے اس برے اثر کو بدرجہ غایت قبول فرما چکے ہیں جس کے بعد انسان غصے کی حالت میں منتقم مزاج

[1] اسلام بیسویں صدی میں ص ۲۵۹ - ۲۶۳ شائع کردہ ادارہ ماہی ذریں ۸، ریلوے روڈ لاہور۔

ہو جاتا ہے اور تمام اصولوں کو خیر باد کہہ کر حریف کو شکست دینے پر تل جاتا ہے۔ اگر یہی بات ہے تو اس کا یہ پہلو بے حد المناک ہے کہ مولانا اسلام کے چودہ سو سالہ مسلم اصولوں کو اپنے ذاتی انتقام کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں۔

اصولوں سے انحراف

مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر دیوبند

بے اصولی اور وقتی فوائد کو حاصل کرنے کے لئے زندگی کے مقررہ اصولوں سے انحراف کی بہت سی مثالیں سامنے سے گذری ہیں۔ لیکن یہ مثال کہ ایک مسلمان ایک وقت میں ایک نظریہ کو دین کے ایک واضح اصول کی حیثیت سے پیش کرے۔ اس اصول کو دین کی مہمات میں شمار کرے اور امت کو اپنے پُرزور دلائل کے ساتھ اصول کو قبول کرنے اور اس پر قائم رہنے کی دعوت دے اور دوسرے وقت میں وہ دین اور شریعت ہی کے نام پر خود ہی اسی اصول سے انکار اور اس پر عمل کرنے سے پہلو تہی کرے، ایسی حسرتناک اور تکلیف دِہ مثال ہمیں سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی اور ان کی جماعت اسلامی کے سوا کہیں نہیں مل سکتی۔ سید صاحب ساری عمر اس کے قائل رہے ہیں کہ عورتوں کو قانون ساز مجالس میں شریک نہیں ہونا چاہیئے۔ ان کا دائرۂ کار مردوں سے الگ ہے وہ اپنے دائرۂ کار میں کام کریں۔ قانون ساز مجالس جو اس دور میں ہر مملکت کے سیاہ و سفید کی مالک، پورے ملک کی سیاست کو کنٹرول کرنے، وزارتوں کو ادلنے بدلنے، ملک کی پالیسی کو طے کرنے، مالیات اور معاشیات کو سنبھالنے اور صلح و جنگ کی پالیسی کو آگے بڑھانے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ عورتیں ان مجالس میں شرکت کی حقدار نہیں۔ سید صاحب کو اپنے اس نظریہ پر اتنا اصرار تھا کہ اس موضوع پر گفتگو کرتے وقت انہیں خیال آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کا دعویٰ لے کر جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نبرد آزما ہوئی تھیں۔ اور ام المومنین رضؓ نے اس موقع پر خود مسلمانوں کے ایک لشکر کی قیادت فرمائی تھی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان عورتیں اس واقعہ سے یہ استدلال کریں کہ دور اول میں جب ام المومنین رضؓ جنگ کی قیادت کر سکتی ہیں تو اب ہم مسلمانوں کے رزم و بزم کی رہنمائی کی حقدار کیوں نہیں بن سکتیں؟ اس شبہ کے ازالہ کے لئے سید صاحب نے لکھا تھا کہ جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضؓ کی شرکت ان کی ایک اجتہادی غلطی تھی۔ جسے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضؓ، حضرت علی رضؓ، حضرت ام سلمہ رضؓ سب نے پسند نہیں کیا تھا اور پھر خود ختم جنگ پر حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے اس فعل پر شرمندگی کا اظہار کیا۔ اس لئے ان کا یہ انفرادی فعل امت کے لئے نمونہ نہیں بن سکتا

گویا سید صاحب عورتوں کے شوقِ قیادت کو ختم کرنے کے لئے دور دراز کے شبہات کو بھی زیر بحث لانا اور ان کا جواب دینا ضروری سمجھتے تھے۔

مگر صرف حیرت نہیں بلکہ افسوس اور ماتم کیجئے کہ پاکستان کے پہلے معرکۂ صدارت میں سید صاحب نے مس فاطمہ جناح کی امیدواری کی باقاعدہ تائید کی اور یہ تائید صرف سیاسی نہیں تھی بلکہ جماعت اسلامی کی مجلس مشاورت نے طویل غور و خوض کے بعد فاطمہ جناح کی تائید کے لئے ایک فتویٰ مرتب کیا۔ اس فتوے کے یہ ابتدائی الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

"شریعت میں جو چیزیں حرام ٹھیرائی گئی ہیں ان میں سے بعض کی حرمت تو ابدی اور قطعی ہے۔ کسی حالت میں حلت سے تبدیل نہیں ہو سکتی اور بعض کی حرمت ایسی ہے جو شدید ضرورت کے موقع پر ضرورت کی حد تک جواز میں تبدیل ہو سکتی ہے اب یہ واضح ہے کہ عورت کو امیر بنانے کی مخالفت ان حرمتوں میں سے نہیں جو ابدی اور قطعی ہیں۔ بلکہ دوسری قسم کی حرمتوں میں اس کا شمار ہو سکتا ہے۔"

یہاں حرمت ابدی اور غیر ابدی کی قسمیں تو بیان کی گئیں مگر نہ ان دونوں کی کچھ مثالیں دی گئیں۔ اور نہ یہ بتایا گیا کہ جنکی حرمت ابدی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اور جن کی حرمت کو ابدی تسلیم نہیں کیا گیا۔ اس میں شریعت کے پیش نظر کیا دلائل رہے ہیں؟

ان ابتدائی الفاظ کے بعد مس فاطمہ جناح کی امیدواری کی تائید کی گئی اور اس میں بھی یہ لطیفہ شرعی پیدا کیا گیا ہے کہ:۔

"اصل شرعی قاعدہ علیٰ حالہ قائم ہے۔ اور موجودہ غیر معمولی حالات میں اس طرح کا کوئی فیصلہ آئندہ کے لئے نظیر نہیں بن سکتا"

"مذکورۂ بالا وضاحت کی روشنی میں اس مجلس نے صدارتی انتخاب کے لئے موجودہ صدر کے مقابلہ میں محترمہ فاطمہ جناح کی تائید اور حمایت کا فیصلہ کیا ہے۔"

غور فرمایئے کہ ایک طرف تو سید صاحب عمر بھر اس کی تبلیغ فرماتے رہے کہ امور مملکت میں عورتوں کو حصہ لینے کا حق نہیں۔ انہیں اپنے گھر میں بیٹھنا چاہیئے۔ اور بازار سیاست میں آکر اپنی جنسی کمزوریوں کو عریاں نہیں کرنا چاہیئے۔ پھر سیاسی ضرورتیں سامنے آئیں تو سید صاحب خود اپنے اسی نظریہ کی تائید میں اپنی بھاری بھرکم دلیلوں اور اپنے زور بیان سب کو بھول گئے۔ اور عین شریعت کی روشنی میں فاطمہ جناح کی صدارت کو جائز اور فاطمہ جناح

کے ساتھ ان کی حمایت میں کھل کر کھیلنے والی پاکستان کی ہزاروں اور لاکھوں عورتوں کی بے پردگی، بے حجابی اور خلافِ شریعت ہنگامہ آرائیوں اور الیکشن بازیوں کی حمایت میں سینہ سپر ہو گئے سید صاحب کو ذرا بھی اس کا خیال نہیں آیا کہ قرآن کریم نے صاف حکم فرمایا ہے کہ

"وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ"

("اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھی رہو۔ اور پچھلی جاہلیت کے ساتھ تبرج کا ارتکاب نہ کرو")

پھر کمال یہ کہ اپنے اس فیصلہ کو خاص حالات کا پابند بنا کر جائز بنانا چاہتے ہیں۔ اور بیچاری عورتوں کو آئندہ کے لئے صدارت یا ممبری کے کسی الیکشن میں حصہ لینے کا حق بھی نہیں دیتے!

وہ خاص حالات کیا ہیں جنہوں نے عورتوں کے متعلق شریعت کے ایک مستحکم قانون کے توڑنے میں سید صاحب کو مدد دی؟ اور وہ کیا وجوہات ہیں جن کی بنا پر سید صاحب، آئندہ کے لئے عورتوں کو یہ حق دینے پر تیار نہیں۔ ان کی کوئی تفصیل اس فتویٰ میں نہیں ملتی۔

ہمارا خیال ہے کہ سید صاحب کی مجلس مشاورت سے چوک ہو گئی انہیں فاطمہ جناح کی صدارت کی امیدواری کا حق دیتے ہوئے استدلال واقعہ جمل ہی سے کرنا چاہیئے تھا کہ کچھ ایسے ہنگامی اور ضروری حالات تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی برگزیدہ شخصیت کو بھی اپنا گھر چھوڑ کر ہودہ پر سوار ہونا اور میدانِ جنگ میں آنا پڑا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس طرح جنگ جمل میں شرکت فرما سکتی ہیں اسی طرح فاطمہ جناح بھی اب نئے دور میں مردوں کے ساتھ سیاسی کشتیاں لڑ سکتی اور اسلام کے نام پر پاکستان کے دونوں حصوں میں بے پردگی کو عام کر سکتی ہیں۔

تعجب اس پر ہے کہ یہی سید ابوالاعلیٰ صاحب اور ان کے ساتھی جو گذشتہ پندرہ سولہ سال سے علماء کے ارشادات اور فتاویٰ کا مذاق اڑاتے اور ان کی مخالفت کرتے رہے ہیں اب خود فتوے لکھنے بیٹھے تو ان کا معیار اور ان کی فقہی حیثیت یہ ہے!

عورت کو صدر بنانا قطعی حرام ہے

۵۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی

[مولانا محمد ادریس کاندھلوی مدظلہ نے اپنی تصنیف عقائد اور رسوم میں شرائط امارت" کا عنوان رکھا تھا۔ جس میں منجملہ دوسری شرائط کے امیر مملکت کا مرد ہونا بھی بحسب فیصلہ کتاب وسنت وعلماء امت لازمی قرار دیا تھا۔ ہر چند کہ یہ باب مفصل تھا۔ لیکن ان دنوں چونکہ اس مسئلے نے خصوصی اہمیت اختیار کر لی اور مولانا کاندھلوی اس کتاب کو نظر ثانی کے بعد دوبارہ چھپوا رہے تھے۔ اس بنا پر آپ نے، عورت کے انتخاب کی قطعی حرمت واضح کرنے کے لئے اس فصل میں پہلے سے کئی گنا زیادہ اضافہ فرما دیا۔

مولانا کاندھلوی مدظلہ نے سات شرائط تحریر فرمائی ہیں جس وقت (۲۶ دسمبر بعد از مغرب) یہ مقالہ موصول ہوا بے حد مشکل تھا کہ ہم مولانا کا یہ مقالہ پورے کا پورا اس اشاعت میں شامل کرتے لیکن ایک تو اس لئے کہ محب مکرم مولانا عتیق الرحمان سنبھلی نے اپنے مقالہ میں جو فرض کفایہ (مرد ہونے کے علاوہ دوسری شرائط کے بیان سے) ادا کیا ہے، مولانا کاندھلوی کے ارشادات سے اس کی ادائیگی زیادہ وسیع پیمانے پر ہو جائے اور ثانیاً اس لئے کہ خود مولانا کاندھلوی مدظلہ کی خواہش بھی یہی تھی کہ جملہ شرائط یکجا ہی شائع ہوں، اس لئے صرف اس تصرف کے ساتھ کہ پہلی شرائط مسلمان ہونے کی کو مختصر کر رہے ہیں، اس لئے کہ اسے بھی مانتے میں اور ثانیاً مولانا نے شیعہ سے جو خطاب فرمایا ہے، اختصار کی خاطر اسے حذف کرنے کے بعد یہ مقالہ بعینہ شائع کیا جا رہا ہے۔ ادارہ]

اسلام ۔(۱) انتخاب امیر اور استحقاق امارت کی پہلی شرط یہ ہے۔ کہ امیر مملکت مسلمان ہو۔

عقل وفہم ۔ امیر مملکت کے لئے دوسری شرط یہ ہے۔ کہ عاقل اور بالغ ہو۔ بیوقوف اور نابالغ تو اپنا ہی انتظام نہیں کر سکتا۔ بیوقوف اور نابالغ کا کوئی تصرف اور کوئی معاملہ شرعاً بغیر ولی کے معتبر نہیں۔

صحت اعضاء امیر اور حاکم کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ متکلم اور سمیع اور بصیر ہو یعنی گونگا اور اندھا اور بہرا نہ ہو تاکہ رعایا کے دعووں اور استغاثوں کو خود سن سکے اور مدعی اور مدعا علیہ کو پہچان سکے اور

حقیقت حال کے سمجھنے میں اسے کوئی اشتباہ نہ رہے۔

شجاعت امیر کے لئے ایک یہ بھی شرط ہے۔ کہ وہ شجاع اور بہادر ہو اور مدبر اور صاحب رائے ہو۔ آرام طلب اور ناتجربہ کار نہ ہو کیونکہ بزدل اور غیر ذی رائے آدمی صلح اور جنگ کے وقت گھبرا جاتا ہے۔ اور مشکلات اور مہمات میں حیران اور پریشان ہو جاتا ہے۔ کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتا۔ نیز ایسا آدمی دشمن سے صلح اور معاہدہ کرتے وقت بسا اوقات دھوکا کھاتا ہے۔ ایک اعرابی کا کسی عیسائی سلطنت پر گذر ہوا تو وہاں کے امیر نے حضرت عمرؓ کے متعلق اس اعرابی سے دریافت کیا کہ تمہارا امیر کیسا ہے۔ تو اس اعرابی نے یہ جواب دیا۔

امیرنا لایخدع ولا یخدع :۔ ہمارا امیر حضرت عمرؓ نہ کسی کو دھوکا دیتا ہے اور نہ کسی کے دھوکے میں آتا ہے۔

اس اعرابی نے پہلے جملہ میں حضرت عمرؓ کی امانت اور دیانت کو بیان کیا اور دوسرے جملہ میں حضرت عمرؓ کی فراست اور سیاست کو بتلایا۔

عورت کو منتخب کرنا حرام ہے۔ امیر مملکت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ مرد ہو۔ عورت نہ ہو شریعت کی نظر میں جو جنس قابل ولادت ہے۔ وہ جنس ہی قابل حکومت نہیں اس لئے کہ عورتیں ناقصات العقل والدین ہوتی ہیں عقل اور دین دونوں ہی اعتبار سے ناقص ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ حکومت کے قابل نہیں حدیث میں ہے کہ عورت کی عقل مرد کی عقل سے نصف ہے۔ اسی لئے دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے۔ اور دین میں عورت۔ مرد سے نصف ہے۔ اس لئے کہ عورت ایام حیض اور نفاس میں نماز اور روزہ اور تلاوت قرآن نہیں کر سکتی نزاکت اور بزدلی عورت کا خاص طرہ امتیاز ہے۔ اور حکومت وسلطنت کے لئے شجاعت اور بہادری شرط لازم ہے۔

امیر سلطنت کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ مرکز شجاعت اور پیکر عزم وہمت ہو اور عورت تو مرکز شہوت ہے۔ اور اس کی بے حجابی موجب فتنہ ہے۔ اس میں حکومت کی صلاحیت ہی نہیں عورت کا وجود میدان کارزار میں بالکل بے کار ہے۔ پردہ کی وجہ سے عورت مجلسوں اور محفلوں میں حاضر ہونے کے قابل نہیں۔ کسی مدعی اور مدعی علیہ کو دیکھ نہیں سکتی۔ اور نہ خود ان کا بیان سن سکتی ہے۔ اور نہ کسی مظلوم کی فریاد کو پہونچ سکتی ہے۔ اور نہ کسی ظالم کو اپنے ہاتھ سے پکڑ سکتی ہے۔ اور نہ اسے مار سکتی ہے۔ اور اگر پس پردہ کسی کا بیان سنے تو وہ قابل اطمینان نہیں۔

بخاری شریف میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنایا ہے۔ تو آپ نے یہ فرمایا لن یفلح قوم ولوا امرہم امراۃ۔ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی

جس نے اپنے ملک اور سلطنت کی باگ ایک عورت کے ہاتھ میں دے دی - امام قرطبی اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں - قال القاضی ابوبکر بن العربی ھذا نص فی ان المرأۃ لا تکون خلیفۃ ولا خلاف فیہ - تفسیر قرطبی صہ ۱۸۳ ج ۱۳ سورہ نمل -

ترجمہ :- قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بارہ میں نص صریح ہے - کہ عورت بادشاہ اور امیر نہیں ہو سکتی - اور اس میں کسی کا خلاف نہیں - یعنی یہ مسئلہ اجماعی ہے دیکھو تفسیر قرطبی صہ ۱۸۳ ج ۱۳ سورۃ نمل -

امام شافعی فرماتے ہیں کہ کوئی عورت بغیر ولی کے خود اپنا نکاح بھی نہیں کر سکتی - لہذا جو اپنے نکاح میں ایک ولی اور سرپرست کی محتاج ہے - تو ایک قلمرو کی ولایت اور حکومت کیسے کر سکتی ہے - جس طرح ایک نوعمر اور نابالغ بچہ ولی کا محتاج ہے - اسی طرح عورت بھی ولی اور سرپرست کی محتاج ہے - فقہاء کرام نے سلطنت اور امارت کو امامت کبری کہا ہے - اور نماز کی امارت کو امامت صغری کہا ہے - اور تصریح کی ہے - کہ عورت میں امامت صغری کی بھی اہلیت نہیں - چہ جائیکہ وہ امامت کبری کی اہل بن سکے - عورت کی اذان اور اقامت اور خطبہ بھی ناجائز اور حرام ہے - لہذا عورت کی تقریر بدرجہ اولے حرام ہوگی عورت کو بلا ضرورت گھر سے باہر نکلنا ناجائز اور حرام ہے - کما قال تعالیٰ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ عورت کا کام شوہر کی خدمت اور اطاعت اور شوہر کے لئے اولاد کی ولادت اور ان کی رضاعت و تربیت ہے - کیونکہ عورتیں مردوں کی کھیتیاں ہیں اور اولاد ان کی پیداوار ہے - کما قال تعالیٰ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ اس لئے شرعاً عورت کی امارت اور صدارت اور اس کی وزارت اور مجلس شوری کی رکنیت سب ناجائز اور حرام ہے -

ملکہ سبا کے واقعہ سے استدلال[1] ملکہ سبا کا قصہ سودہ کافروں کا عمل تھا - جہاں حکومت بطور وراثت چلی آرہی تھی - ایسی حکومت میں تو شیر خوار بچے بھی بادشاہ ہوتے رہے ہیں - لہذا اس سے عورت اور شیر خوار بچہ کی بادشاہت کے شرعی جواز پر استدلال صحیح نہیں - اور اگر کوئی کافر مرد یا کافرہ عورت اپنی کسی قوت و شوکت یا کسی حیلہ و تدبیر سے سلطنت پر قبضہ کرے تو ایسی حکومت کے متعلق فقہاء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ اس حکومت کو تسلیم کر لیا جائے - اور فتنہ سے بچنے کے لئے اس کی اطاعت کی جائے - دیکھو فتح الباری صہ ۱۰۹ ج ۱۳ بذیل شرح حدیث وان استعمل علیکم عبد حبشی اور فتح الباری صہ ۱۰۴ ج ۱۳ بذیل شرح حدیث لا یزال ھذا الامر فی قریش خلاصہ کلام یہ کہ شریعت میں جبراً و قہراً تسلط و تغلب کے

---

[1] قال الالوسی ولیس فی الایۃ ما یدل علی جواز ان تکون المرأۃ ملکۃ ولا حجۃ فی عمل قوم کفرۃ علی مثل ہذا المطلب - الخ تفسیر روح المعانی صہ ۱۷۱ ج ۱۹ -

احکام علیحدہ ہیں اور کسی کو اپنے اختیار سے امیر اور وزیر بنانیکے احکام جدا ہیں۔ اپنے اختیار سے کسی عورت کو امیر اور وزیر بنانا یا مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لئے اس کو منتخب کرنا یہ قطعاً حرام ہے۔

جس طرح مسلمانوں کے لئے یہ امر کسی طرح جائز نہیں کہ وہ اپنے اختیار سے کسی غیر مسلم یا کسی ملحد اور زندیق کو اپنا امیر بنائیں کما قال تعالیٰ ما جعل اللہ للکافرین علے المؤمنین سبیلا اسی طرح مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے اختیار سے کسی عورت کو اپنا امیر بنائیں۔ عورتیں دین اور عقل کے لحاظ سے بھی ناقص ہیں اور جسمانی قوتوں میں ان کی کمزوری اظہر من الشمس ہے۔ تنہا عورتوں کی فوج کسی سرحد کی حفاظت نہیں کر سکتی پس جو جنس نہ ملک کی حفاظت کر سکے اور نہ اسکی مدافعت کر سکے اور اپنے فطری ضعف اور نزاکت کیوجہ سے وصف شجاعت سے یکسر خالی ہو اور عقلی کمزوری کی وجہ سے آئے دن اوباشوں کے اغوا کا شکار ہوتی رہتی ہو۔ اس کو اسلامی حکومت میں شرعاً کوئی عہدہ نہیں دیا جا سکتا۔ اللہ تعالےٰ نے عورتوں کو مردوں کی کھیتی بنایا ہے۔ کما قال تعالےٰ نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ۔ عورتیں تمہاری کھیتی ہیں جن کی پیداوار اولاد ہے۔ تاکہ توالد اور تناسل کا سلسلہ جاری رہے۔ پس جبکہ عورتوں کی وضع ہی ولادت اور رضاعت اور تربیت یعنی بچوں کی پیدائش اور ان کو دودھ پلانے اور گودہ کھلانیکے لئے ہوئی ہے۔ تو ان کو حکومت کے لئے استعمال کرنا وضع الشی فی غیر محلہ ہے۔ یعنی اُن کو بے محل استعمال کرنا ہے۔ اور بے محل استعمال یہی حقیقت ظلم کی ہے۔ اور حکومت کا قیام عدل کے لئے ہوتا ہے پس جس حکومت کا آغاز ہی ظلم سے ہوگا۔ تو آئندہ عدل کی کیا توقع ہوگی بلکہ اگر امیر سلطنت مرد بھی ہو اور عورتیں اس پر ایسی حاوی ہو جائیں کہ اپنی منشاء کے مطابق اس سے احکام نافذ کرائیں تو ایسا امیر بھی قابل معزولی ہے۔ جیسا کہ فقہاء کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے کوئی بادشاہ کسی طاقتور دشمن کے ہاتھ قید ہو جائے کہ اب اس کی رہائی ممکن نہ ہو تو اس صورت میں اس کی امارت باطل ہو جاتی ہے۔ اور مسلمانوں پر فرض ہوتا ہے۔ کہ کسی آزاد کو اپنا امیر بنائیں۔

ابوسلمان شاہجہانپوری

اسلام میں عورت کی سربراہی

اور

مولانا آزاد

۳۰ اکتوبر ۶۴ء کے المنبر (لائل پور) میں "جماعت اسلامی کا دو ورقہ" کے عنوان سے مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا ایک مقالہ شائع ہوا ہے۔ مولانا نے اس میں "عورت کی امارت وصدارت کے بارے میں جماعت اسلامی کے حالیہ موقف پر نقد کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ جماعت اسلامی پاکستان نے عورت کی سربراہی کے باب میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے کسی فتوے سے بھی فائدہ اٹھایا ہے مولانا اصلاحی صاحب فرماتے ہیں۔

"سنا ہے کہ جماعت کو مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا بھی کوئی فتویٰ ہاتھ لگا ہے۔ اور جماعت کے اس تازہ فیصلے کی بنیاد اسی فتوے پر ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے۔ تو ہم اس پر جماعت کو مبارکباد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس بات پر مبارکباد نہیں کہ اس کو ایک نظیر حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی بلکہ جماعت کی حق کوشی، حق طلبی اور حق پرستی پر کہ باوجودیکہ جماعت کے پاس اس کے اپنے امیر کی لکھی ہوئی درجنوں کتابیں، اور رسالے عورت کی صدارت کی حرمت پر موجود ہیں اور جماعت ان کو عین دین سمجھ کر فروخت بھی کرتی ہے لیکن مس فاطمہ جناح کی صدارت کی حرمت کے مقابلے میں اس نے کسی پر اعتماد نہیں کیا۔ اعتماد کیا تو مولانا ابوالکلام آزاد پر، مومن کی شان حق کے معاملے میں یہی ہونی چاہیے۔ جہاں سے حق ملے اس کو لے۔ لوگ جماعت کو طعنہ دیتے تھے۔ کہ اس جماعت کے افراد اپنے امیر کے سوا کسی کو دین میں کوئی درجہ نہیں دیتے، کیا اب بھی اس شبہ کیلئے کوئی گنجائش باقی رہی، بیچاروں کی ہدایت طلبی کا عالم تو یہ ہے۔ کہ گھر کے گیس کے ہنڈوں اور بجلی کے قمقموں کو چھوڑ کر مولانا آزاد کے مزار تک پہنچ گئے۔ اور اس کے چراغ کشتہ سے بھی

استفادہ سے دریغ نہ کیا"

یہ تو ہمیں سمجھنے دیر نہ لگی کہ یہ "فتویٰ" کون سا ہو سکتا ہے۔ لیکن محض سنی سنائی بات کو بنیاد بنا کر جماعت اسلامی پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا جب تک یہ ثبوت بہم نہ پہنچ جائے۔ کہ واقعی جماعت نے مولانا آزاد کے کسی فتویٰ کو استعمال کیا ہے۔

لیکن اب اس بارے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا کہ جماعت واقعی مولانا کے فتوے کو استعمال کر رہی ہے چنانچہ جماعت اسلامی کے ایک ذمہ دار شخص مولانا کوثر نیازی صاحب (مدیر شہاب لاہور) کا ایک پمفلٹ "کیا عورت صدر مملکت ہو سکتی ہے" ۔ ہمارے سامنے ہے اس میں کوثر نیازی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

" ہمارے ہی دور کے ایک اور مشہور عالم دین مولانا ابوالکلام آزاد ہیں۔ اور انہیں اتفاق سے وہ حلقے آج بھی امام الہند مانتے ہیں۔ جو عورت کی سربراہی پر سب سے بڑھ کر "اسلام خطرے میں ہے" کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ مولانا آزاد مرحوم شروع شروع میں اس ضمن میں جو رائے رکھتے تھے۔ وہ ان کی ترجمہ شدہ کتاب "مسلمان عورت" سے ظاہر ہے۔ لیکن بعد میں انہوں نے اپنی رائے بدل لی اور ۵۲ء میں شیخ الازہر کے ایک فتویٰ کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے واضح الفاظ میں اعلان کیا "عورت اسلام میں سربراہ مملکت بن سکتی ہے"

" مولانا کا یہ بیان بہت سے اخباروں میں شائع ہوا تھا۔ اور چونکہ اس وقت وہ بھارت کے وزیر تعلیم تھے۔ اس لیے بھارتی پریس نے اسے خاص طور پر اہمیت دی تھی۔ یہ بیان بمبئی کے ایک انگریزی اخبار میسیج (message) میں بھی شائع ہوا تھا۔ اور بعد ازاں گجراتی اخبارات نے بھی اس کے ترجمے چھاپے تھے۔" کوثر نیازی صاحب کے اس بیان کے بعد ضروری ہو گیا ہے۔ کہ میرے علم میں جو چند باتیں ہیں انہیں عرض کر دوں۔

انقلاب مصر کے بعد جب شہنشاہیت کا مصر میں خاتمہ ہوا۔ اور جمہوریہ مصریہ کا قیام عمل میں آیا تو وہاں کی عورتوں نے بھی مطالبہ کیا کہ انھیں اسمبلی اور پارلیمنٹ کا ممبر بننے کا حق دیا جائے۔ اس پر وہاں کے مذہبی حلقوں میں یہ سوال زیر بحث آیا کہ "آیا عورت کو سیاست میں حصہ لینے اور اسمبلی اور پارلیمنٹ کا ممبر بننے کی اسلام اجازت بھی دیتا ہے یا نہیں" چنانچہ ایک استفتا کے جواب میں شیخ حسنین محمد مخلوف مفتی مصر نے ایک فتویٰ دیا کہ عورتیں اس مطالبہ میں اپنے دائرہ سے تجاوز کرنا چاہتی ہیں۔ اور یہ جائز نہیں۔ جب اس فتویٰ کا چرچا ہوا تو کسی اخباری نمائندے نے اس باب میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی رائے معلوم کی۔ مولانا آزاد نے مفتی مصر کی رائے سے اختلاف کیا اور بتایا کہ اسلام کی روح عورت

کے اس حق کو تسلیم کرتی ہے۔ اخبار ہی کے الفاظ ہیں کہ

"مصر کے مفتی کا جواب امام الہند مولانا آزاد نے دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام کا عام رجحان یہ ہے۔ کہ پولیٹیکل یا پبلک زندگی میں مردوں اور عورتوں میں امتیاز نہ رہے۔ (پرتاپ ۲۲ مئی ۱۹۵۲ء) اخباری اطلاع کے مطابق مولانا آزاد نے جنگ جمل کے موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لیڈرشپ کی مثال بھی پیش کی تھی۔ اور فرمایا تھا کہ کسی نے اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لیڈرشپ پر اس لئے اعتراض نہیں کیا کہ وہ عورت ہیں۔ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بیس سال بعد کا ہے۔ جب کہ صحابہ ابھی زندہ تھے۔"

مولانا آزاد سے اخباری نمائندے کا سوال اور مولانا کا جواب عام اخباری اطلاعی انداز میں ۲۱ مئی ۵۲ء کو ہندوستان کے ___ روزنامہ اخبارات میں شائع ہوا اور اسی تاریخ کو یا ۲۲ مئی کو پاکستانی اخبارات میں بھی یہ خبر آئی۔ ۲۵ مئی ۵۲ء کو مدینہ اخبار بجنور میں یہ خبر شائع ہوئی، اس کے علاوہ مولانا آزاد کا کوئی فتویٰ اس باب میں آج تک شائع نہیں ہوا بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ راقم سطور کی نظر سے نہیں گزرا۔ کوثر نیازی صاحب کا اشارہ بھی اس خبر کی جانب ہے۔

اس سلسلے میں چند ضروری باتیں عرض ہیں۔

(۱) مولانا آزاد سے کسی مستفتی نے فتویٰ نہیں پوچھا تھا نہ مولانا نے مفتی کی حیثیت سے جواب دیا۔

(۲) نہ مولانا کا یہ بیان فتوے کی ذیل میں آتا ہے۔ بلکہ اس قسم کا بیان بھی نہیں ہے جیسا کہ بعض اہم معاملات میں سیاسی آدمی بیان دیتے ہیں۔ اور آئے دن اخبارات میں جلی سرخیوں کے ساتھ ابتدا میں اس کے اہم نکات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے متون شائع ہوتے رہتے ہیں۔

(۳) مولانا آزاد کی یہ ایک رائے ہے جس کا انھوں نے اظہار کیا۔ زیادہ سے زیادہ ہم اس کے مفہوم کو مولانا سے منسوب کر سکتے ہیں۔ خبر کے الفاظ کا مولانا کو ذمہ دار قرار نہیں دے سکتے۔ اس کی تمام تر ذمہ داری اخباری نمائندے یا خبر رساں ادارہ پر عائد ہوتی ہے۔ اور ہمیں معلوم نہیں کہ وہ اخباری نمائندہ کس درجہ ثقہ اور ادارہ کس درجہ قابل اعتماد ہے۔

(۴) مولانا آزاد کے اس (مبینہ) بیان کی حیثیت بھی بنیادی طور پر "اختلاف کی ہے" بیان کی نہیں۔ یعنی انہوں نے کسی اخلاقی، سیاسی، شرعی ضرورت کے تحت کوئی بیان نہیں دیا تھا،

بلکہ ایک دوسرے شخص کی مبینہ رائے سے اپنے اختلاف کا اظہار کیا تھا۔

(۵) پھر جو کچھ بھی ہے اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ۔ کہ عورت سیاست میں حصہ لے سکتی ہے۔ اسمبلی اور پارلیمنٹ کی ممبر بن سکتی ہے۔ اور جن لوگوں کے نزدیک عورت کو یہ حق حاصل نہیں مولانا کو ان سے اختلاف ہے۔

(۶) مولانا آزاد نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ "عورت سربراہ مملکت بن سکتی ہے (چاہے مولانا کی رائے و خیال یہی ہو لیکن بیان یہ ہرگز نہیں۔

کوثر نیازی صاحب نے جو یہ فرمایا کہ "انہوں نے (یعنی مولانا آزاد) نے واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ۔

"عورت اسلام میں سربراہ مملکت بن سکتی ہے۔

اس جملے کو انہوں نے اپنی تحریر سے جدا علیحدہ سطر میں اور واوین سے نمایاں کر کے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ یہ الفاظ مولانا مرحوم کے ہیں۔ اور ثبوت کے لیے بھارتی پریس کا حوالہ دیا ہے۔ خاص طور پر بمبئی کے ایک انگریزی اخبار "بمبیئ" کا حوالہ دیا ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ بعد ازاں گجراتی اخبارات نے بھی اس کے ترجمے چھاپے تھے"۔

میں ایک طالب علم کی حیثیت سے یہ عرض کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں۔ کہ مولانا آزاد نے ہرگز یہ اعلان نہیں فرمایا کہ "عورت اسلام میں سربراہ مملکت بن سکتی ہے" نہ واضح الفاظ میں نہ غیر واضح الفاظ میں، نہ اخباری اطلاع ہی کے یہ الفاظ ہیں۔ نہ یہ مفہوم ہی مولانا کے الفاظ سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔ یہ قطعی جھوٹ اور مولانا آزاد پر بہتان ہے۔ اور مولانا کے بیان کو توڑ مروڑ کر سیاسی مصالح و اغراض کے لیے استعمال کرنے کی شرمناک مثال، مولانا کوثر نیازی صاحب پر شرعاً اخلاقاً اور قانوناً بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بتائیں کہ اردو، انگریزی، گجراتی کے کس اخبار یا رسالہ میں کہاں یہ الفاظ مولانا آزاد کے ہیں، کہ "عورت اسلام میں سربراہ مملکت بن سکتی ہے"۔ انہوں نے اخبار بمبیئ کا حوالہ دیا ہے۔ کہ کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ مولانا کے یہ الفاظ اس کے کس نمبر میں اور کس صفحہ و سطر میں ملیں گے۔ ہمیں خوشی ہوگی اگر وہ "بمبیئ" کے اس صفحہ کا فوٹو شائع فرما کر ہماری اس تردید و تکذیب کی تردید فرما دیں۔ لیکن ہمیں معلوم ہے۔ کہ وہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ اور چلیے ہم مان لیتے ہیں۔ کہ مولانا آزاد نے وہی فرمایا جو کچھ کوثر نیازی صاحب نے تحریر کیا ہے۔ جب بھی

جماعت اسلامی کے کسی رکن کو اب مولانا مرحوم کی اس رائے، بیان یا فتویٰ کو استعمال کرتے ہوئے شرم آنی چاہیئے۔ اس لئے کہ جب یہ بیان شائع ہوا تو جماعت اسلامی ہی کے ایک شعبے (دار العروبہ۔ راولپنڈی) نے اس کو مردود ٹھہرایا اور اس کے ایک رفیق طٰہٰ الیسین مرحوم نے جماعت کے اخبار کوثر یا الیشیا لاہور (جو ان میں سے اس وقت نکل رہا تھا) میں اس کے خلاف ایک مضمون لکھا جو اسی زمانہ میں شائع ہوا تھا (غالباً جون یا جولائی ۵۲ء میں) اور مولانا آزاد کے تمام بینہ مفروضہ دلائل کی تغلیط کی۔ جو آج جماعت اسلامی کے مخالفین دلائل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض وہی دلائل خود کوثر نیازی صاحب کی تحریر میں موجود ہیں۔ طٰہٰ الیسین مرحوم کے اس مضمون کے بارے میں یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ اس میں معلومات و دلائل مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کے تھے۔ اور الفاظ و ترتیب طٰہٰ الیسین مرحوم کی تھی۔ یہ بات خود مضمون نگار نے راقم الحروف سے بیان کی تھی۔

شاید یہ بات کہی جائے کہ طٰہٰ الیسین مرحوم جماعت کی ایک معمولی متفق تھے۔ اور دار العروبہ میں بحیثیت ملازم، اس لئے ان کی کسی رائے کی ذمہ دار جماعت اسلامی کیوں کر ہو سکتی ہے۔ (اگرچہ جماعت کا مسلک وہی ہو لیکن قانونی حیثیت سے ان کے بیان کی ذمہ داری جماعت پر عائد نہیں ہوتی) اور مسعود عالم ندوی مرحوم کا جو تعلق مضمون سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کے لئے کوئی شہادت ہم پیش نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہماری اس بات سے وہ نتیجہ نہیں نکلتا جو ہم نکالنا چاہتے ہیں۔ تو اس سلسلے میں عرض ہے۔ کہ ۵۲ء میں مولانا ابو الکلام آزاد کا بیان اخبارات میں شائع ہوا تو علمی حلقوں میں یہ مسئلہ موضوع بنا اور چونکہ اس مسئلے میں مولانا ابو الکلام آزاد کی رائے سامنے آئی تھی۔ اس لیے اسے کافی اہمیت دی جا رہی تھی۔ اس وقت کسی نے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب امیر جماعت اسلامی پاکستان سے بھی استفسار کیا۔ چنانچہ امیر جماعت نے مولانا آزاد کے خیالات کی تردید مناسب سمجھی (اگرچہ انہوں نے مولانا آزاد کا نام نہیں لیا۔) اور انہوں نے ستمبر ۵۲ء کے ترجمان القرآن میں اپنے خیالات کا اظہار کیا اور بحث کو مولانا آزاد کی رائے (کہ عورتیں اسمبلی اور پارلیمنٹ کی ممبر ہو سکتی ہیں) کی تردید اور مولانا کے استدلال کی تضعیف تک محدود رکھا۔ مضمون اس طرح شروع فرماتے ہیں۔

ہم سے پوچھا گیا ہے۔ کہ آخر وہ کون سے اسلامی اصول یا احکام ہیں جو عورتوں کی رکنیت

مجالس قانون سازی میں مانع ہیں۔ اور قرآن وحدیث کے وہ کون سے ارشادات ہیں جو ان مجالس کو صرف مردوں کیلئے قرار دیتے ہیں۔

امیر جماعت نے اس کے بعد مجالس قانون ساز کی حیثیت واضح کی ہے۔ اور پھر یہ ثابت کیا ہے۔ کہ عورتیں مجالس قانون ساز کی رکن بننے کی مجاز نہیں۔ مولانا آزاد کے مبینہ اخباری بیان میں جنگ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی لیڈرشپ سے استدلال کیا گیا تھا۔ اس لئے امیر جماعت نے بقیہ مضمون میں صرف اس استدلال کی کمزوری ثابت کرنے کے لئے زور قلم صرف کیا ہے اور اسی استدلال کی تضعیف پر مضمون ختم ہو جاتا ہے۔ آخری پیرے میں فرماتے ہیں۔

اس کے بعد جناب صدیقہؓ کے عمل میں آخر کیا دلیل باقی رہ جاتی ہے۔ جس کے بل بوتے پر کوئی صاحب علم یہ دعویٰ کر سکتا ہو کہ اسلام میں عورتیں بھی سیاست اور نظم مملکت کی ذمہ داری میں شریک قرار دی گئی ہیں ...... "انہیں کس نے کہا ہے۔ کہ اسلام کو اپنے ساتھ لے چلیں؟" کا جدھر جی چاہے شوق سے جائیں مگر کم از کم اتنی راست بازی تو ان میں ہونی چاہیئے۔ کہ حسب مقتدا کے در اصل وہ پیرو ہیں اسی کا نام لیں۔ بلا دلیل اسلام کی طرف وہ باتیں منسوب نہ کریں جن سے خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت اور قرون مشہود لہا بالخیر کی تاریخ صاف صاف انکار کر رہی ہے"

تحریر صاف غمازی کر رہی ہے۔ کہ روئے سخن کس کی طرف ہے!

اس زمانے میں پاکستان کے ایک رسالہ "الفرقان" نے بھی اکتوبر کے شمارے میں مولانا آزاد کے بیان پر تبصرہ کیا۔ مولانا کے بیان کی اشاعت کے بعد جماعت اسلامی کے ایک حلیف مولوی متین خطیب صاحب کراچی نے بھی ایک بیان میں مولانا آزاد کی رائے اور جنگ جمل سے استدلال کی تغلیط فرمانا ضروری خیال کی تھی۔ یہ دوسری بات ہے۔ کہ آج وہ بھی پاکستان کی صدارت کی خاتون امیدوار کی کامیابی کے لئے تن من دھن سے سعی فرما رہے ہیں۔ لیکن اب انہیں اس امر پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ وہ جو ہر جمعہ کو خطبہ میں بڑے زور اور قرأت کے ساتھ "النساء حبالۃ الشیاطین" فرماتے ہیں۔ اب اس کا دور بیت گیا۔ اس لئے کم از کم خطبہ جمعہ میں سے تو اس جملے کو نکال دینا چاہیئے۔ تاکہ عقیدہ و عمل میں یکسانیت ہو جائے۔

پس یہ بات کس درجہ ناانصافی کی ہے۔ کہ مولانا آزاد کی ایک رائے جو ایک خاص معاملہ میں، ایک خاص وقت تک جماعت اسلامی کے مسلک کے خلاف ہوتی ہے

تو جماعت اسلامی کا علمی شعبہ، جماعت کا امیر اور اس کا حلیف اس رائے کی تغلیط کرتا ہے۔
پھر جب جماعت کا موقف اس معاملہ میں بدل جاتا ہے۔ تو مولانا آزاد کی اس رائے کو جماعت اپنی سیاسی اغراض کے لئے بلا تکلف اور بلا جھجک استعمال کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اور اس کا ڈھنڈورا پکار کر کہتا ہے۔ کہ ہمارے دور کے ایک اور مشہور عالم دین مولانا ابوالکلام آزادؒ کی یہ رائے ہے۔

پھر یہ بات بھی قطعی غلط ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد ان کے دور کے عالم دین ہیں۔ وہ اپنے ہی عقیدے کے خلاف ایک بات کہہ رہے ہیں۔ ان کے دور کے سب سے بڑے اور مشہور عالم دین "ابوالکلام" نہیں" "ابوالاعلیٰ" ہیں۔ اور وہ نہ صرف مشہور عالم دین بلکہ مفکر اسلام ہیں۔ اس حیثیت سے ہم بھی انکار نہیں کر سکتے۔ حال ہی میں اسلام کے بارے میں ان کے فکر و نظر نے جو لولوئے لالہ بکھرے ہیں اگر اسے دعوت اسلامی کی تاریخ میں جلد فراموش کر دیا جائے تو یہ تاریخ کی بڑی احسان فراموشی ہوگی۔
کوثر نیازی صاحب نے اپنی اسی تحریر میں ان حضرات کو جو جماعت اسلامی کے موجودہ موقف کے خلاف ہیں۔ بیک جنبش قلم مولانا آزاد کا عقیدت مند لکھ دیا ہے۔ گویا آج کوئی عورت کی سربراہی سے اختلاف کرے، جماعت اسلامی کی سیاسی مطلب براری میں اس کا ساتھ نہ دے وہ "امام الہند" کا حلقہ بگوش فرماتے ہیں۔
"ہمارے ہی دور کے ایک اور مشہور عالم دین مولانا ابوالکلام آزاد ہیں اور انہیں اتفاق سے وہ حلقے آج بھی امام الہند مانتے ہیں۔ جو عورت کی سربراہی پر سب سے بڑھ کر "اسلام خطرے میں ہے" کا نعرہ لگا رہے ہیں۔

اس سلسلے میں بھی چند باتیں عرض ہیں۔

(۱) جو حلقے مولانا کو امام الہند مانتے ہیں ان کے متعلق کوثر نیازی صاحب نے یہ کیسے سمجھ لیا۔ اور فیصلہ کر لیا کہ وہ مولانا کی ہر رائے کو فتوی اور ہر مشورہ کو حکم سمجھتے ہیں؟ مولانا آزاد کی اس بارے میں کیا رائے تھی؟ اور کسی مذہبی عالم کی رائے اور اس کے فتوے میں کیا فرق ہوتا ہے؟ اس پر تو ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔ یہاں پر ایک بات

غرض ہے۔ کہ اگر آج مولانا زندہ ہوتے اور وہ حکم بھی دیتے (حالانکہ یہ محض اور وہ بھی بعید از قیاس ہے) تو کیا کوثر نیازی صاحب اس حلقے سے توقع رکھتے ہیں۔ کہ وہ اپنے ملک کے مفاد کے بارے میں خود سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کی بجائے آنکھیں بند کر کے مولانا کے حکم کے مطابق کسی فریق کا ساتھ دیتا؟ اگر کوثر نیازی صاحب ایسا سمجھتے ہیں۔ تو ہم عرض کریں گے۔ وہ ایک شدید بدگمانی یا حد درجہ خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔

(۲) پھر یہاں مولانا کی امامت اور ان کے حلقے کا کیا سوال؟ مولانا کو ایک خاص دور میں دینی و شرعی مصالح کے تحت امام منتخب کیا گیا۔ پھر وہ دور بھی بیت گیا۔ حضرت مولانا بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اگر ان کی امامت کا کوئی حلقہ کہیں تھا بھی تو ان کی وفات کے ساتھ سب کی گردنوں سے اتر گیا۔ امام کی امامت ہوتی ہے۔ ختم رسالت تو نہیں کہ تاقیام قیامت اس کا حلقہ وسیع ہو۔ اب اگر حالات کسی کی امامت کے مقتضی ہیں۔ تو امام زندہ ہونا چاہئے۔ صرف یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ مولانا اپنے پیچھے علوم و معارف کا بیش بہا ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں۔ ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اب ان کی امامت کا کوئی حلقہ پاکستان یا ہندوستان میں موجود نہیں۔

(۳) جب ان کو امام بنایا گیا تھا تب بھی اس کا ایک خاص مقصد تھا۔ یعنی "جماعتی زندگی کا قیام و استحکام" اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ جس نے ان کو امام تسلیم کرایا پھر وہ کسی سیاسی، عمرانی، معاشی، دینی و دنیوی مسئلے میں ان کی رائے سے اختلاف ہی نہیں کر سکتا۔ اور اگر اختلاف کرے گا تو جماعت یا حلقے سے خارج ہو جائے گا۔ بلکہ امام کی اتباع انہیں معاملات میں لازم ہوگی۔ جن میں وہ دینی حیثیت سے جماعت کے عام مصالح اور مفاد کے پیش نظر شریعت کا حکم واضح کر دے۔

یہ ظاہر ہے کہ مولانا نے سیاست میں حصہ لینے یا نہ لینے، اسمبلی اور پارلیمنٹ کا ممبر بننے یا نہ بننے کے بارے میں شریعت کا حکم واضح کر کے جماعت اور حلقے کے لئے اس کی واجب التعمیل نہیں ٹھہرایا تھا۔ بلکہ محض ان کی ذاتی رائے تھی۔ پس اگر کوئی شخص جو ابوالکلام کا عقیدت مند ہے۔ اور وہ ابوالکلام کی کسی رائے سے اختلاف بھی کرتا ہے۔ تو بات باعث انگشت نمائی کیوں کر ہو سکتی ہے۔

(۴) حقیقتاً یہاں کسی ایسے شخص کے سامنے جو اپنے آپ کو ابوالکلام آزاد کا عقیدت مند کہلاتا رہا ہے

یہ سوال ہی نہیں کہ ابوالکلام کی رائے صحیح تھی یا غلط؟ بلکہ سوال پاکستان کے ایک عملی سیاسی مسئلہ کا ہے۔ اول تو مولانا کے ہر عقیدت مند کا ان کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں۔ پھر اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ عورت کے سیاست میں حصّہ لینے کے باب میں ابوالکلام ہی کی فکر کا حامل ہے۔ جس طرف کوثر نیازی صاحب نے اشارہ کیا ہے۔ تب بھی مولانا کی اس رائے سے عقیدت مندوں پر یہ کہاں لازم آتا ہے۔ کہ پاکستان کی صدارت کے دو امیدواروں میں بہر صورت خاتون امیدوار کی طرفداری کریں۔ مولانا کے مفروضہ واضح بیان سے جو بات اخذ کی جا سکتی ہے۔ وہ صرف اتنی ہے کہ "محترمہ فاطمہ جناح پاکستان کی صدارت کے انتخاب میں حصہ لینے کی مجاز ہیں۔ اور بس! اور یہ حق تو ان کو پاکستان کے دستور نے پہلے ہی دے رکھا ہے۔ اور پاکستان کے دستور کی اس غیر اسلامی دفعہ" (جماعت اسلامی کے نزدیک) سے اس کے مخالفین فائدہ اٹھاتے ہوئے ہی محترمہ فاطمہ کے حق میں کام کر رہے ہیں۔ مولانا کی رائے سے یہ حکم تو نہیں نکالا جا سکتا ہے۔ کہ مولانا کے ہر عقیدت مند کو ان کی طرفداری ہی کرنی چاہیئے۔

ہمارے سامنے مسئلہ یہ نہیں ہے۔ کہ عورت سیاست میں حصّہ لے سکتی ہے یا نہیں؛ وہ صدارت کی امیدوار بن سکتی ہے یا نہیں۔ بلکہ صرف یہ ہے کہ صدارت کے دو امیدواروں میں جن میں اتفاق سے ایک امیدوار خاتون ہے۔ اپنے علم وفضل بصیرت۔ دانائی، صلاحیت و قوت، کارکردگی اور خدمات کے اعتبار سے بلکہ اس اعتبار سے بھی کہ آئندہ ملک کا مستقبل کس کے ہاتھوں محفوظ رہے گا۔ کون صدارت کا صحیح امیدوار ہے۔ اس صورت میں اگر کسی عقیدتمند آزاد کا فیصلہ مرد امیدوار کے حق میں جاتا ہو تو اس پر اعتراض وطعن کا کون سا موقع ہو سکتا ہے؟ "ہاں! اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس کا فیصلہ صحیح نہیں تو اپنی رائے کے حق میں اور اس کی تغلیط میں دلائل دے سکتا ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ اسلام خطرے میں ہے یا نہیں۔ اور آئندہ کسی مرد یا خاتون کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد ہمارے ملک میں اس کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس بارے میں ملک میں اچھا خاصہ ایک طبقہ موجود ہے۔ جو کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں، یوں بھی ربع صدی سے زائد عرصہ میں "اسلام خطرہ میں ہے" کے اس قدر نعرے سنے جا چکے ہیں۔ کہ اب اس نعرہ میں کوئی دلکشی باقی نہیں رہی۔

مولانا آزاد کی رائے یا فتویٰ؟

اب آپ ان تمام باتوں کو نظر انداز کر کے مان لیجیئے کہ مولانا آزاد کا اخباری بیان ان کے الفاظ میں ہے۔ اور انھوں نے صاف اور واضح الفاظ میں بیان کیا ہے کہ "عورت اسمبلی اور پارلیمنٹ کی ممبر ہو سکتی ہے۔ اور مردوں کے شانہ بشانہ ملکی سیاسیات میں حصہ لے سکتی ہے۔ اور وہ سربراہ مملکت بھی بن سکتی ہے۔ اور اسلام کی روح اس کے اس حق کو تسلیم کرتی ہے۔ اور ان کو بھی ہم مولانا کے الفاظ مان لیتے ہیں۔ کہ اسلام کا عام رجحان پولٹیکل اور پبلک زندگی میں یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں میں امتیاز نہ رہے۔ پھر بھی کیا ہم مولانا کی اس رائے یا بیان کو "فتویٰ" "مصطلحہ فقہ اسلامی قرار دے سکتے ہیں؟ اس کے لئے ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا پڑیگا کہ کسی عالم کی رائے و بیان اور اس کے فتوے میں فرق ہوتا ہے۔ چونکہ اس سوال کے جواب کی روشنی میں ہم مولانا آزاد کے مفروضہ بیان کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ اس باب میں خود مولانا آزاد ہی کی رائے معلوم کر لی جائے۔ اور اس روشنی میں یہ فیصلہ کر لیا جائے کہ مولانا آزاد کا بیان خود مولانا کی نظر میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟

۱۵/ اکتوبر ۱۹۲۷ء کے الہلال میں ایک مراسلت کے جواب میں "اسلام اور سزائے قتل" کے عنوان سے لکھتے ہیں۔ آپ نے غالباً بعض اخباروں کے مضامین دیکھ کر یہ رائے قائم کر لی ہے کہ مسلمان لیڈروں اور جمعیۃ العلماء نے فتویٰ دے دیا ہے۔ لیکن اگر آپ کو مسلمان کی اصطلاح فتویٰ کی حقیقت معلوم ہوتی۔ جو بہت ہی معمولی اور عام ہے۔ تو کبھی یہ بات آپ کے قلم سے نہ نکلتی۔ آپ لیڈروں کے ساتھ فتویٰ کا لفظ نہ نکالتے۔ آپ سے یہ غلطی بھی نہ ہوتی کہ ان تمام باتوں کو جو کسی لیڈر یا عالم نے عام مجلس کے ہونے کی حیثیت سے کہی ہیں۔ یا اپنے اپنے انداز طبیعت کے مطابق نرم گرم خیالات ظاہر کئے ہیں "فتویٰ" قرار دیدیتے بلا شبہ ان تمام باتوں پر اس حیثیت سے نظر ڈال سکتے ہیں۔ کہ کہاں تک موزوں ہیں یا ناموزوں ہیں لیکن انہیں فتویٰ کے لفظ سے تعبیر نہ کرتے، کیونکہ وہ فی الحقیقت فتویٰ نہیں ہیں۔ غالباً آپ کا خیال یہ ہے۔ کہ جب کبھی کسی معاملے پر ایک مسلمان مذہبی قسم کی کوئی بات کہے تو وہ فتویٰ ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس طرح تو وہ ساری باتیں جو مسلمان جلسوں میں کہتے ہیں یا اخباروں میں لکھتے ہیں۔ فتویٰ ہو جائیں گی۔ فتویٰ مسلمانوں کے دینی علوم کی ایک اصطلاح ہے۔ اور اس کا اطلاق

صرف اس بیان پر ہوتا ہے۔ جو ایک مستند عالم دین اس حیثیت سے دیتا ہے۔ کہ فلاں مسئلہ میں اس کے نزدیک شریعت کا حکم یہ ہے۔ جب تک ایک عالم شرع اس حیثیت سے ایک بیان نہ دے وہ فتویٰ نہیں ہے۔ اور کوئی مسلمان بھی اسے فتویٰ نہیں سمجھے گا ـــــ مسلمانوں میں شرعی حیثیت سے فتویٰ اس وقت دیا جاتا ہے۔ کہ مسلمانوں کا کوئی فرد یا جماعت اس پر عمل کرے۔

جمعیت العلماء کی نسبت یہ سمجھ لینا کہ چونکہ وہ علما کی انجمن ہے۔ اس لئے اس کی جانب سے جو کچھ بھی کہا جاتا ہے۔ فتویٰ ہے۔ کس درجہ ناواقفیت کی بات ہے۔ وہ ایک انجمن ہے۔ اور اس حیثیت سے وہ تمام طریقے اظہار رائے کے عمل میں لاتی ہے۔ جو دنیا کی تمام انجمنیں عمل میں لایا کرتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجاتا ہے۔ جس پر وہ کاروائی کرنا ضروری سمجھتی ہے۔ تو تجویز کی شکل میں کوئی بات ترتیب دیتی ہے۔ اور اسے منظور کرکے شائع کر دیتی ہے۔ اس معاملہ پر بھی اس نے ایک تجویز منظور کی اور غالباً لاہور میں جمعیت عاملہ (ورکنگ کمیٹی) کا ایک جلسہ کرکے اس کا اعلان کر دیا، وہ جمعیت العلماء کی ایک تجویز ہے۔ یقیناً لوگوں نے اسے اس درجہ اہمیت دی ہوگی۔ جس درجہ وہ اہمیت جمعیت العلماء کی تجاویز کو دیا کرتے ہیں۔ لیکن وہ فتویٰ نہیں ہے۔ کیوں کہ فتویٰ دینے کی اس معاملے میں گنجائش ہی نہ تھی۔ آپ جمعیت کی ایک تجویز کو فتویٰ کہہ رہے ہیں۔ مولانا کی تحریر سے صاف اور واضح طور پر یہ باتیں معلوم ہوگئیں ـــــ

اولاً۔ کسی مذہبی عالم، مفتی یا کسی مذہبی جماعت کا ہر بیان، رائے اور تجویز فتویٰ نہیں ہوتی۔

ثانیاً۔ جب تک ایک مستند عالم دین اس حیثیت سے کوئی بیان نہ دے کہ فلاں مسئلہ میں اس کے نزدیک شریعت کا حکم یہ ہے۔ اس وقت تک اس بیان کو فتویٰ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ثالثاً۔ فتویٰ اس وقت دیا جاتا ہے۔ جب کسی خاص معاملہ میں شرعی حکم واضح کر دینا ہو۔ تاکہ مسلمانوں کا کوئی فرد یا جماعت اس پر عمل کرے اب آپ غور فرمائیے۔ کہ مولانا کا (مفروضہ) بیان فتویٰ قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولانا نے کوئی ایسا بیان نہیں دیا تھا۔ جس میں شریعت کا حکم واضح کیا گیا ہو۔ نہ انہوں نے یہ دعویٰ ہی کیا کہ ان کے نزدیک شریعت کا "حکم یہ ہے"۔ نہ ان سے مصری حکومت یا عوام نے یہ پوچھا تھا۔ کہ ہمیں بتائیے کہ ہم اپنے ملک کے موجودہ حالات میں کیا موقف اختیار کریں۔ نہ مسئلے کی علمی حیثیت تھی نہ عملی۔ ایک اخباری نمائندے

نے محض تفنن طبع کے طور پر ایک سوال کیا اور مولانا نے اپنی رائے ظاہر فرما دی۔ مولانا ایک عالم دین ہونے کی حیثیت سے فتویٰ دے سکتے ہیں۔ لیکن فتویٰ کا وہاں موقع ہی کیا تھا۔؟ اور ان سے کسی نے فتویٰ پوچھا ہی کب تھا؟ پس مولانا کے انکار کی روشنی میں بھی ان کا بیان (اگر ہو تو) بھی فتویٰ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ایسی صورت میں کسی کے لئے یہ کیوں کر جائز ہو سکتا ہے۔ کہ وہ مولانا کے بیان کو فتویٰ کے طور پر استعمال کرے۔

مولانا آزاد کی آخری رائے؟

پچھلے صفحات میں ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں۔ کہ کوثر نیازی صاحب نے مولانا آزاد کے جس بیان کے حوالے سے مولانا کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ کہ عورت اسلام میں سربراہِ مملکت ہو سکتی ہے۔ یہ بات قطعی طور پر خلاف واقعہ ہے۔ مولانا کے ہرگز یہ الفاظ نہیں ہیں۔ یہ کوثر نیازی صاحب کی دماغی اپچ ہے۔ نیز یہ کہ مولانا کا بیان جس صورت میں ہمارے سامنے آیا ہے۔ ہم اسے مولانا کا اعلان و بیان کہہ نہیں سکتے۔ اس لئے کہ مولانا نے اس مسئلہ کے مالہ و ماعلیہ پہ کوئی بیان نہیں دیا۔ ایک اخباری نمائندے کے جواب میں اپنی رائے ظاہر فرمائی تھی۔ مولانا کی یہ رائے اخبارات تک اس نمائندے اور کسی خبر رساں ادارہ کے ذریعہ پہنچی۔ اور ہم اس شخص کے بارے میں اتنا بھی نہیں جانتے کہ آیا وہ مسلمان تھا یا غیر مسلم، پس جب تک راوی معتمد ثابت نہ ہو جائے روایت کو کسی دینی و شرعی معاملے میں دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ یہاں صورت یہ ہے۔ کہ روایت کے ان الفاظ کو بھی بالیقین مولانا آزاد کا نہیں کہا جا سکتا جن کو اخبارات میں مولانا سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس اخباری اطلاع کی روشنی میں صرف یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ مولانا کے نزدیک عورت پارلیمنٹ کی ممبر ہو سکتی ہے۔ اگر کوثر نیازی صاحب چاہئیں تو اس سے وہ مفہوم اخذ کر سکتے ہیں جو ان کا مطلوب ہے۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ مولانا کی اس بات میں دراصل رائے کیا تھی؟ تو اس بارے میں حضرت مولانا کی کوئی تحریر ہماری نظر سے نہیں گذری۔ البتہ مولانا کے سیکرٹری محمد اجمل خاں کا ایک خط محمد یونس خالدی صاحب (لکھنو) کے نام ہے۔ اس سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے۔ کہ المرأۃ المسلمہ (مسلمان عورت) پر تبصرہ (مطبوعہ الندوہ نومبر، دسمبر ۱۹۰۵ء فروری ۱۹۰۶ء) میں مولانا نے فرید وجدی کے جن خیالات کی تائید کی تھی۔ بعد میں مولانا کی وہ رائے نہیں رہی تھی۔ اتفاق سے محمد اجمل خان صاحب کا یہ خط بھی ۱۹۵۲ء (۱۲ نومبر) کا ہے۔ اجمل خاں صاحب نے

تحریر فرمایا کہ :-

حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ یہ مضامین پندرہ سولہ برس کی عمر میں لکھے گئے تھے - ان میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن میں میری رائے بدل گئی ہے - اور بہت سی باتیں اب میں صحیح نہیں سمجھتا - لہٰذا ان کے چھپوانے کی اجازت نہیں دے سکتا -

فرید وجدی نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے - وہ نہایت سطحی ہے - اور علمی تحقیق کے خلاف ہے - مولانا شبلی مرحوم کی فرمائش پر میں نے ریویو لکھ دیا تھا - اس وقت میری معلومات محدود تھیں - اسے میں صحیح نہیں سمجھتا اسی طرح دوسری معلومات کا بھی حال ہے " اس سے یہ تو معلوم ہو جاتا ہے - کہ " المراۃ المسلمہ " کے خیالات میں سے بہت سی باتیں ایسی ہیں جن سے مولانا کو اتفاق نہیں رہا - لیکن وہ کیا باتیں ہیں - جن سے اتفاق نہیں - کونسی باتیں ان کے نزدیک سطحی اور صحیح نہیں اور مولانا کے پاس اپنی رائے کے ثبوت میں کیا دلائل تھے - اور کیا علمی تحقیقات ان کے پیش نظر تھیں ؟ اس بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے - اور صرف اس قدر علم پر کہ مولانا کی رائے بدل گئی تھی ؛ یقین واعتماد کے ساتھ ان کی آخری رائے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے -

آخری گذارش

آخر میں گذارش ہے - کہ پاکستان کی سیاست میں ہمارے دوستوں کی جو کچھ بھی رائے ہو وہ اسے ضرور پیش کریں دوسروں سے منوانے کی بھی کوشش کریں - ہمیں معلوم ہے - کہ جماعت اسلامی کے پاس پاکستان کی صدارت کی خاتون امیدوار کے حق میں عقلی و نقلی دلائل کی کمی نہیں - لیکن مناسب یہ ہوگا کہ مخالفین کو ملک کے بہترین مفاد اور جمہوریت کا واسطہ دیجئے - یا ان کو اپنے دلائل سے مطمئن کیجئے - فتوؤں کی بازی گری خوب نہیں -

آخر اس کا کیا نتیجہ نکلا کہ آپ نے دار العلوم دیوبند کا فتویٰ پیش کیا ، وہیں سے اس کی تردید ہو گئی کہ آپ نے استفتا اور فتویٰ کو قطع و برید کر کے شائع کیا اس سے ایک سیاسی فائدہ اٹھانا چاہا - اس طرح آپ نہ صرف صحافتی بددیانتی کے مرتکب ہوئے بلکہ آپ نے ایک تعلیمی ادارہ کو بھی دانستہ یا نادانستہ نقصان پہنچانا چاہا (اخبار مدینہ بجنور ۲۱ نومبر ۲۵ نومبر ۱۹۶۴ء)

مولانا اشرف علی تھانوی کا فتویٰ شائع کیا گیا - ایک صاحب دلائل سے ثابت کرتے ہیں - کہ حضرت تھانوی کے سامنے جو حالات تھے - وہ پاکستان میں نہیں ہیں - اور اس لئے فتویٰ کا انطباق کیا جا رہا ہے - اس کو اپنی سیاسی اغراض کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے -

اور یہ بات دیانت کے خلاف ہے۔ (تعمیر حیات لکھنؤ ۲۵ اکتوبر، مدینہ بجنور ۱۳ نومبر ۶۴ء) کراچی کے ایک مفتی کا فتویٰ شائع ہوتا ہے۔ لیکن تصدیق کی جاتی ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض ناعاقبت اندیشوں نے ان کے فائل سے کچھ کاغذات اڑا لئے اور ان کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ اب ایک نیا درد سر یہ مول لیا کہ مفتی صاحب پر پہرہ لگا دیئے۔ کہ وہ خاموش رہیں۔ اور کہیں تردیدی بیان نہ شائع کر دیں۔

ہمارا خیال ہے کہ جماعت اسلامی کو ان فتوؤں کے لئے ہرگز فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر یہ فتوے نہ ہوتے جب بھی تو اسے الیکشن لڑنا ہی تھا۔ پھر جب اس کا امیر خود "صاحب حکمت" ہے۔ اور شریعت کے اصولوں میں تبدیلی تک کر دینے کا "مجاز" ہے۔ تو ان مولویوں مفتیوں کے فتوؤں کی حقیقت ہی اس کے نزدیک کیا رہ جاتی ہے۔

مانو نہ مانو جان جہاں تم کو اختیار
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

مصلحت کی قربانگاہ پر دین کی قربانی

○ — محمد سالم قاسمی مدیر میقات دیوبند

"غلافِ کعبہ کی نمائش" کے پسِ پردہ ماضی قریب میں "جماعت اسلامی پاکستان" کے سربراہوں نے عوام کے دینی شعور سے خالی ذوق وشوق کی جس طرح حوصلہ افزائی کی تھی۔ اس کی افسوسناک داستانیں ابھی حقیقت پسند ذہنوں سے محو نہیں ہوئیں۔ وہ اس وقت بھی جانتے تھے کہ عام قاعدے کے مطابق جماعتِ اسلامی پاکستان بھی عوام کو "اقامت دین" کے دلکش عنوان سے بڑی حد تک متاثر کرنے کے بعد اپنے بارے میں "عوام پسندی" کے فریب کا شکار ہو گئی ہے۔

"عوام پسندی کا فریب" جماعتوں کی زندگی میں اس مقام سے عبارت ہے۔ کہ جہاں پہنچ کر جماعتیں اس غلط پندار میں مبتلا ہو جایا کرتی ہیں۔ کہ اب عوامی ذہن پر ہمارا سکہ بیٹھ چکا ہے۔ اور اب صحیح وغلط کے امتیاز کے بغیر ہماری بات بہر صورت وزنی سمجھی جائے گی۔

"غلافِ کعبہ کی نمائش میں" جماعتِ اسلامی پاکستان" کی فکری اور عملی ہمنوائی اور جدوجہد عوامی نظروں میں ایک مقبول عوام سیاسی موقف بنانے کیلئے دین وشاطری کا ایک ایسا آمیختہ تھا۔ کہ اچھے اچھے خواص بھی اس سے حواس باختہ ہو گئے تھے۔ پھر تا بہ عوام چہ رسد؟ اور پھر جماعت کے اس مکرد عمل کی تاریکی پردہ وہ "مصنوعی تجلیاں" بکھیری گئیں۔ کہ بزعم خود بیناؤں کو بھی نابینا کر دیا۔ اور اس لغویت کو حق بجانب ثابت کرنے کیلئے ایسے ایسے عوام فریب سنگین دلائل تراشے گئے۔ کہ بخیالِ خود مکہ کے فاران پہاڑ کو بھی ان کے مقابلے پر احساسِ نزاکت میں مبتلا کر دیا۔

بہر حال جن حقیقت پسند نگاہوں نے جماعتِ اسلامی پاکستان کی غلاف کعبہ کی نمائش کی بھرپور تگ ودو کا وہ دلچسپ تماشہ دیکھا تھا کہ جس میں "اقامت دین" کے بصارت نواز نام پر ہوسناکی اقتدار کے بصیرت سوز کرتب بڑی مہارت سے پیش کئے گئے تھے۔ اب وہی نگاہیں مس فاطمہ جناح کے صدارتی الکشن میں جماعتِ اسلامی پاکستان کی بھرپور تائید وحمایت کا بھی معائنہ کر رہی ہیں کہ جس میں ازراہِ بہی خواہی عوام بڑی دلسوزی اور مکمل عوامی ہمدردی کے تحت نصوص ودرایات دین

ہیں مصالح وقت کے مطابق نہ صرف "موزوں ترمیمات" کر کے ہی ملت پر احسان فرمایا گیا ہے ۔ بلکہ من مانی کاروائیوں کے لئے امت کو یہ آسانی بھی فراہم فرما دی گئی ہے ۔ کہ خاص حالات میں اگر دینی پابندیوں کو بالائے طاق بھی رکھ دیا جائے تب بھی دینداری میں کوئی فرق نہیں آئے گا ۔ اور بہمہ ست ہا کو اگر کوئی فرق نظر بھی آئے تو اس سے بنتا کیا ہے؟ جبکہ "جماعت" کو ایسی آنکھوں والے میسر ہیں کہ جن کو ان سربراہان کرام کی زندگیوں میں صحابہ کی زندگیاں رچی ہوئی نظر آتی ہیں ۔

اگر بارہ سال قبل" یہ سچ "بہ نیت سچ نہیں بولا گیا تھا کہ :-

"(عورت کو) جسے اللہ نے گھر میں قوام نہ بنایا ہو بلکہ قنوت (اطاعت شعاری) کے مقام پر رکھا آپ اسے تمام گھروں کے مجموعے یعنی پوری مملکت میں قنوت کے مقام سے اٹھا کر قوامیت کے مقام پر لانا چاہتے ہیں؟ گھر کی قوامیت سے مملکت کی قوامیت تو زیادہ بڑی اور اونچے درجہ کی ذمہ داری ہے ۔ اب کیا اللہ کے متعلق آپ کا یہ گمان ہے ۔ کہ وہ ایک گھر میں تو عورت کو قوام نہ بنائے گا ۔ مگر کئی لاکھ گھروں کے مجموعے پر اسے قوام بنا دیگا ۔ (ترجمان القرآن ذی الحجہ سنہ ۷۱ھ دسمبر سنہ ۵۲ء)

تو یقین کیجئے کہ بارہ سال بعد اب یہ جھوٹ بھی بہ نیت جھوٹ نہیں بولا جا رہا ہے کہ :-

خاص حالات میں اس انتخاب (یعنی مس فاطمہ جناح کے صدارتی انتخاب) کو قبول کر لینا شرعاً ناجائز نہ ہوگا ۔ (جماعت اسلامی کی مجلس شاورت کا فیصلہ مطبوعہ المنبر لائلپور اکتوبر سنہ ۶۴ء)

آپ جماعت اسلامی کے فیصلوں کے اس تضاد سے اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جایئے گا کہ اس سے ایک شرعی ضابطہ ٹوٹا جا رہا ہے ۔ شرعی قاعدے کی کیا مجال کہ جو ٹوٹ جائے جبکہ خود توڑنے والے اس کو اپنی جگہ علیٰ حالہٖ قائم رکھنے کا حکم دے چکے ہیں، چنانچہ اسی فیصلے میں یہ بھی ارشاد ہے کہ :-

"اس کے ساتھ جماعت یہ امر بھی پوری طرح واضح کر دینا چاہتی ہے ۔ کہ اصل شرعی قاعدہ علی حالہ قائم ہے ۔ اور موجودہ غیر معمولی حالات میں اس طرح کا کوئی فیصلہ آئندہ کیلئے نظیر نہیں بن سکتا ۔

کیا اب بھی جماعت اسلامی پاکستان کے اربابِ بست و کشاد کے بارے میں فاران کراچی کی اس رائے میں شبہ کی گنجائش ہے کہ :-

"ان کو دیکھ کر صحابہ کا نمونہ سامنے آجاتا ہے ۔

بلکہ ہم تو سمجھتے ہیں کہ صاحبِ فاران نے یہاں بھی تواضع سے ہی کام لیا کیونکہ صحابہ رضی میں

سب اوصاف تھے لیکن خود شارع بننے کی اہلیت نہیں تھی۔ اور یہاں جماعت کو نصوص و شرائع میں قطع و برید کرنے کسی حکم کو حسبِ منشا اور حسبِ موقعہ ناقابلِ عمل قرار دینے اور کسی حکم کے لئے مطابق مصلحت وقت متعین کر دینے کے تمام حقوق حاصل ہیں۔

اب اخیر میں جماعت کے فیصلے کا اصل متن بھی ملاحظہ فرما لیجئے جو یہ ہے۔

"جماعتِ اسلامی کی مجلسِ مشاورت کا تاریخی فیصلہ"

اب کافی غور اور مشورے کے بعد جماعت جس نتیجے پر پہنچی ہے وہ یہ ہے۔ کہ شریعت میں جو چیزیں حرام ٹھہرائی گئی ہیں ان میں سے بعض کی حرمت تو ابدی اور قطعی ہے۔ جو کسی حالت میں حلت سے تبدیل نہیں ہو سکتی۔ اور بعض کی حرمت ایسی ہے۔ جو شدید ضرورت کے موقع پر ضرورت کی حد تک جواز میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ اب یہ واضح ہے۔ کہ عورت کو امیر بنانے کی ممانعت ان حرمتوں میں سے نہیں ہے۔ جو ابدی اور قطعی ہیں۔ بلکہ دوسری قسم کی حرمتوں ہی میں اس کا شمار ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہمیں ان حالات کا جائزہ لیکر دیکھ لینا چاہیے۔ جن میں یہ مسئلہ ہمارے سامنے آیا ہے۔ حالات یہ ہیں۔ کہ موجودہ صدر کے گذشتہ چھ سالہ دور اقتدار میں ملک دینی، اخلاقی اور سیاسی و معاشی حیثیت سے سخت تنزل کا شکار ہوا ہے۔ جماعت اسلامی کے علاوہ دوسری اپوزیشن پارٹیوں نے اس مقصد کیلئے محترمہ فاطمہ جناح کو منتخب کیا ہے۔ اس انتخاب میں اس کے سوا کوئی قباحت نہیں ہے۔ کہ وہ ایک خاتون ہیں۔ اس پہلو کے سوا باقی ہر حیثیت سے ان کے اندر وہ اوصاف موجود ہیں۔ جو اوپر ایک موزوں صدارتی امیدوار کیلئے بیان کئے گئے ہیں۔ نیز انہوں نے اس ارادے کا بھی اظہار کیا ہے۔ کہ منتخب ہونے کے بعد وہ جلد از جلد نو نکاتی پروگرام کے مطابق دستور میں ترمیم کرا کے اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست انتخاب کرا کے اقتدار عوامی نمائندوں کے سپرد کر دیں گی۔ جماعت کو اب تک صرف اسی شرعی قباحت کی بنیاد پر یہ انتخاب قبول کرنے میں تامل رہا ہے۔ لیکن حالات کی غیر معمولی نوعیت کو دیکھتے ہوئے جماعت نے پورے غور و خوض کے بعد یہ رائے قائم کی ہے۔ کہ ان خاص حالات میں اس انتخاب کو قبول کرنا شرعاً ناجائز نہ ہوگا۔ اس کے ساتھ جماعت یہ امر بھی پوری طرح واضح کر دینا چاہتی ہے۔ کہ اصل شرعی قاعدہ علیٰ حالہ قائم ہے۔ اور موجودہ غیر معمولی حالات میں اس طرح کا کوئی فیصلہ آئندہ کیلئے نظیر نہیں بن سکتا۔ مذکورہ بالا وضاحت کی روشنی میں اس مجلس نے صدارتی انتخاب

کے لئے موجودہ صدر کے مقابلے میں محترمہ فاطمہ جناح کی تائید اور حمایت کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ مجلس عوام سے اپیل کرتی ہے کہ وہ جبر واستبداد سے نجات پانے کے اس آخری موقعہ سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ اور اس مہم کو تن من دھن سے کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔

پاکستانی مسلمانوں کے نام

ایک بھارتی مسلمان کا پیغام

(مولانا ابو صالح محمد عبد الجلیل الخطیب مدیر روشنی بنگلور)

تازہ الیکشن کے سلسلے میں جناب ایوب خاں صاحب صدر مملکت پاکستان کے خلاف مس فاطمہ جناح کو ملک کی پانچ پارٹیوں نے کھڑا کیا ہے۔

اس سلسلہ میں پاکستان کے اندر اخبارات میں فتوے بازی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور مسلم پبلک کو چونکہ دین۔ شریعت، قرآن حدیث، اور مسائل کے سہارے آسانی کے ساتھ دام میں لایا جا سکتا ہے چاہے وہ معاملہ خالص دنیوی نفس و اغراض پر مشتمل ہو بالکل اسی نظریہ پر اس مسئلہ کو شروع کیا گیا اور بعض علمائے کرام نے مختلف طرز پر آیات و روایات کے ساتھ تاریخی واقعات کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کیا۔ اس کے برعکس پاکستان کے اکثر علماء نے عورت کو سربراہ مملکت بننے کے خلاف فتویٰ دیا جو حضرات عورت کے سربراہ مملکت بنانے کے حق میں ہیں ان میں سے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب امیر جماعت اسلامی پاکستان نے پوری صفائی کے ساتھ عورت کی سربراہی کی تائید فرمائی چنانچہ لکھا ہے" شریعت میں جو چیزیں حرام ٹھہرائی گئی ہیں ان میں بعض کی حرمت تو ابدی اور قطعی ہے جو کسی حالت میں حلت سے تبدیل نہیں ہو سکتی۔ اور بعض کی حرمت ایسی ہے جو شدید ضرورت کے موقعہ پر ضرورت کی حد تک جواز میں تبدیل ہو سکتی ہے اب یہ واضح ہے کہ عورت کو امیر بنانے کی ممانعت ان حرمتوں میں سے نہیں ہے جو ابدی اور قطعی ہیں بلکہ دوسری قسم کی حرمتوں ہی میں اس کا شمار ہو سکتا ہے" (المنبر ۹ اکتوبر ۶۴ء)

موصوف کے بیان کا حاصل یہی نکلا کہ دین کے احکام دو قسم کے ہیں ایک ناقابل ترمیم اور دوسری قابل ترمیم۔ جو مصالح زمانہ کے تحت حالات کی نزاکتوں کے پیش نظر بدل سکتے ہیں یا ان کو بدلایا جا سکتا ہے مثلاً اسلام بالکلیہ عورت کو بحیثیت آمر و حاکم ملک کی زمام کار حوالہ کرنے کا مخالف ہے لیکن حالات کی نزاکت کے پیش نظر اگر مرد کے مقابلے میں عورت کے اندر دین کے اوامر کو بروئے کار لانے کی صلاحیت موجود ہو تو اس کو منظر عام پر لایا جا سکتا ہے۔ ارشاد ملاحظہ فرمائیے۔ اس لئے ہمیں ان حالات کا جائزہ لے کر دیکھنا چاہیئے جن میں یہ مسئلہ ہمارے سامنے آیا ہے

حالات یہ ہیں کہ موجودہ صدر کے گزشتہ چھ سالہ دَورِ اقتدار میں ملک دینی، اخلاقی اور سیاسی و معاشی حیثیت سے سخت تنزل کا شکار ہو چکا ہے۔ جماعت اسلامی کے سوا دوسری اپوزیشن پارٹیوں نے اس مقصد کے لئے محترمہ فاطمہ جناح کو منتخب کیا ہے" ان انتخاب میں اس کے سوا کوئی قباحت نہیں ہے کہ وہ ایک خاتون ہیں" اس پہلو کے سوا باقی ہر حیثیت سے ان کے اندر وہ اوصاف موجود ہیں جو عہدہ ارتقی امیدوار کے لئے بیان کئے گئے ہیں نیز انہوں نے اس امر کا بھی اظہار کیا ہے کہ منتخب ہونے کے بعد وہ جلد از جلد نو نکاتی پروگرام کے مطابق دستور میں ترمیم کرا کے اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہِ راست انتخاب کرا کے اقتدار عوامی نمائندوں کے سپرد کر دیں گے۔ پھر لکھا ہے" اصل شرعی قاعدہ علیٰ حالہٖ قائم ہے اور موجودہ غیر معمولی حالات میں اسی طرح کا کوئی فیصلہ آئندہ کے لئے نظیر نہیں بن سکتا۔ (المنبر ۹ راکتوبر ۱۹۶۴ء)

حکمتِ عملی اور مصلحت بینی کے بلند ترین تقاضوں کو اپنے اغراض کی تکمیل کے لئے استعمال کرنا بلاشبہ مسلمان کی زندگی کے لئے اس کے اوصاف جلیلہ کے تحت بہت بڑی جسارت اور پھر آیات و روایات کی اس سلسلہ میں تاویل و تطبیق بہت بڑی جرأت ہے جس کی اسلافِ صالحہ کی زندگی میں کوئی مثال نہیں مل سکتی ہے

یاد تو ہوگا چند سال قبل اقامتِ دین کے مقاصد کو عام کرنے کے لئے" غلافِ کعبہ" کے دامن تقدس کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی اور اس پر خود ساختہ دلائل کے انبار لگا دیئے اور" آج" پھر دوسری مرتبہ اکثریت کے رُخ کو دیکھ کر ایسی ہی غلطی کی جا رہی ہے۔ پہلی ناکامی محض وقتی اور ہنگامی تھی لیکن آج کی ناکامی (جس کا اشارہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری نے ایک سوال کی صورت میں کیا ہے) اجازت دیجئے کہ ہم آپ سے سوال کریں کہ مس فاطمہ جناح کی صدارت میں جو حکومت قائم ہوتی اسلامی ہوگی یا غیر اسلامی؟ اگر غیر اسلامی ہوئی اور اس کو بھی آپ نے غیر اسلامی کہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ غیر اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اس وقت آپ کی دعوت اقامتِ دین بلکہ انہدامِ دین کی دعوت ہو جائے گی (المنبر ۴ر دسمبر ۱۹۶۴ء) جو آیات و روایات کی غلط تاویل کے بعد رونما ہو رہی ہے اس کے نتائج بد کا خمیازہ بھگتنے کے لئے مستقبل کے تاریخ نویسی کے اوراق کا انتظار کرنا پڑیگا اس وقت ان میں سے کوئی بھی نہیں ہوگا مگر دنیائے عجائب خانہ میں ان کی روئداد منتقل کر دی جائے گی۔

مولانا مودودی صاحب کی موجودہ جد و جہد کو دیکھ کر ہم اس فیصلہ پر مجبور ہیں کہ پاکستان کا مضامین نگار اور ادب نوٹ طبقہ اپنی تحریرات کو نظم و نثر کی لائن سے عورت کی سربراہی کا ہمنوا ہے اور نتیجہ کے طور پر مولانا صاحب ان کی تحریرات کے رخ کو دیکھ کر مزاجِ دین کے خلاف احکام میں ترمیم کا بل پاس کرانے پر اپنے کابینہ کو مجبور کر رہے ہیں۔

حاصل کلام ——— عورت کی سربراہی کا مخالف مزاج دین پوری صفائی کے ساتھ اس حدیث کی رو سے ہے :- اذا کان امراؤکم خیارکم واغنیائکم سمحائکم وامورکم شوریٰ بینکم فظهر الارض خیر لکم من بطنها. واذا کان امراءکم شرارکم واغنیائکم

بخلائکم و امورکم الی نساءکم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا ۔ (ترمذی)

"جب تمہارے سردار نیک ہوں اور تمہارے مالدار سخی اور تمہارے کام آپس کے مشورے سے طے ہوں تو زمین کے اوپر رہنا اندر رہنے سے بہتر ہے اور اگر تمہارے سردار شریر (برے) ہوں اور تمہارے مالدار بخیل اور تمہارے کام تمہاری عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو زمین کے اندر کا حصہ تمہارے لئے اوپر کے حصہ سے بہتر ہے"۔

اس حدیث کی رو سے مولانا مودودی صاحب اور ان کے ہمنوا افراد پاکستان کے باشندوں کو سزا دیکر عورت کی سربراہی کے بعد زمین کے اندر زندہ دفن کر دینا چاہتے ہیں۔ حدیث تو عورت کی سربراہی کی مخالفت کرتی ہے اور عورت کے لئے اس منصب کو علاماتِ قیامت قرار دے کر امت کو اس سے خبردار کرتی ہے ۔

المرأۃ راعیۃٌ علیٰ بیت بعلھا وولدہٖ وھی مسئولۃ عنھم (ابوداؤد)

"عورت گھر کے اندر اپنے شوہر اور اپنے بچے کی نگران ہے اور ان کے متعلق جوابدہ ہے"۔

پھر فرمان عالی ہے۔ لن یفلح قوم لوامرھم امرأۃ۔ اس قوم کی تباہی ہے جس کی سربراہ عورت ہو (بخاری)

حضرت عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نے ہمیں جنازوں کی حاضری سے روکا ہے۔ (بخاری)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حاضری پر صاف فرمایا:

یا صاحبۃ الھودج قد امرک اللہ ان تقعدی فی بیتک ثم خرجت تقاتلین

"آپ کو اللہ نے گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا تھا اور آپ میدان میں آگئیں"۔

یہ تو ام المومنین تھیں جن سے نکاح کو منع فرمایا گیا ہے اور خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیال اس باب میں یہی تھا جب وہ تلاوت فرماتے ہوئے وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ پہنچیں تو بے تحاشہ رونا شروع کر دیا جس کی وجہ سے ان کا دامن تر ہو گیا اور یہ اس لئے کہ ان کو جنگ جمل میں شریک ہونے کی اپنی غلطی یاد آجاتی تھی۔ (زوائد الزھد از امام احمدؒ)

حدیث بالا کے اس حصہ پر غور فرمایئے جس پر ظہر الارض کے مقابلہ میں بطن الارض کی وعید کو پیش کر کے عورت کی آمریت کو اسلامی خلافت کے زوال کا سبب بتلایا گیا ہے ۔

اللہ اکبر! زبان نبوت کس قدر صفائی کے ساتھ عورت کی سربراہ کاری کی مخالفت کر رہی ہے اور نفس کے اغراض عورت کو سربراہ مملکت بنانے پر مصر ہیں ۔

ہو سکتا ہے عورت کے طرفداروں کے حق میں عوام فیصلہ کر دیں تب بھی کیا حدیث رسول کے

خلاف عوام کے ذہن کو تیار کرنے کا وبال اسی دنیاوی زندگی میں نہیں آئے گا؟

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ سوال و جواب کی روشنی میں

دارالعلوم دیوبند حقیقت میں کسی درسگاہ اور مدرسہ دارالتعلیم کا نام نہیں ہے بلکہ وہ اسلامی فکر و عمل کی بنیادی تحریک ہے جو ایک صدی قبل انگریزی تہذیب اور فکر و عمل کے جواب میں چلائی گئی تھی۔ اس کا قیام ایک صدی کی اسلامی تاریخ میں بہت ہی بلند ہے۔ اس تحریک کے داعی اور حامل نہایت بلند کردار و اخلاق کے مالک اخلاص و مجاہدہ کے دلدادہ تھے۔ پوری صدی کے اندر اس تحریک کے ذریعہ جو کچھ ہوا ہر مورخِ صادق منظر عام پر پیش کر چکا ہے۔ اس تحریک اور اس کی خدمات کے اثرات سے سارا عالم اسلامی روشن ہے۔ بلاشبہ اس کی بات مستند اور وزن دار ہے جو دین کے اندر ذمہ دارانہ حیثیت کی مالک ہے۔

پاکستان میں برسرِ عام مسئلہ کی دلیل کیلئے اس مکتب فکر کو استعمال کرنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ ہمارے روبرو دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ موجود ہے جس کو عورت کے طرفداروں نے اپنے مطلب کا بنا کر شائع کیا۔ اور دارالعلوم کو ایک فریق کا طرفدار ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی یہی وہ لوگ ہیں جو دارالعلوم کے کسی بزرگ کی بات اگر ان کے مطلب کے خلاف نکل آئے تو برسرِ عام نقد و جرح کا بازار گرم دیتے ہیں لیکن اپنے مطلب کی بات بن جائے تو پوسٹروں کے ذریعہ اس کو پھیلا دیتے ہیں۔ کیا یہی انصاف ہے؟ چنانچہ مورخہ ۲۷ اکتوبر ۶۴ء کے روزنامہ الجمعیۃ دہلی میں ذیل کی عبارت کے ساتھ سوال و جواب شائع ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:-

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل مرد اور عورت سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں حالانکہ عورت کے متعلق تو حکم ہے کہ:-

اذا کان امورکم الی نساءکم فبطن الارض خیر من ظھرھا

دوسری طرف مردوں میں سے جو حصہ لے رہے ہیں ان میں اکثر و بیشتر محرفِ دین ہیں کہ قرآن کے اندر تحریف اور سنت کو آئینی حیثیت دینے سے انکار پر مصر ہیں۔ کیا چند سیاسی مصلحتوں کی خاطر جن میں چند پہلو دینی بھی ہیں۔ امورکم الی نساءکم ترک کر کے عورت کو میدان میں آنا چاہیئے یا عورت کو میدان میں لانا چاہیئے اور اھون البلیتین پر عمل کیا جائے۔ آیا دونوں سے اعلان بیزاری کیا جائے یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی اعانت و حمایت کی جائے۔

جواب:- جب عورت کے حصہ لینے میں دینی مصالح بھی مضمر ہوں تو عورت کا حصہ لینا مباح ہے

بشرطیکہ عورت پردہ میں رہے۔ بے شک یہ صحیح ہے کہ عورت کو اپنے اوپر حاکم مقرر کرنا قیامت کی علامت میں سے ہے لیکن دینی مصالح کا لحاظ کرتے ہوئے حاکم مقرر کرنا مباح ہوگا بشرطیکہ دینی مصالح کا حصول یقینی ہو ورنہ عورت کو بنا بر حدیث مذکور کے حاکم بنانا جائز نہیں ہے۔ صرف وہم پر بنانا حدیث مذکور کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم

(حضرت) مفتی مہدی حسن صاحب دار العلوم دیوبند

۱۹ جولائی ۶۳ء

اس فتویٰ کو ایک ادارتی نوٹ (من جانب مولانا محمد عبد الحق صاحب، انچارج دفتر اہتمام دار العلوم دیوبند) کے بعد نقل کیا گیا ہے یہ کہ

۲۲ اکتوبر ۶۳ء

ہفتہ وار شہاب لاہور (آرگن جماعت اسلامی پاکستان) میں مورخہ ۱۸ اکتوبر ۶۴ء میں حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب مفتی دار العلوم دیوبند کا ایک فتویٰ عورت کے سربراہِ مملکت بننے کے سلسلہ میں شائع کیا گیا ہے۔ اس فتویٰ کا آخری جزء جو حضرت مفتی صاحب نے تحریر میں فرمایا تھا اخبارِ مذکور میں نقل نہیں کیا گیا ہے اور قطع و برید کرکے پاکستان کے موجودہ حالات میں فائدہ اٹھانے اور دار العلوم کو پاکستان کی سیاست میں ایک فریق بنا کر پیش کرنے کی مذموم سعی کی گئی ہے جبکہ دار العلوم کا بحیثیت تعلیم گاہ اور بحیثیت عوامی دینی مرکز ہدایت بیانِ مسئلہ فرض ہے۔ جس میں قومی سیاسی مصالح کی پاسداری کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا اور پھر کمالِ ہوشیاری یہ کی گئی ہے کہ استفتاء بھی پورا نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ اپنی منشا کے مطابق استفتا کا حاصل لکھدیا گیا ہے۔ (الجمعیتہ دہلی مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۴ء)

سوال میں حدیثِ رسول کے الفاظ کو مصالح زمانہ کے تحت "ترک" کرنے کی جرأت کا اظہار کیا گیا ہے۔ نشان کردہ جملہ پر اے ایمان والو، محبتِ رسول کے دعویدارو، حدیثِ رسول پر اپنی زندگیاں نچھاور کرنے والو، منکرینِ حدیث کا تعاقب کرنے والو، بدعتی اور قادیانی مشن کے پرخچے اڑانے والو اور پاکستان کو اسلام کے حوالہ کرنے پر جدوجہد کرنے والو غور کرو کیا حدیث کسی زمانہ میں ترک بھی کی جاتی ہے؟ پھر یہ حضرات منکرین حدیث کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں اور کیوں ان کے تعاقب میں صفحات سیاہ کئے جا رہے ہیں اور کیوں مولانا اشرف صاحب کو قادیانی مشن کی مخالفت کو ترک کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ بھائی ترک کرنا اور انکار کرنا دونوں آپس میں تو ہم کے برابر ہے۔ عورت کو سربراہِ مملکت بنانے کیلئے حدیثِ رسول کے ساتھ اس قسم کا مذاق وہی افراد کر سکتے ہیں جن کے دل میں

علواً فی الارض کا جذبہ کارفرما ہو اور اس کا ثبوت ان حضرات کے بدلتے ہوئے نظریئے دے رہے ہیں جو پورے دس سال سے پاکستان کی سیاست میں کارفرما ہیں۔ مسٹر ایوب خان صاحب کوئی داعی کوئی مبلغ اور مصلح نہیں ہیں۔ ان کی سیاست اس میں شک نہیں برطانوی طرز پر جاری ہے مگر جنابانِ محترم تو آسمانی سیاست کے مدعی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مسٹر ایوب خان صاحب کے ساتھ وہ نقص نہیں ہے جو فطرت نے ان کے مقابل حریف کو عطا کیا اور حقیقت ہے کہ دونوں علواً فی الارض کے مدعی ہیں اور آنجناب کی کیا پوزیشن ہے۔ پورے ۲۴ سال کے عرصہ سے آپ کس چیز کی دعوت دے رہے ہیں۔ اور اس نظریہ پر کس قسم کی امت تیار فرما رہے ہیں جو بھی دنیا میں علواً فی الارض کا مدعی ہوگا۔ بلاشبہ یہ جذبہ آخرت میں کامیابی کی حرماں نصیبی کا حامل ہوگا۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وما لہٗ فی الآخرۃ من خلاق

میرے محترم! مس فاطمہ جناح صاحبہ بالقابہا کو پانچ پارٹیوں کے متحدہ محاذ نے کھڑا کیا ہے اور جناب کی جماعت پانچویں جماعت کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر موصوف خدانخواستہ کامیاب ہو گئیں تو پھر اس متحدہ محاذ کو اپنے اغراض و مقاصد کے تحت میدان میں آنا پڑے گا۔ اس منتشر محاذ کے زد میں آپ کی جماعت کا کیا پارٹ ہوگا اس کو ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔

ہمیں کیا پاکستان میں کچھ بھی ہو ہم ہندوستانی ٹھہرے۔ اس کے باوجود ہم آپ کی جماعت کی بے بسی کا ابھی سے یہاں بیٹھ کر مشاہدہ کر رہے ہیں۔ آخرت کے افلاس سے پہلے اس دنیا کے افلاس کا استقبال کرنے کیلئے ان زعیانِ اقامتِ دین کو تیار رہنا پڑے گا۔

غرض جواب کے اندر حضرت مفتی صاحب کے نشان شدہ جملوں پر غور فرمایئے "عورت کو اپنے اوپر حاکم مقرر کرنا قیامت کی علامت میں سے ہے۔" پھر مفتی دارالعلوم نے اس جملہ کو لکھ کر اسی طرح اپنے آپ کو آخرت کے مواخذہ سے بچایا جس طرح حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو بچا لیا تھا کہ اگر میرے قول کے مقابلہ میں حدیثِ رسول نظر آئے تو میرے قول کو دیوار پر پھینک دو۔ اور مفتی دیوبند نے زیادہ سے زیادہ اگر کچھ اپنی طرف سے لکھا تو یہی لکھا کہ "مباح ہے"۔ وہ بھی ان شرطوں کے ساتھ جن کا تصور بھی مس فاطمہ جناح یا اسی قبیل کی کسی الیکشن باز عورت کے متعلق پاکستان کی موجودہ سیاست میں ہو نہیں سکتا اور پھر مباح کے مصداق کو ہم سے زیادہ "حقوق الزوجین" کے مرتب خوب سمجھتے ہیں۔ یہ ایسا عمل ہے جس پر الزام اور اصرار اگر کیا جائے تو مخالفت لازم آجاتی ہے اور اس لفظ پر عورت کی سربراہی پر زورِ قلم۔ شورِ زبان اور غورِ دل و دماغ صرف کرنا

عقلمندی کی علامت نہیں ہے۔

مفتی دیو بند کی خدمت میں

ہم حضرت مفتی صاحب دارالعلوم دیو بند کی خدمت میں نہایت ادب کے ساتھ چند کلمات کہنے کی جرأت کر رہے ہیں یہ کہ

سوال جب آپ کے روبرو آیا تو پہلے سوال کے الفاظ کے اغلاط پر تنبیہ فرماتے ترک کرکے کا جملہ حدیث اور دلائل منصوصہ کیلئے استعمال کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ جہاں آپ نے اپنی طرف سے "مباح" کا فتویٰ صادر فرمایا اور خود ایک فریق کو اس امر کا موقعہ عطا فرمایا کہ جیسے کسی اندھے سے سوال کیا جائے۔ تو کیا چاہتا ہے۔ یہی کہے گا کہ میرا ہاتھ، پاؤں، کان سب کاٹ لیئے جائیں اس کے بدلہ میں آنکھ دیدی جائے۔ کسی بھوکے سے دو اور دو کا حساب پوچھا جائے تو یہی جواب ملے گا کہ چار روٹیاں۔ بالکل یہی فریضہ پاکستان کے ان اقتدار کے بھوکوں نے کیا۔ اگر آپ تنبیہ فرما دیتے تو کم از کم آئندہ کبھی کو ایسی غلطی کی جرأت نہ ہوتی۔ پھر سوال کا انداز بتلا رہا ہے کہ یہ ایک فریق طرفداران عورت کی طرف سے کیا جا رہا ہے اور پاکستان میں ان دنوں عورت کی طرفداری کا فریضہ پوری جرأت اور جسارت کے ساتھ متحدہ محاذ کے اندر جماعت اسلامی انجام دے رہی ہے۔ جس کے پاس اخبار بھی ہے اور ۰۰۰۰ اور پھر اچھا خاصا منظم حلقہ بھی ہے اور حقیقت یہ کہ جسکی طرف مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مفتی مدینہ بجنور نے اشارہ فرمایا ہے۔ صدر ایوب اور ان کی حکومت وہ ہے جنہوں نے مولانا مودودی کو گرفتار کیا اور ان کی جماعت کو پاکستان میں خلافِ قانون قرار دیا۔ لہٰذا ان کو صدر ایوب خان اور ان کی حکومت کی مخالفت کرنی ضرور تھی۔ چنانچہ انہوں نے مس فاطمہ جناح کی موافقت کا اعلان کر دیا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ان کی صدارت کو از روئے شرع جائز قرار دے دیا۔ خدا کے بندے نے یہ نہ سوچا کہ ستمبر ۵۲ء کے ترجمان القرآن میں عورت کے متعلق کیا لکھ چکا ہوں مگر جب مخالفت ہی ٹھہری تو پھر سوچنے کی ضرورت نہیں۔

جماعت اسلامی اور حکومت

حقیقت یہ ہے کہ مسٹر ایوب خان صاحب اور ان کی حکومت نے اس جماعت کو جس قدر ستایا اور رلایا ہے کسی کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہوا۔ اس کے باوجود بغرض عزیز و ذل ذلیل برابر حکمت عملی اور مصلحت بینی کا راگ الاپتے ہی رہے۔ جیل سے رہائی کے اچھے دن الیکشن کے دور نے پیدا کر دیئے جب آزادی ملی تو دل جلوں کیلئے یہی موقعہ انتقام کا ملا ہے۔ وہ تو مسٹر ایوب خان صاحب کے مقابلہ میں

خوش نصیبی سے ایک عورت بے پردہ سہی، مخالف عقیدہ سہی "قاعدہ" سہی جو نکاح سے مایوس ہو چکی ہے۔ اگر کسی جانور کو کھڑا کیا جاتا تو برابر یہ حضرات اس کو سربراہِ مملکت بنانے کیلئے آیات وروایات کی آڑلے کر دلائل فراہم کر لیتے معاملہ چونکہ انتقام کا ٹھہرا۔

غرض مفتی کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ سائل کے انداز کو سمجھ کر جواب دے۔ بارہا اس قسم کا تلخ تجربہ عرصہ قریب میں خود منقسم جماعتِ اسلامی کے ذریعہ ہو چکا ہے۔ مفتی عزیز الرحمن صاحب بجنوری نے تو پاکستانی پریس کا رونا رویا ہے۔ الیکشن کا دورہ بذاتِ خود ہر عاقل کو بے وقوف بنا دیتا ہے۔ جہاں سچائی اور انصاف اپنا منہ لیکر رہ جاتے ہیں۔

برادرانِ ملت کیلئے ایک مشورہ

میں ہندوستانی ہوں اور ہندوستان کے اندر اسلامی روایات کو زندہ رکھنا اور ان پر عمل کرتے ہوئے ان کی اشاعت کرنا، ملک کے دستور کے مطابق اس کیلئے اسباب وذرائع اختیار کرنا اپنا حق سمجھتا ہوں۔ اس حیثیت سے پاکستان کی سیاست سے میرا کوئی اور کسی حیثیت سے تعلق نہیں ہے۔ آپ کا ملک بھی ہندوستان اور دیگر ممالک کی طرح آزاد ہے اور اسلام کے نام پر اس کو کافی قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔ اعمال اور نیتوں کے خرابی کی بدقسمتی کہ اس ملک کو اپنے بنیادی مقاصد میں آج تک کامیابی کیا اس کے اشارات تک کو دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔ موجودہ الیکشن دراصل بہت بڑی آزمائش ہے۔ ایک طرف تن تنہا ایک آئینی مرد کھڑا ہوا ہے۔ اس کے مقابلہ میں پانچ پارٹیوں کے اتحاد سے ایک ضعیف ونحیف عورت جو آیت قرآنی

والقواعد من النسآء التی لا یرجون نکاحًا فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیابھن غیر متبرجات بزینة وان یستعففن خیر لھن

کے اصول کو ٹھکرا کر منظر عام پر نمودار ہونے والی عورت کو کھڑا کیا گیا ہے۔ بات صاف اور روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اس عورت کو ہرگز اقتدار پر لانا مقصود نہیں بلکہ ان میں سے کسی کو برسرِ اقتدار آنا ہے اور یہ مرحلہ آسان نہیں ہے پھر اس مقصد کیلئے الگ سر پھروں کا بازار گرم ہوگا۔

آپ خود جانتے ہیں کہ مارشل لا سے پہلے آپ کے ملک نے کیسے دن رات دیکھے۔ چھ ماہ تک مستقل کوئی وزارت قائم نہ رہ سکی۔ ہر پارٹی اپنا لوہا منوانے کیلئے آپ لوگوں کو استعمال کرتی رہی مارشل لا جیسا بھی ہو اس کے بعد یہ مصیبت ختم ہوئی۔ اب پھر انتخاب کی آزادی کا موقعہ ملا۔

لہذا خوب سوچ لیجئے ایک تو اپنے ملک کو اسلام کے حوالہ کرنا ہے جس کیلئے حاصل کیا گیا ہے

اور دوسری طرف امن و اتحاد کے قیام کا مسئلہ ہے۔ اگر آپ نے عورت کے حق میں اپنا نام درج کرالیا تو مزید مصائب میں اپنے آپ کو گرفتار کر لیا کیونکہ معاملہ پانچ پارٹیوں کے ہنگامی اور وقتی اتحاد کا ہے۔ کامیابی کے بعد ایسی کوئی زندگی تقویٰ اور اخلاص کی بنیاد پر ان کے اندر نہیں ہے کہ وہ متحدہ کر اسلام کو زندگی بخشیں حالات خود ذہنیتوں کو اجاگر کر کے پیش کرتے ہیں۔

مسٹر ایوب خان صاحب صدر مملکت بھی کوئی اسلامی نظام کے قیام کے مقصد کو لے کر منظر عام پر نہیں آرہے ہیں۔ اس کے باوجود وہ اکیلے ہیں اور معاملہ صدارتی انتخاب کا ہے اگر اھون البلیتین کو ہی اختیار کرنا ہے تو سوچ سمجھ کر قدم اٹھائیں اس وقت تو اھون مس فاطمہ جناح کی صدارت دکھائی نہیں دیتی۔

مجھے اتنی لمبی چوڑی تحریر پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ میرا آپ کے ملک سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر دین اور اس کے تقاضوں کے ساتھ علانیہ مذاق محض دنیوی مقاصد کے حصول کیلئے کیا جا رہا ہو۔ اور اس سلسلہ میں فتویٰ بازی کی مہم جاری ہو تو پھر ملک کے حدود کو توڑ کر ہر سمت کا صاحب فہم مسلمان اتحادِ کلمہ اور نظمِ ملت کی بنیاد پر زبان اور قلم کو متحرک کرنے کا مکمل مجاز ہوگا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اور ان کی جماعت بھی سر سے کفن باندھ کر قرآن اور سنت کے سہارے الیکشن بازی میں مصروف ہے۔ نیتوں کا حال اللہ رب العالمین جانتا ہے مگر ہم تو ظواہر پر فیصلہ کرنے والے ہیں اور ظواہر کا معاملہ آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہے کہ اس جدوجہد میں اگر دنیوی فائدہ حاصل ہو جائے تو ہو جائے مگر دین کا کھلا نقصان ہے۔

دلوں کا پھیرنے والا نیتوں کا جاننے والا کسی اجل فاسق سے اپنے دین کی خدمت اور دین کے نام پر حاصل کئے ہوئے ملک کے اندر اسلام کو غالب کرانے کے اسباب و آثار پیدا فرما دے یہ ہو سکتا ہے۔ وما ذالك على الله لعزيز

ابو صالح محمد عبد الجمیل الخطیب مدیر روشنی بنگلور

عورت کو صدر مملکت بنانے کی تحریک

حرام ہونے سے دینی وجوب تک

دین سے تلعب کی دردناک داستان

چند لمحات کے لئے مان لیجئے کہ عورت کو سیاسی مناصب پر فائز کرنے کی تحریک کے خلاف جو لوگ اظہار رائے کر رہے ہیں وہ شدت اختیار کر رہے ہیں یا ایک قدم اور آگے بڑھئے اور کہ دیجئے کہ یہ مصلحت نا اندیش اور کم فہم بھی ہیں! ـــــ لیکن اگر آپ کے دل میں خدا کا خوف موجود ہے، اگر آپ دین کو اپنی سب سے عزیز متاع تسلیم کرتے ہیں اور اگر آپ اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ دین کا احترام اگر دلوں میں باقی رہا تو ہزاروں حوادث سے دوچار اور بیسیوں مظالم کا شکار ہونے کے باوجود بھی "مسلمان قوم" دین کی جانب متوجہ ہو کر اپنے حقوق حاصل کر پا سکتی ہے ـــــ تو خدارا ایک نظر اس صورت حال پر بھی ڈالئے کہ جو تحریک پچھلے تین ماہ سے، عورت کو صدر مملکت بنانے کی اس ملک میں شروع ہوئی ہے، اس نے اذہان و قلوب پر کس نوع کے نقوش مرتسم کئے ہیں، اس نے دین کے بارے میں کیا اثرات چھوڑے ہیں اور اس کے حامی و علمبردار افراد اور جماعتوں نے یکے بعد دیگرے پینترا بازی سے دین کے ساتھ تعلیب اور دین کو بازیچۂ اطفال سیاست بنانے کے سلسلے میں کیا کچھ کیا ہے؟

اس باب میں از ابتدا تا ایں دم کہے ہوئے کلمات، تقاریر اور مضامین و مقالات کا ایک خلاصہ ملاحظہ فرمائیے اور پھر اپنی دینی غیرت سے سوال کیجئے کہ آپ کو اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے!

ـــــ اور یہ بھی خوب یاد رکھئے کہ مسئلہ صرف یہی نہیں ہے کہ ۲ جنوری تک آپ کو کیا کرنا ہے بلکہ سوچنا یہ ہے کہ اس اہم واقعہ میں جن لوگوں نے شریعت الٰہیہ کو یوں بازیچۂ اطفال سیاست بنایا ہے، مستقبل میں ان کے ہاتھوں سے اسلام کو محفوظ رکھنے کا ذریعہ کیا ہے؟

اب از اول تا ایں دم یہ کہانی سنئے کہ ـــــ ایک حرام، حلال کیسے ہوا ـــــ اور حلال و مباح ہونے کے بعد اس نے دینی وجوب تک کی منزلیں کیسے طے کیں؟

شرعی خلجان

"(فاطمہ جناح کا) انتخاب شرعاً خلجان سے خالی نہیں، اس بات نے ہمیں ایک پیچیدہ اور مشکل صورت حال سے دوچار کر دیا ہے، جس سے صرف نظر کرنا دشوار ہے۔ الا یہ کہ خود شریعت ہی میں موجودہ حالات کے پیش نظر اس کے جواز کی کوئی "گنجائش" نکل سکے۔"

(جماعت اسلامی کے چار نمائندوں کا بیان "جنگ" ۲۶ ستمبر ۱۹۶۴ء)

یہ بیان اس وقت دیا گیا تھا جب مس فاطمہ جناح کی نامزدگی ابھی ہوئی ہی تھی اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ابھی جیل میں تھے۔ اس کے چند روز بعد جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ

"شریعت میں جو چیزیں حرام ٹھہرائی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض کی حرمت تو ابدی اور قطعی ہے جو کسی حالت میں حلت سے تبدیل نہیں ہو سکتیں اور بعض کی حرمت ایسی ہے جو شدید ضرورت کے موقع پر ضرورت کی حد تک جواز میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ اب یہ واضح ہے کہ عورت کو امیر بنانے کی ممانعت ان حرمتوں میں سے نہیں ہے جو ابدی اور قطعی ہیں بلکہ دوسری قسم کی حرمتوں ہی میں اس کا شمار ہو سکتا ہے اس لئے ہمیں ان حالات کا جائزہ لے کر دیکھنا چاہئے جن میں یہ مسئلہ ہمارے سامنے آیا ہے۔" (قرار داد مجلس شوریٰ جماعت اسلامی)

غیر معمولی ضرورت کی بنا پر جائز

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب قطعی اور ابدی کی نئی اصطلاح اور غیر معمولی ضرورت کا حوالہ دے کر عورت کی صدارت کو جائز قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

"ہم اسلام کے عام قاعدے میں کوئی ترمیم نہیں کر رہے نہ اسے بدلنے کے لئے کبھی تیار ہو سکتے ہیں لیکن ان خاص حالات میں ایک غیر معمولی ضرورت کی بنا پر ہم نے عورت کی امارت کو جائز سمجھا ہے کیونکہ اس کی قطعی اور ابدی حرمت کیلئے ہمیں شریعت میں کوئی دلیل نہیں ملتی۔"

(انتخابی تقریر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صفحہ ۸۴)

اور اس سے پہلے مولانا "مرد کی قوامیت" کو قطعی حکم اور ناقابل استثناء حد قرار دے چکے ہیں آپ کا ارشاد تھا اللہ تعالیٰ نے وہ قیود عائد کی ہیں جن کو اسلام کی اصطلاح میں حدود اللہ ——

DIVINE LIMITS کہا جاتا ہے یہ حدود زندگی کے ہر شعبہ میں چند اصول، چند ضوابط اور چند قطعی احکام پر مشتمل ہیں۔ عائلی زندگی میں اللہ نے حجاب شرعی، مرد کی قوامیت، شوہر، بیوی، بچوں اور والدین کے حقوق و فرائض، طلاق اور خلع کے احکام، تعدد ازدواج کی مشروط اجازت، زنا اور قذف کی سزائیں مقرر کر کے حدیں کھڑی کر دی ہیں۔ انہی حدود کے بارے میں مولانا فرمایا کرتے تھے۔ یہ حدود جو خدا نے اپنے دستور میں مقرر کی ہیں یہ انسان کیلئے زندگی کے سفر کا صحیح رخ متعین کرتی ہیں۔

خدا کا مقرر کیا ہوا یہ دستور ناقابل تغیر و تبدل ہے۔ آپ اگر چاہیں تو ترکی اور ایران کی طرح اس دستور کے خلاف بغاوت کر سکتے ہیں مگر اس کو بدل نہیں سکتے۔ یہ قیامت تک کیلئے اٹل دستور ہے۔ اسلامی اسٹیٹ جب بنے گا اسی دستور پر بنے گا۔ جب تک قرآن اور سنت رسول دنیا میں باقی ہے اس دستور کی ایک دفعہ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹائی جا سکتی جس کو مسلمان رہنا ہو وہ اس کی پابندی پر مجبور ہے (اسلام کا نظریہ سیاسی صفحہ ۳۱-۳۲)

اور اب مولانا اس دستور کی ایک اہم ترین حد اور واضح ترین دفعہ کو وقتی ضرورت کیلئے اس کی اپنی جگہ سے ہٹانا چاہتے تھے تو غیر معمولی حالات کی بنا پر اسے جائز قرار دیا۔

صرف ایک نقص کہ وہ عورت ہیں

"یہ کوئی نہیں کہتا کہ عام حالات میں بھی عورت سربراہ مملکت ہو سکتی ہے۔ اسلام در اصل عورتوں کو سیاسی معاملات میں گھسیٹنا ہی نہیں چاہتا۔ مگر یہ عام اصول ہے اور استثناء سے خالی نہیں اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف ایک ایسا امیدوار ہے جو صرف مرد ہونے کی شرط کو پورا کرتا ہے اور باقی تمام شرائط پوری نہیں کرتا ——— دوسری طرف ایک امیدوار ہے جس میں اور ساری خوبیاں ہیں مگر اس میں مرد ہونے کی شرط نہیں پائی جاتی۔ وہ عورت ہے خود ہی غور کر لیجئے فیصلہ کیا ہونا چاہیئے۔

ایک بچہ سے پوچھیے کہ وہ ایک روپے کے لئے دس روپے کا نقصان برداشت کرنا چاہتا ہے یا دس روپے بچانے کے لئے ایک روپیہ کا نقصان برداشت کرنے پر آمادہ ہے۔" (جماعت اسلامی کی قرارداد)

اور اس بے عیب "عورت" ہی کے بارے میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے اس وقت سوال کیا گیا تھا، جب حالات موجودہ سے بھی بدتر تھے یعنی مارشل لا کا ہول طاری تھا

بنیادی حقوق معطل تھے، جمہوریہ پاکستان کو اسلامیہ کہنے سے انکار تھا ـــ اس وقت مولانا سے پوچھا گیا کہ

"اگر آج محترمہ فاطمہ جناح صدارت کا عہدہ سنبھال لیں تو کیا اسلامی اصول پاکستان کے اسلامی نظام میں اس کی اجازت دیں گے؟

مولانا مودودی نے اس کے جواب میں فرمایا تھا:

" اسلامی حکومت دنیا کے کسی معاملہ میں بھی اسلامی اصولوں سے ہٹ کر کوئی کام کرنے کی نہ تو مجاز ہے اور نہ وہ اس کا ارادہ ہی کر سکتی ہے ..... عورتوں کے معاملے میں اسلام کا اصول یہ ہے کہ عورت اور مرد عزت و احترام کے لحاظ سے برابر ہیں، اخلاقی معیار کے لحاظ سے بھی برابر ہیں، لیکن دونوں کا دائرہ عمل ایک نہیں"۔

"سیاست اور اسی طرح کے دوسرے کام مرد کے دائرہ عمل سے تعلق رکھتے ہیں، اس دائرے میں عورت کو گھسیٹ لانے کے دو بڑے نتیجے ہو سکتے ہیں یا یہ کہ ہماری خانگی زندگی بالکل تباہ ہو گی ...... یا پھر عورتوں پر دہرا بارڈالا جائے گا۔ اسلام اصولاً مخلوط سوسائٹی کا مخالف ہے ...... مغربی ممالک میں اس (مخلوط سوسائٹی) سے بدترین نتائج ظاہر ہو چکے ہیں، اگر ہمارے ملک کے لوگ ان نتائج کو بھگتنے کے لئے تیار ہوں تو شوق سے بھگتتے رہیں ـــ لیکن آخر کیا ضرورت ہے کہ اسلام میں ان افعال کی گنجائش زبردستی نکالی جائے جن سے وہ شدت سے روکتا ہے۔

(اسلام بیسویں صدی میں، مفصل حوالہ اسی اشاعت میں دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیے)

اور آج مولانا بنفس نفیس ملک کو ان نتائج بد کے لئے تیار فرما رہے ہیں اور اسلام سے ان افعال کی "گنجائش" (مولانا اب بار بار گنجائش اور استثنا کا لفظ استعمال فرما رہے ہیں، گویا خدا کی حجت ان پر انہی کے قلم و زبان سے پوری ہو رہی ہے۔ اللہ اکبر!) نکالنے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا رہے ہیں ـــ اور جن لوگوں کو انہوں نے تجدید و اقامت دین کے نام پر جمع کیا تھا، انہیں ابھی اسے سعی میں کھپا رہے ہیں ـــ آہ! یہ المیہ اور اس سے زیادہ دردناک یہ کہ ان کے پیچھے چلنے والے آنکھیں بند کر کے چلے جا رہے ہیں اور اگر کسی وقت ان کی دینی حس بیدار بھی ہوتی ہے تو یہ اسے دبا کر آگے بڑھتے ہیں ـــ نتیجہ؟ کچھ عرصے کے بعد یہ حس بھی مر جائے گی۔

حرمت قطعی نہیں ہے

ذرا ایک قدم اور آگے بڑھے، تو یہ کہا جانے لگا کہ حرمت قطعی نہیں ہے، کہا گیا

"عورتوں کی قیادت و امارت کے بارے میں جو احکام و ہدایات، (ہدایات کا لفظ ذہن میں محفوظ رکھئے۔ ناقل) ہیں وہ عام رہنمائی کی نوعیت کی ہیں، لیکن ان سے کسی طرح بھی امامت و قضا کے باب میں قطعی حرمت ثابت نہیں ہوتی [کیا عورت مسلمانوں کی سربراہ ہوسکتی ہے۔ شائع کردہ مرکزی کمیٹی متحدہ حزب اختلاف ص]

مصلحت دین کی خاطر اسلام کے اصولوں میں ترمیم

اس مرحلہ پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ہی کے بعض مضامین شائع کئے گئے جن میں مولانا نے قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبویہ کے حوالوں سے بڑے زوردار الفاظ میں فرمایا تھا کہ اسلام میں عورتوں کیلئے سیاست میں حصہ لینے کی کوئی گنجائش نہیں، آخر میں مولانا نے ان لوگوں کو جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعہ جنگ جمل سے استدلال کرتے ہیں، مخاطب کرتے ہوئے لکھا

"اس کے بعد جناب صدیقہؓ کے عمل میں آخر کیا دلیل باقی رہ جاتی ہے جس کے بل بوتے پر کوئی صاحب علم یہ دعویٰ کرسکتا ہو کہ اسلام میں عورتیں بھی سیاست اور نظمِ مملکت کی ذمہ داری میں شریک قرار دی گئی ہیں؟ رہے وہ لوگ جن کے لئے اصل معیارِ حق صرف دنیا کی غالب قوموں کا طرزِ عمل ہے اور جنہیں بہرحال چلنا اُسی طرف ہے جس طرف انبوہ جارہا ہو، تو انہیں کس نے کہا ہے کہ اسلام کو اپنے ساتھ ضرور لے جیں؟ ان کا جدھر جی چاہے شوق سے جائیں۔ مگر کم از کم اتنی راستبازی تو ان میں ہونی چاہیئے کہ جس مقتداء کے در اصل وہ پیرو ہیں۔ اُسی کا نام لیں۔ بلا دلیل اسلام کی طرف وہ باتیں منسوب نہ کریں جن سے خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت اور قرون مشہود لہا بالخیر کی تاریخ صاف صاف انکار کر رہی ہے۔" (ترجمان القرآن۔ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ، ستمبر ۱۹۵۲ء)

اتنی زوردار بات اور وہ بھی خود مولانا ہی کی فرمائی ہوئی کے بعد مولانا کیا کرتے؟ — مگر انہوں نے ایک ایسا دروازہ کھولا، جو اس سے پہلے چودہ سو سال میں کسی نے نہیں کھولا تھا،

مولانا نے فرمایا:

"اسلام نے ہمیں دو قسم کے اصول دیئے ہیں، ایک وہ جن کو کسی حالت میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا بلکہ انہیں من وعن قبول کیا جاتا ہے۔ دوسرے وہ اصول ہیں جن سے اضطراری حالات میں "قدرے

صرف نظر، ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو، مثال کے طور پر شراب حرام ہے لیکن اگر جان بچانے کی کوئی صورت باقی نہ رہی ہو اور شراب ہی آخری چارہ کار ہو تو اسے مرتا ہوا انسان پی کر یا استعمال کر کے جان بچا سکتا ہے، پہلے اصولوں کی مثال نقب زنی، ڈکیتی اور زنا کا حرام ہونا ہے جو ہر حال میں حرام ہی رہیں گے۔ (مولانا کی تقریر پشاور میں' نوائے وقت ۲۴ اکتوبر ۱۹۶۴ء صفحہ اول)

اسلام میں دو قسم کے اصول ہیں یا نہیں یہ بات بہت تفصیلی بحث کا تقاضا کرتی ہے' اس سلسلے میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا مضمون "جماعت اسلامی کا فلسفہ اضطرار" اسی اشاعت میں ملاحظہ فرمائیے اور اتنی بات ذہن میں رکھیے کہ مولانا نے جس فلسفہ "حکمت عملی" کو ۱۹۵۶ء میں پیش کیا تھا اور جس سے پہلی بار مولانا کے ساتھیوں کو معلوم ہوا تھا کہ "مولانا ممدوح اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اگر حالات اور دینی مصالح تقاضا کریں کہ دین کے بعض اصولوں میں استثنا اور لچک پیدا کی جائے تو پورے دین میں مصلحت کی خاطر لچک پیدا کی جا سکتی ہے بجز توحید اور رسالت ایسے چند عقائد کے۔

بہر نوع مولانا کا یہ فلسفہ ۱۹۵۶ء میں منصۂ شہود پر آیا، جب ان پر مرکزی مجلس شوریٰ میں مدلل طریق پر یہ واضح کر دیا گیا کہ انہوں نے انتخابی سیاست میں پڑ کر ان اصولوں اور اس مرکزی پالیسی کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے، جن کے اساس پر جماعت اسلامی ۱۹۴۱ء میں قائم کی گئی تھی تو مولانا نے فرمایا کہ میں نے اگر جماعت اسلامی کے اصولوں سے انحراف کیا ہے تو کیا ہوا' یہ جو کچھ کیا گیا، اسلام ہی کی خاطر اور دینی مصلحت ہی کی وجہ سے کیا گیا ہے، اور دین میں جہاں اصولوں کی اہمیت ہے' وہاں حکمت عملی (پریکٹیکل وزڈم) کو برابر کی اہمیت حاصل ہے نادان اور اسلامی تحریک کی راہ کا روڑا ہیں وہ لوگ جو احوال و ظروف کو دیکھے بغیر اصولوں پر کاربند رہنے کی رٹ لگائے چلے جا رہے ہیں' انہیں نہیں معلوم کہ اور تو اور خود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار مواقع پر اپنے ہی پیش کردہ اصولوں میں لچک اور استثناء کی گنجائش نکالی اور جب اسلامی ریاست کے عملاً قائم ہونے کا وقت آیا تو حضور نے صحابہ کو بعض ان اصولوں پر عمل کرنے سے روک دیا جن کی تبلیغ آپ اس سے پہلے فرمایا کرتے تھے[1]

---

[1] مولانا کا یہ مضمون دسمبر ۱۹۵۶ء کے ترجمان میں شائع ہوا تھا اس پر "المنبر" میں بحث ہوئی الفرقان لکھنؤ میں مولانا عتیق الرحمن سنبھلی نے مفصل مقالات لکھے اور مولانا امین احسن اصلاحی کا ایک اہم ترین مقالہ پہلے "مقام رسالت" کراچی میں شائع ہوا ازاں بعد میثاق میں انہوں نے بہت کچھ لکھا۔

۵۶ء میں مولانا نے یہ فلسفہ دینی پیش فرمایا تھا اور اب اس کی مزید تشریح انہوں نے اس اصول سے فرمادی کہ اسلام کے اصول ہی دو قسم کے ہیں، وقتی اور ابدی۔

مس فاطمہ جناح کی صدارت شراب کی طرح محض اضطراراً حلال کیگئی ہے

بایں ہمہ ہمیں اعتراف ہے کہ مولانا نے یہاں تسلیم فرمالیا تھا کہ عورت کو صدر مملکت بنانا ہے تو اسلام میں حرام، مگر جس طرح مرتے آدمی کے لئے شراب حلال ہو جاتی ہے ایسے ہی پاکستان کے ساڑھے چار کروڑ مردوں کے لئے حالت اضطرار کے باعث حلال ہو گیا ہے کہ مس فاطمہ جناح کو صدر مملکت بنائیں ـــــ لیکن یہ "قافلہ سخت جاں" آگے چلا تو اس نے وہ گل کھلائے کہ آپ بھی ان کی ادنیٰ سی جھلک سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔

عورت کو صدر مملکت بنانا بغیر اضطرار کے بھی جائز ہے

قاعدہ کلیہ ہے کہ اگر بادشاہ ایک انڈہ رشوت میں لے تو ملازمین حکومت مرغ مسلم پر ہاتھ صاف کیا کرتے ہیں۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب امیر جماعت اسلامی نے تو "ابدی اور قطعی حرمت" اضطرار کی حالت میں احکام کی تبدیلی وغیرہ کا سہارا لیا تھا اور غیر معمولی حالات کی وجہ سے محترمہ فاطمہ جناح کی صدارت شراب کی طرح حلال کی تھی مگر مریدوں نے لائن ہی صاف کر دی اور یہ لکھا :-

قرآن اور حدیث یعنی خدائے تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، فقہ و کلام و متکلمین، مفسرین محدثین اور اجماع کہہ کر تمام امت محمدیہ پر سخت ترین تہمت ہے کہ وہ عورت کو صدر جمہوریہ بنانے کو منع کرتے ہیں ..... عورت بادشاہ بن سکتی ہے یا نہیں، عدم جواز کی عبارتیں لے کر ان سے صدر جمہوریہ ہونے کے عدم جواز کو ثابت کرنا صحیح استدلال نہیں بن سکتا۔

(مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی آئینہ، ۲۵ دسمبر ۶۴ء، ص ۱۱)

مفسرین محدثین، متکلمین، فقہا اور آئمہ نے جہاں جہاں عورت کو امیر مملکت بنائے جانے کو ناجائز کہا ہے اور سبھی کا اس پر اتفاق ہے۔ مولانا کے نزدیک ان سب حضرات نے "امیر مملکت اسلامیہ" سے مراد "بادشاہ" لیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥

اگر مولانا لاعلمی کی بنا پر کہہ رہے ہیں تو افسوسناک ہے۔ اور اگر جانتے بوجھتے فرما رہے ہیں تو الم انگیز :- ان کنت لاتدری فتلک مصیبۃ ۔ وان کنت تدری فذاک اعظم ۔

عورت کو بادشاہ بنانا بھی جائز ہے

مولانا موصوف نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور فرما دیا ۔ "عورت کو بادشاہ بنانا بھی بعض علماء کے نزدیک جائز ہے۔ بلکہ حنفی علماء کے نزدیک بھی" سوچئے! ایسے محقق علماء کی موجودگی میں مولانا مودودی صاحب کو کیا فکر ہے اور کیا ضرورت ہے کہ وہ ایک حرام کو حلال کرنے کیلئے ابدی اور وقتی حرمتوں کے چکر میں پڑیں۔ یہی مولانا موصوف فرماتے ہیں :- اگر صرف عورت کو ملک کے سب کام نہ سونپے جائیں۔ اس کو بادشاہ نہ بنایا جائے بلکہ جمہوریت کی صدر قرار دیا جائے۔ تو نہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔ نہ کسی بھی بزرگ کے کلام میں ہے"۔ وہ مزید فرماتے ہیں اور فرماتے کیا ہیں حرمت وحلت کے تمام مسائل کو لپیٹ رہے ہیں :-

"بات یہ ہے کہ ان حضرات کے زمانے میں جمہوریت ہوتی ہی نہ تھی۔ ہوتی ہوگی تو خال خال۔ اس لئے اس کا کوئی حکم نہیں مل رہا ہے۔ صرف شخصی حکومت کا ذکر ہے۔ کسی محدث، مفسر، فقیہ و متکلم، صوفی و عالم سے صدر جمہوریہ کا ناجائز ہونا منقول نہیں"۔ (ایضاً صہ ۱۲ - ۲۱)

ایک دوسرے مولانا کا ارشاد سنیئے :-

"عورت کی سربراہی کے سلسلے میں کوئی قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت نص موجود نہیں، صرف تعامل امت ہے جس میں استثناء پہلے سے موجود ہے اور ایسا استثناء پہلے سے موجود ہے اور اس استثناء سے اب بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے"۔ (مولانا گلزار احمد رکن مجلس شوریٰ جماعت اسلامی کا بیان، آئین کیمبل پور)

عورت کا انتخاب شرعاً ناگزیر ہے!

یہ آپ آغاز مضمون میں پڑھ چکے کہ جماعت اسلامی نے مس فاطمہ جناح کی نامزدگی کو دینی نقطہ نظر سے شرعی علیحدہ کہا تھا دوسرا مرحلہ آیا تو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں :-

"اگر ایک طرف ایسا مرد ہو جس میں خرابیوں کے سوا کچھ نہ ہو اور دوسری طرف ایسی خاتون ہو جس میں عورت ہونے کے سوا کوئی خرابی موجود نہ ہو تو شرعی اعتبار سے ایسی صورت میں خاتون کو صدر مملکت منتخب کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے"۔

(مولانا مودودی کی تقریر لاہور، نوائے وقت ۲۶ / اکتوبر ۶۴ء صہ ۱)

جواز مطلق

بات کا آغاز ہوا تھا کہ عورت کو صدارت کے لئے کھڑا کرنا ہے تو حرام مگر جس طرح مرتے آدمی کے لئے شراب پی لینا بوجہ اضطرار جائز ہو جاتا ہے، اسی طرح عورت کو صدارت کے لئے کھڑا کرنا جائز ہو گیا، مگر جس ماحول میں یہ فتویٰ صادر ہوا تھا، اس میں تو ذہن غالب یہ تھا کہ عورت کو مکمل آزادی ملنی چاہئے اور یہ عقیدہ کہ عورت سیاسی مناصب کی اہل نہیں، عورت پر ناروا پابندی کے مترادف ہے۔
اس ذہن کی نمائندگی نظام اسلام پارٹی کے قائد نے فرمائی، وہ کہتے ہیں:-

"اسلام خاتون کو عہدہ صدارت کے لئے منع نہیں کرتا ویسے بھی موجودہ عہد میں نہ تو آئین خالص اسلامی اقدار کا حامل ہے اور نہ قوانین کتاب وسنت کے مطابق ہیں۔

(چوہدری محمد علی ـــ نوائے وقت ۲۰ر اکتوبر ۱۹۶۴ء)

قرآن کی رو سے عورت خلیفۃ المسلمین بن سکتی ہے

یہ بات تو ایک مسٹر نے کہی تھی، اب ایک "مولانا" کی بات سنئے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی رو سے "خلافت الہیہ" کا وعدہ جس طرح مردوں سے ہے اسی طرح عورتوں سے بھی ہے گویا ان کے نزدیک اگر آج خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو تو اس کی امیر ایک عورت ہو سکتی ہے، انہوں نے استدلال فرمایا ہے وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض الآیۃ میں "لیستخلفنہم" کی ضمیر میں عورتیں بھی داخل ہیں لہٰذا وہ بھی صدر مملکت ہو سکتی ہیں۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آئین ۱۲ر نومبر ۶۴ء)

فتویٰ کی ضرورت نہیں

یہاں وہ فتاویٰ آڑے آئے جو اس سے قبل متحدہ محاذ کے بعض قائدین خود دے چکے تھے کہ عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی تو حزب اختلاف کے خصوصی آرگن "نوائے وقت" نے "جدہ" سے آمدہ خصوصی مقالہ شائع کیا جس میں ایک عالم دین کا یہ قول نقل کیا گیا تھا

"جن غیر معمولی حالات سے کسی ملک کو سابقہ پڑتا ہے وہاں پر کس طریقہ سے ان حالات سے نپٹنے کی ضرورت ہوتی ہے یہ وہی لوگ جان سکتے ہیں جو خود ان حالات کے عملی معرکہ میں شامل ہوں اور جن کو مستقبل کی فکر ہو، ضرورت مشکلات میں حل کی ہے فتویٰ کی نہیں۔" (نوائے وقت ۲۵ر نومبر)

ابھی تو مرحلہ آغاز ہی میں فتویٰ بیزاری کا یہ عالم ہے کہ ایک "عالم دین" تک فتوی کی تحقیر یوں کر رہے ہیں جب عورت کو صدارت پر فائز کرنے کی تحریک، کمیونسٹوں کے ترکش کا تیر بن کر کردار مسلم کے سینے میں پیوست ہوگی، اس وقت اس کی زہرناکی کس درجے کی ہوگی؟

قرآن کے اصول صرف "راہ نما" اصول ہیں

خلش یہ تھی کہ قرآنی نصوص تو اس بارے میں واضح ہیں کہ عورت کا دائرہ کار گھر تک محدود ہے دفتر اور ایوانِ سیاست سے اس کا کوئی سروکار نہیں ــــ اس مشکل کو حزب اختلاف کی مرکزی کمیٹی نے یوں حل کیا کہ قرآن اس بارے میں جو کچھ کہتا ہے وہ "حکم" نہیں "راہ نما اصولوں" کی حیثیت رکھتا ہے ارشاد فرمایا گیا:

"عورتوں کی قیادت و امارت کے بارے میں جو احکام و ہدایات ہیں وہ عام راہنمائی کی نوعیت کی ہیں لیکن ان سے کسی طرح بھی امارت و قضاء کے باب میں قطعی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔"

(عورت مسلمانوں کی سربراہ ہو سکتی ہے ۱۱
شائع کردہ مرکزی متحدہ کمیٹی حزب اختلاف فلیگ سٹاف ہاوس کراچی)

قرآن کہتا ہے کہ سیاسی ذمہ داریوں میں مرد اور عورت برابر ہیں

ذرا اپنی ایمانی غیرت کو مستحضر کیجئے اور دیکھئے کہ اس ایک ہی انتخاب میں عورت کو کھڑا کرنے نے حزب اختلاف کو "قرآن اور شریعت اسلامی کو مسخ کرنے کی جرأت کس قدر دلائی ہے "متحدہ حزب اختلاف کمیٹی مغربی پاکستان" نے ایک اشتہار شائع کیا ہے، اس میں کہا گیا ہے:

"آیات قرآنی ــــ اللہ تعالےٰ نے سیاسی اور تمدنی ذمہ داریوں میں مرد اور عورت دونوں کو برابر کا ذمہ دار قرار دیا ہے" ویجعلکم خلفاء الارض (النمل ۶۲) اور اس طرح تمہیں زمین کا وارث کرتا ہے۔"

احادیث ــــ (۱) النساء شقائق الرجال (حدیث پاک، عورتیں مردوں کی ہم پایہ ہیں)
(۲) کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ (حدیث پاک) تم میں سے ہر مسلمان مرد اور عورت تہذیب و سیاست کے لحاظ سے نگران ہے اور ہر ایک سے اس کے حلقہ اثر کے بارے میں پوچھا جائے گا۔" (نوائے وقت ۳۱ دسمبر ۶۴ء)

مصلحت دین کیا ہے؟ جماعت اسلامی کے ارکان سے!

جماعت اسلامی کے قائدین مسلسل یہ فرماتے جا رہے ہیں کہ ہم نے عورت کی جو حمایت کی ہے، تو یہ حکمتِ دین کا عین تقاضا ہے اگر وہ ایسا نہ کرتے تو اس ملک میں دین کو بحیثیت نظام زندگی نافذ کرنے کے راستے بند ہو جاتے ۔۔۔۔ مزید برآں یہ حضرات بڑے طمطراق سے فرماتے ہیں:۔

ہم حیران ہیں کہ جو بزرگ انفرادی زندگی میں شریعت کی عطا کردہ رخصتوں سے خود بھی فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں اور اپنے متوسلین کو بھی ان سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیتے ہیں انہیں اجتماعی مسائل کے معاملے میں اس اصول کا نام سن کر کیوں وحشت ہوتی ہے۔ اس کی ہمیں صرف ایک وجہ نظر آتی ہے کہ صدیوں کے انحطاط نے ہمیں اسلام کے اجتماعی نظام سے اتنا بے تعلق اور بیگانہ کر دیا ہے کہ ہم نے اس معاملہ میں کبھی غور نہیں کیا، ہمارے ذہنوں میں جمود و تعطل ہے، اس وجہ سے کبھی یہ سوچا گوارا ہی نہیں کیا کہ ملت اسلامیہ کے کچھ اجتماعی معاملات غور و فکر کے محتاج ہیں اور وہ بھی اس امر کے متقاضی ہیں کہ ہم ان کے حل کرنے کے لئے "استحسان" کے اصول کو نگاہ میں رکھیں"۔ (ترجمان القرآن جنوری ۱۹۶۵ء صفحہ ۶۹)

اگر خدا کے خوف سے دل خالی نہیں ہو گئے تو سوچنا چاہئے جس بصیرت کا ادعا بار بار کیا جا رہا ہے اور اس سے دوسروں کو محروم ثابت کئے جانے کے لئے خوب خوب پروپیگنڈا مسلسل جاری ہے کیا اس بصیرت کو یہ پہاڑ جیسی عظیم حقیقت سجھائی نہیں دے رہی کہ اس انتخابی معرکے میں عورت کے حامیوں نے اسلامی شریعت کو اپنا خادم بنا لیا ہے اور قرآن کی نصوص کو اس طرح مسخ کیا جا رہا ہے جس طرح وہ لوگ کیا کرتے ہیں جن کا مقصد قرآن سے اشتراکیت ثابت کرنا ہو۔

کیا جماعت اسلامی اس صریح تحریف سے انکار کرتی ہے؟ کیا وہ متحدہ حزب اختلاف کی ایک رکن ہونے کی حیثیت سے عنداللہ اور عندالناس اس تحریف کی ذمہ دار نہیں ہو گی؟ ۔۔۔ اور کیا اس قسم کی تحریف قرآنی میں اس کا اپنا ہاتھ نہیں ہے؟

اور سوچئے کل جب اس ملک میں اس تحریک کے نتیجے کے طور پر، عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش لاکھڑا کرنے اور سیاسی میدان میں عورتوں کو برابر کا حصہ دلانے کی تحریک اقدام و جارحیت کے مراحل طے کرے گی تو یہ اشتہارات، کتابچے اور اخبارات جن میں عورت اور مرد، دونوں کو سیاسی اور مدنی ذمہ داریوں میں برابر کا ذمہ دار قرار دیا جا رہا ہے اور جماعت اسلامی بھی اس ذمہ دار کئے جانے کو

اب خدا کی جانب منسوب کر رہی ہے۔ اس وقت یہ اشتہارات اور کتابچے، جماعت کے کارکنوں کو اس قابل چھوڑیں گے کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ شریعت میں عورتوں کا دائرہ کار گھر کی چار دیواری تک محدود ہے اور سیاسی ذمہ داریاں عورت پر نہیں ڈالی گئی ہیں" —— اگر ذہن کلیتہً ماؤف نہیں ہو چکے تو جماعت کے وہ دین دار لوگ جو جماعت میں شریک ہی اس لئے ہوئے تھے اور دینی صلاحیتیں و توانائیاں صرف اسی مقصد عزیز از جان —— کے لئے صرف کر رہے ہیں کہ یہاں خدا کا دین قائم ہو، انہیں سوچنا چاہئے کہ آج اپنے ہاتھوں دین کو دفن نہیں کر رہے اور اس فتنے میں مبتلا نہیں ہو رہے جس کے مٹانے کے لئے وہ اس جماعت میں شریک ہوئے تھے ؟

کیا یہ حضرات "تبدیلی احکام" کے اس فلسفے سے مطمئن ہو رہے ہیں، جو کبھی پرویز صاحب اور ادارہ ثقافت کے سربراہ کا پیش کیا کرتے تھے اور جماعت کے امیر و مامورین ان کے خلاف مصروف جہاد ہوا کرتے تھے ؟

جماعت اسلامی کے امراء و راہنما بھی

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایسی باتیں صرف متحدہ محاذ ہی کے نام سے شائع ہو رہی ہیں (اگرچہ متحدہ محاذ ہی کی جانب سے شائع ہونا، جماعت اسلامی کی جانب سے شائع ہونے کے مترادف ہے) جماعت اسلامی کے آرگن اور جماعت اسلامی کے ذمہ دار حضرات بھی یہی کچھ کہہ رہے ہیں، اوپر آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جماعت اسلامی کے نئے آرگن "آئین" کے انتخاب نمبر میں ایک مولانا یہ ارشاد فرما رہے تھے:-

لیستخلفنھم فی الارض ولیمکننھم الآیۃ) کا وعدہ صرف مردوں سے نہیں کیا گیا۔ انھکم وا باالعدل صرف مردوں ہی کے ساتھ مخصوص ماننا ضروری ہوتا تو ان تؤدوا الامانات الی اھلھا کا حکم بھی صرف مردوں ہی کو دیا جائے گا۔ خدا نے فرمایا ہے:-

(مومن ہیں) جو توبہ کرتے ہیں، عبادت کرتے ہیں، خدا کی حمد کرتے ہیں اور اللہ کے حدود کی حفاظت کرتے ہیں۔ (توبہ ۱۱۲)

اس آیت میں اگرچہ صیغہ مذکر ہیں لیکن اللہ کے قوانین کی رکھوالی کرنا بھی مردوں کی طرح سے عورتوں پر بھی واجب ہے۔

نیتوں کا حال تو خدا کو معلوم ہم تو ظاہر کے مطابق یہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ بوڑھی اور ناتواں عورت کے قوی اور توانا ایمان نے یہ فیصلہ کیا کہ حدود اللہ کی حفاظت میں مرد ناکام رہے (کیا یہ حضرت مولانا جماعت اسلامی کے امیر اور ان کے مامورین کو بھی انہی ناکام مردوں کی فہرست میں

شامل سمجھتے ہیں؟ (وفاق ۱۹؍۱) تو مجھ جیسی کمزور عورت کو مجبوراً سامنے آنا ہی پڑے گا۔

(مولانا ابوالحلال ندوی آئین لاہور ۱۴؍نومبر ص۹)

فاطمہ جناح - تیر قضا - اور خدا کا فضل

جس طرح تائید ایزدی سے پاکستان حاصل ہوا تھا۔ ایسے بھی خدا کے فضل سے اسی طرح آمریت کا دور ختم ہونے کے حالات پیدا ہو گئے ہیں ۔۔۔۔۔۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ قضا کے تیر کی طرح محترمہ فاطمہ جناح سامنے آگئیں۔

(مولانا مودودی کا ارشاد ۔۔۔ ایشیا ۲۷؍دسمبر ۱۹۶۴ء)

اس ارشاد پر روزنامہ وفاق سرگودھا کا ایک ادارتی نوٹ بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

مولانا مودودی کی تقریر کا یہ حصہ سامنے آنے پر مولانا سے اگرچہ یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان اگر بقول آپ کے تائید ایزدی سے حاصل ہوا تھا تو آپ نے یہ سعادت کیوں نہ حاصل کی کہ آپ بھی اس جدوجہد میں شریک ہوتے جو حصول پاکستان کے لئے جاری تھی اور جس کے نتیجہ میں تائید ایزدی سے پاکستان حاصل ہو گیا۔ لیکن ہم اس سوال کی بجائے مولانا کو یہ یاد دلانا چاہتے ہیں۔ کہ لاہور کے جس گول باغ میں آپ نے ۱۱؍دسمبر ۱۹۶۴ء کو یہ تقریر کی ہے۔ اسی گول باغ میں آپ نے ۱۱؍فروری ۱۹۵۱ء کو بھی ایک انتخابی تقریر کی تھی۔ پاکستان میں آپ کی یہ پہلی انتخابی تقریر تھی۔ اس تقریر کے دوران کتاب و سنت کے حوالوں سے اور اسلامی اصولوں کی روشنی میں جس انتخابی پالیسی پر عمل پیرا ہونے کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس میں پارٹی سسٹم اور پارٹی ٹکٹ کو سب سے بڑی لعنتیں قرار دینے کے ساتھ ساتھ آپ نے قرآن مجید کی بعض آیات اور احادیث نبوی کی روشنی میں یہ بھی واضح کیا تھا۔ کہ انتخاب لڑنے کے لئے امیدوار بن کر سامنے آنا اور جگہ جگہ اپنے لئے ووٹ طلب کرتے پھرنا اسلامی شریعت کے منافی ہے۔ آپ کو یاد ہو گا۔ کہ آپ نے پارٹی سسٹم اور امیدواروں کے ان فتنوں کی اہمیت واضح کرنے کے بعد اس صالح نمائندے کی نشانیاں بھی بیان کی تھیں جو ایک مسلمان کے ووٹ کا مستحق ہو سکتا ہے۔ اس مسئلہ پر آپ نے احقاق حق اور ابطال باطل کا فرض انجام دینے کے لئے خود بھی سابق پنجاب کے کونے کونے میں تقریریں کیں۔ اور آپ کی جماعت کے کارکنوں نے بھی غیر شرعی اور غیر اسلامی طریق کار کی مذمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس مقصد کے لئے وسیع پیمانے پر انتخابی لٹریچر بھی شائع کیا گیا۔ جس میں "انتخابی جدوجہد" نامی پمفلٹ سر فہرست شمار کیا جا سکتا ہے۔ جو آپ ہی کے اس وقت کے خیالات و نظریات پر مشتمل ہے۔

آپ کے پہلے خیالات و نظریات جب ذہن میں آتے ہیں - اور اس کے ساتھ ہی آجکل کی وہ پالیسی سامنے آتی ہے - جس میں آپ نے ہر اس حرام قطعی کو حلال کر لینے کا فیصلہ سنا دیا ہے - جسے آپ خود غیر مبہم الفاظ میں کتاب و سنت کی تائید سے حرام قطعی قرار دے چکے ہیں - تو ایسا معلوم ہوتا ہے - کہ صدارتی انتخاب میں محترمہ فاطمہ جناح کا حصہ لینا صدر ایوب کے لئے تو قضا کا تیر ثابت ہو یا نہ ہو لیکن آپ کے اس نظریہ و نصب العین کے لئے یہ تیر یقیناً "کارگر ثابت ہو چکا ہے - اس لئے کہ سیاسی کشمکش میں فتح و شکست تو چنداں اہمیت نہیں رکھتی البتہ کسی نظریہ و نصب العین سے انحراف اپنے ہی ہاتھوں اس نظریہ و نصب العین کی قبر کھودنے کے ہم معنی ہے - اور پھر جب یہ انحراف بھی محض کسی موہوم امید پر مبنی ہو تو انحراف کا فیصلہ اور بھی زیادہ افسوسناک قرار پانا چاہیئے - یہ بات تو ابھی صدارتی انتخاب کے نتائج سامنے آنے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گی - کہ محترمہ فاطمہ جناح آپ کے خیال میں صدر ایوب کے لئے قضا کے جس تیر کا روپ دھار کر انتخابی معرکہ میں شامل ہوئی ہیں - صدر ایوب پر یہ تیر کس حد تک اثر انداز ہوتا ہے لیکن آپ کے افکار و نظریات اس تیر کی زد میں اس بری طرح آئے ہیں - کہ بس توبہ ہی بھلی!

کاش آپ اب بھی اپنے موجودہ فکر و عمل پہ ٹھنڈے دل سے غور کر سکیں - اور کم از کم اپنی ہی ان تحریروں پر ایک نظر ڈال کر اپنے موجودہ طرز عمل پہ نظر ثانی کر سکیں - جو آپ نے صالح قیادت بروئے کار لانے ،، اسلامی انقلاب برپا کرنے اور اسلامی حکومت کے قیام کے موضوع پر اب تک لکھی ہیں - کاش آپ محض کسی سیاسی گروہ سے عناد کی بنا پر اپنے ہی بیان کردہ اسلامی اصولوں سے انحراف پر یوں آمادہ نہ ہوتے!!

مس فاطمہ جناح کی شان میں

مس فاطمہ جناح کے متعلق اتنا کچھ کر دینا ان روایات کے خلاف تھا جو آج تک جماعت نے اس قسم کی خواتین کے بارے میں بارہا ظاہر کی تھیں اور "نظام اسلامی" کے معروف مفہوم کے برعکس ان کی زندگی محل نظر نہ تھی مگر اس پر کچھ دوسرے انداز کی بات کہنے کے بجائے جماعت کے مشاہیر نے بہت ہی دلچسپ باتیں ارشاد فرمائیں ان میں سے چند ایک ملاحظہ ہوں -

مرفوع الحجاب بڑھیا

ایک طرف جبر و تشدد و تحریف فی الدین اور آمریت ہے اور دوسری طرف عورت اور عورت ۰

بھی عام نہیں بلکہ ۷۸ سال کی بڑھیا، جو شرعی لحاظ سے مرفوع الحجاب ہے۔ ظاہر ہے کہ فقہ کے مسلم اصول "اھون البلیتین" کی رو سے یہ عورت تحریف فی الدین کرنے والے جابر مرد سے زیادہ قابل ترجیح ہے۔　(مولانا محمد چراغ صاحب گجرانوالوی، "ایشیاء" ۲۰ر دسمبر ص ۲۳)

۷۸ سال کی بڑھیا جو شرعی لحاظ سے مرفوع الحجاب ہے —— اسے خدا نے تو حکم دیا تھا کہ گھر میں ٹک کر بیٹھے (والقواعد من النساء) مگر وہ قریہ قریہ للکار رہی ہے —— اور اب مولانا آگے بڑھے ہیں، اس معزز خاتون کے لئے "مرفوع الحجاب" ہونے کی دلیل مہیا فرمانے کے لئے جیسے اس بڑھیا نے، عنفوان شباب تک کی ساری عمر حجاب ہی میں گذاری ہے اور وہ حجاب ہی کی مبلغہ و داعیہ رہی ہیں —— اور پھر سوچنے کی بات ہے کہ یہ بڑھیا ایک آمر مطلق سے ملک کو نجات دلا کر، خالص جمہوریت مہیا فرمائیں گی؟

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا

"ہم ناگزیر ضرورت سے آگے کب بڑھ رہے ہیں، ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ محترمہ فاطمہ جناح کی کامیابی کے لئے سارا زور صرف کر دیں، ہم کب یہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو دفتر میں لانا جائز ہے۔ ان سے ایئر ہوسٹس کی خدمت لینی چاہئے اور گانے بجانے اور ناچنے کے لئے اسے کھلی چھٹی ہے۔"　(مولانا محمد چراغ صاحب ایشیاء ۲۷ر دسمبر ص ۲۳)

مولانائے محترم! گستاخی معاف! سادہ دل علماء دین ہمیشہ اسی طرح استعمال ہوتے ہیں۔ ان سے شاطر سیاستدان، وقتی مجبوریوں کا شور مچا کر، اپنے حسب منشاء فتویٰ لیا کرتے ہیں اور جب وہ غلط راستے پر، اس فتوے کے سہارے ایک قدم اپنی مطلوب منزل کی جانب بڑھا لیتے ہیں تو اس کے بعد دوسرا اور تیسرا قدم اٹھا کرتا ہے اور لبا اوقات وہ اس اقدام کے دوران پہلے قدم پر فتویٰ دینے والے علماء کو پاؤں تلے روند کر آگے بڑھا کرتے ہیں۔

اے کاش آنمکرم نے یک طرفہ غور نہ فرمایا ہوتا اور معلوم ہوتا کہ اس ملک کے قیام سے لے کر اب تک عورت کو سیاست میں لانے اور اسے زندگی کے ہر شعبے میں مردوں کے دوش بدوش کھڑا دیکھنے کی آرزو میں، تحریک آزادی نسواں کے علمبرداروں نے بالعموم اور خود آپ کی امید وار صدارت مس فاطمہ جناح نے بالخصوص کیا کچھ کیا ہے اور آج سے سولہ برس پیشتر آپ کی ممدوحہ مکرمہ مادر ملت صاحبہ نے نوجوان لڑکیوں کو نرسیں بنانے، مخلوط تعلیم گاہیں قائم کرنے میں کس قدر دلچسپی لی ہے

اور جو لوگ جیسے کہ آج آپ فرما رہے ہیں، نرسنگ وغیرہ کو دینی نقطۂ نظر سے حرام بتاتے تھے، انہیں متعصب اور ضدی قرار دے کر کیسے مشفقانہ تلقین فرمائی تھی کہ اس "قومی خدمت" کے بغیر چونکہ ہم ترقی نہیں کر سکتے اس لئے نرسنگ کے خلاف مذہبی تعصب کو ختم کر دینا چاہئے۔"

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو نوائے وقت ۲؍

خدا آپ کو سلامت رکھے، آپ اپنی آنکھوں سے جب اس صدارتی تحریک کے برگ و بار ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ آزادی نسواں کے علمبردار آج آپ کے "اضطراری فتاویٰ" کو آپ کے سامنے رکھ کر آپ کا منہ بند کر دیں گے اور آپ کے دینی بھائی آپ کو یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ

ع اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست

رہا یہ کہ جبر اور آمریت کے بالمقابل آپ اس عورت کو لا رہے ہیں تو معاف فرمایئے گا یہاں بھی آپ ایسے بزرگ شاطر سیاستدانوں کے ہاتھوں مار کھا گئے، آپ نے اگر مطالعہ فرمایا ہوتا تو آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ مادر ملت صاحبہ، موجودہ آمر سے دس بیس گنا نہیں سو گنا زیادہ آمر ہیں، تنک مزاج ہیں، متکبر ہیں اور جسے آپ ملعون آمریت فرماتے ہیں، آپ کے "ایوب صاحب" میں تو فوج کے ماحول سے آئی تھی اور سیاست نے اس آمریت کے کس بل نکال دیئے اور انہیں اپنی دسیوں باتوں (دستور میں، اسلامی جمہوریہ، بنیادی حقوق، ملک میں سیاسی پارٹیوں کے قیام پر مشتمل ترامیم اور عائلی قوانین کو شریعت کے مطابق بنانے کے لئے آج سے ایک سال قبل کمیٹی نامزد کرنے وغیرہ) کو عوام یا خواص کے حسب منشا بدلنے پر آمادہ کر لیا تھا مگر جب آپ اور آپ کے قائدین کرام کو ان مادر ملت صاحبہ سے عملاً واسطہ پڑے گا تو آپ چلا اٹھیں گے۔ رحم اللہ النباش الاول .... ترسم کہ آزاد شوی ورنہ سخن بسیار است

غلبۂ اسلام کیلئے

"اب ساری امیدیں غلبۂ اسلام کی مس فاطمہ جناح کی ذات ستودہ صفات سے وابستہ ہو چکی ہیں بعد ــــ (ہم) مس فاطمہ جناح کی نامزدگی کو خلاف شریعت نہیں سمجھتے، ہم پاکستان بھر کے ارکان انتخابی ادارہ سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ غلبہ اسلام اور بحالی جمہوریت کے لئے محترمہ فاطمہ جناح کو کامیاب بنائیں۔" (مشائخ کانفرنس میرپور خاص میں شامل مشائخ۔ جنگ ۱۷ر دسمبر ۱۹۶۴ء)

اور کیوں نہ ایسا ہو جب کہ اقامت دین کی سب سے بڑی داعیہ جماعت اور نظام اسلامی کی واحد علمبردار جماعت کی مجلس شوریٰ نے مس فاطمہ جناح کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ وہ ان تمام صفات

سے موصوف ہیں، جو صدر مملکت میں ہونا چاہئیں، ارشاد ہوا:

تمام صفات سے موصوف

جماعت اسلامی کے سوا دوسری اپوزیشن پارٹیوں نے اس مقصد کے لئے محترمہ فاطمہ جناح کو منتخب کیا ہے اس انتخاب میں اس کے سوا کوئی قباحت نہیں ہے کہ وہ ایک خاتون ہیں، اس پہلو کے سوا باقی ہر حیثیت سے ان کے اندر وہ اوصاف موجود ہیں جو اوپر ایک موزوں صدارتی امیدوار کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔ (جماعت اسلامی کی قرارداد، شہاب ۱۱ اکتوبر ۶۴ء ص ۴)

اسلامی نظام رائج کرنے کیلئے مس فاطمہ جناح ہی کی ضرورت ہے

خود امیر اکبر، جماعت اسلامی نے فرمایا:

"ہماری صدارتی امیدوار مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح صدر ایوب سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ اس ملک کے ابتر حالات کو بہتر بنانے جمہوریت کی بحالی اور اسلامی نظام رائج کرنے کے لئے ضروری ہے کہ صدارتی انتخاب میں مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کو کامیاب بنایا جائے۔

(مولانا مودودی کی تقریر حیدرآباد نوائے وقت ۲۵ دسمبر ص ۲)

شرعاً افضل ہونا ثابت ہے

اور یہ اصحاب شریعت بھی فرماتے ہیں:

اگر کوئی مجبوری لاحق نہ ہو تو افضل یہی ہے کہ وہ (صدر جمہوریہ) مرد ہوں، ورنہ مجبوری میں عورت کا افضل ہونا ہی شرعاً ثابت ہے۔

(مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی آئین ۲۵ دسمبر ۶۴ء)

ایک مثالی اسلامی ریاست ـــــ بہر حال فوقیت!

اور ایک مشہور معمر عالم دین فرماتے ہیں:-

"ایک مثالی اسلامی ریاست کی سربراہی عورت کے سپرد نہیں ہونی چاہئے۔ مگر یہ بھی صحیح ہے کہ صدر ایوب جیسا مرد بھی اسلامی حکومت کا سربراہ نہیں ہوسکتا، اگر مقابلہ مادر ملت اور ایوب خاں کے درمیان ہو تو ہر حال میں مادر ملت کو فوقیت دی جائے گی۔

(مولانا اظہر علی اور ان کے ساتھی علماء کی تقاریر کا خلاصہ "شہاب" ۲ دسمبر ۶۴ء میں)

مس فاطمہ جناح کا تجدیدی کارنامہ

جماعت اسلامی کے آرگن "آئین" میں مولانا ابو الجلال صاحب فرماتے ہیں:

"ایک معمر خاتون نے جب دیکھا کہ آئین شکنی کے خلاف کسی مرد کی زبان متحرک نہیں، بزور عسکر تسلط کے خلاف کوئی لب نہیں ہلا، شریعت کی ترمیم و تنسیخ پر کوئی غصہ نہیں آیا، جبر و استبداد کی فرمانروائی کے خلاف کوئی مرد میدان عمل میں نہیں اُترتا، شکست کی ذلت برداشت کرنے کی، مردان دلاور میں ہمت نہیں پائی گئی اور ملت کے جوہر قابل کو جیل کے قابل سمجھ لیا گیا ہے تو اس ناتوان عورت نے عسکری قوت سے ٹکر لینے کی ٹھان لی اور فیصلہ کر لیا کہ ہار جیت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے فریضہ انجام دینا میرا کام ہے"۔

یہی حضرت مولانا فرماتے ہیں:

"نیتوں کا حال خدا کو معلوم ہے، ہم تو ظاہر کے مطابق یہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ بوڑھی اور ناتواں عورت کے قوی اور توانا ایمان نے یہ فیصلہ کیا کہ حدود اللہ کی حفاظت میں مرد ناکام رہے تو میرے جیسی کمزور عورت کو مجبوراً سامنے آنا ہی پڑے گا، ہار ہو یا جیت فریضہ تو انجام دینا ہی پڑے گا"۔

ڈھلمل یقین مفتی حضرات

بعض اہل فتویٰ نے بھی ان دنوں ڈھمل انداز بیان اختیار کر کے جماعت اسلامی کیلئے "گنجائش و استثنا" کے لئے نیم دلانہ کاوشیں کی ہیں ــــ مولانا ابو الجلال ندوی ان حضرات کے اس احسان کا بدلہ بھی نقد بہ نقد چکا رہے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"اس بوڑھی عورت نے کہا، "مسلمانوں کو امر بالجبر کے تسلط سے بچانا اور عاد (؟) کی قسمت سے امت مرحومہ کو محفوظ رکھنا مفتیان کرام نے اپنا فرض نہ سمجھا تو میں کیوں نہ سمجھوں"۔

مردان دلاور کی ہمتیں ٹوٹ گئیں تو مس فاطمہ جناح نے علم جہاد تھام لیا

مفتیان کرام کی اس "بزدلی" اور "فرائض سے کوتاہی" کے بعد مولانا ابو الجلال فرماتے ہیں:۔

محترمہ فاطمہ جناح ہمارے شکریے کی حقدار ہیں کہ وہ ایسے وقت میں سامنے آگئیں، جب کہ مردان دلاور کی ہمتیں ٹوٹی ہوئی ہیں، اللہ کا خوف بالائے طاق ہے، آرڈی ننسوں سے لوگ لرزاں ہیں، اخبارات بادلِ ناخواستہ خود ایسی آزادیوں کے سلب ہونے کے باوجود جھوٹی مداحیوں پر

تلے ہوئے ہیں۔"

مولانا اسی پر بس نہیں کرتے وہ فاطمہ جناح کے اس تجدیدی کارنامے کے حضور سراپا عقیدت و سپاس بن کر عرض گذار ہو کر فرماتے ہیں:

جس وقت کلمہ حق بولنے کے لئے ایک زبان میں بھی توانائی نہ تھی، ایک قلم میں بھی طاقت نہ پائی گئی، اس وقت ایک بوڑھی عورت سامنے آتی ہے اور ہم اسی کے خلاف فتوے دیتے ہیں۔"

(اور یہ ارشادات ہیں مولانا ابوالجلال ندوی کے جو "آئین" لاہور کی اشاعت ۱۴ر نومبر میں شائع ہوئے)

اگر فاطمہ جناح کی جگہ کسی متقی مرد کو کھڑا کیا جاتا تو گناہ ہوتا!

"محترمہ فاطمہ جناح کی جگہ کسی متقی پرہیزگار مرد کو صدارتی امیدوار بنایا جاتا تو یہ گناہ ہوتا کیونکہ ایوب صاحب اس کے مقابلہ میں آسانی سے کامیاب ہو جاتے اور موجودہ ظالمانہ و جابرانہ نظام ۹ کروڑ افراد کی قوم پر مسلط رہتا (مولانا مودودی کی تقریر حیدرآباد، جنگ ۲۵ر دسمبر بعنوان متقی مرد کو صدارتی امیدوار بنایا جاتا تو یہ گناہ ہوتا)

خدا کے رحم کے دروازے بند

مولانا نے فاطمہ جناح کو ووٹ نہ دینے پر عذاب الہٰی کی دھمکی بھی دی:۔ انہوں نے فرمایا:

"عوام ...... خود بھی اس امر کا خیال رکھیں کہ ان کے نمائندے ان کی قسمت کا کیا فیصلہ کرتے ہیں عوام کو اس معاملہ میں غافل نہیں رہنا چاہئے" اگر ان کی کوتاہی سے ان کے نمائندوں نے غلط فیصلہ کر دیا تو پھر خدا بھی رحم نہیں کریگا۔ (مولانا مودودی — "ایشیاء" ۲۷ر دسمبر صا)

فاطمہ جناح کو صدر بنانے کی جدوجہد جہاد کے حکم میں ہے

جب مولانا جو امیر اکبر ہیں، جماعت اسلامی کے فاطمہ جناح کے بالمقابل یا اس کی جگہ کسی متقی مرد کو کھڑا کرنے کو گناہ قرار دیں تو ناگزیر ہے کہ مولانا کے مریدین باصفا ایک قدم اور آگے بڑھیں، چنانچہ یہ قدم اٹھایا گیا:

"راولپنڈی ۷ر دسمبر (اپ پ س) جماعت اسلامی کی راولپنڈی ڈویژن شاخ کے امیر مولانا فتح محمد نے

کل یہاں انتخابی ادارہ کے ارکان اور ان کے حامیوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مادر ملت کی حمایت کو اسلام کے فروغ کی راہ ہموار کرنے کے مترادف قرار دیا اور کہا کہ محترمہ فاطمہ جناح کی کامیابی کے لئے جد و جہد کرنا جہاد ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اسلام کے احکام کی پابندی کے لئے اور اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے جمہوریت کی بحالی ضروری ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مسلمانانِ پاکستان محترمہ فاطمہ جناح کو اس طرح کامیاب کرنے کی کوشش کریں کہ ملک میں اللہ کی حاکمیت قائم کرنے کے دروازے کھل جائیں گے اور غیر اسلامی قوانین ختم ہو جائیں گے۔ مولانا فتح محمد نے کہا کہ جماعت اسلامی جذبۂ جہاد کے ساتھ ہی جمہوریت کی بحالی کی تحریک میں حصہ لے رہی ہے۔ آپ بھی اسی جذبہ سے تحریک میں حصہ لیں۔ اللہ آپ کو جہاد کا ثواب عطا فرمائے گا۔ ("جنگ" کراچی ۹ دسمبر ۶۴ء)

یہ دینی جہاد نامکمل تھا جب تک اس کے لئے کوئی تازہ وحی نازل نہ ہوتی، اس کمی کو "ختم نبوت کے محافظ اعلیٰ" "جمہوریت کے عظیم نقیب" "اسلامی شریعت کے محافظ اکبر" اور مولانا مودودی صاحب کے آج کے دست راست، جناب "حضرت مولانا" سید جنرل اعظم بالقابہ نے پورا کر دیا، انہوں نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مادر ملت سے کہا ہے — اے بی بی فاطمہ! تم ایک پاک خاتون ہو!

"محترمہ فاطمہ جناح کو قدرت نے پاکستان کو صحیح اسلامی ریاست بنانے کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے مادر ملت سے کہا ہے کہ اے بی بی فاطمہ! تم ایک پاک خاتون ہو، میدان میں نکلو اور جس طرح تمہارے بھائی نے عوام کی خدمت کی ہے تم بھی ان کی خدمت کرو! (نوائے وقت)

تعجب ہے، الفاظ بتلا رہے ہیں کہ یہ وحی مس فاطمہ جناح پر نازل ہوئی، مگر انہوں نے تو آج تک اسے چھپائے رکھا، مگر جنرل اعظم نے اسے بار بار دہرایا۔

یہ ہے داستان، عورت کو پاکستان کی سربراہ کار بنانے کی اس تحریک کی جو شروع تو ہوئی تھی اس جملے سے کہ یہ فعل، شراب پینے ہی کی طرح حرام ہے جو اضطراراً حلال کیا گیا ہے اور ۲ ماہ کے عرصے ہی میں پہنچی یہاں تک کہ آیات قرآنیہ کو مسخ کیا گیا، فاطمہ جناح کی جگہ کسی متقی مرد کو صدر مملکت بنانے کی کوشش کو گناہ ثابت کیا گیا، فاطمہ جناح کو صدر بنانے کی تحریک کو دینی جہاد کہا گیا —— اور بالآخر ایک تازہ وحی میں خدا کی جانب منسوب کر کے ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذباً کی وعید اپنے اوپر عائد کر لی گئی۔

اس سب کچھ کے باوجود "دینی بصیرت" "حکمت دین" "دینی مقاصد سے محبت"، "نظام اسلام"

کے قیام کی جدوجہد، اجتماعی مقاصد کی اہمیت اور اس کے تقاضوں کو سمجھنے پر تو مدعیان اقامت کی اجارہ داری ہی رہی اور جن لوگوں نے اس فتنۂ عظیمہ اور اس المعیہ فاجعہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور جنہوں نے شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ یہ تحریک تحریف دین، تحریف قرآن اور پاکستان میں "آزادیٔ نسواں" کی تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کا ذریعہ بنے گی وہ "دین سے بے خبر" "اسلام کی فلاسفی سے ناآشنا" "اقامت دین کے جذبہ سے محروم" "دینی بصیرت سے تہی دامن" "اجتماعی امور و معاملات سے جاہل اور" نظام اسلامی" کے جہاد سے" فرار" اختیار کر کے" گوشہ نشینی" کے مجرم قرار دیئے گئے۔

ہم اس کے جواب میں اس کے سوا کچھ نہیں کہنا چاہتے کہ الحمد للہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ —— اللھم ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔

(بقیہ صفحہ ۱۹۴ ایک شہ پارہ) جہاد کی بات تو بس قرونِ اولیٰ کے ساتھ ختم ہوئی۔ اب فقط نماز روزہ ہے، تسبیح و مراقبہ ہے، خطبہ و وعظ ہے، مدرسے مدفتویٰ بازی ہے، کرامت و اعجاز کی کہانیاں ہیں۔ ختم خواجگان ہے۔ ایسا تخیل جن ذہنوں میں پنجے گاڑے ہوئے ہو وہ بھلا ادراک ہی کیسے کر سکتے ہیں کہ جماعتِ اسلامی جو جنگ لڑ رہی ہے۔ یہ وہی جنگ ہے جو ازل سے نور و ظلمت کے درمیان جاری ہے یہ وہی معرکہ خیر و شر ہے جو مختلف شکلوں اور نوع بہ نوع قالبوں میں ہمیشہ برپا رہا ہے۔ کبھی اس معرکے نے فرعون و کلیم کی صورت اختیار کی۔ کبھی نمرود و ابراہیم کے عنوان سے پکارا گیا۔ کبھی اس نے مکہ و طائف کی وادیوں میں ظلم و مظلومیت کے مناظر ابھارے۔ کبھی یہ بدر و حنین کی جنگاہوں میں تلواروں کی جھنکار اور تیروں کی شائیں شائیں بن کر بکھرا پھر یہ اپنی تمام تر معنویت اور روح کو سمیٹے جمال الدین افغانی، حسن البنا۔ سید احمدؒ، محمد اسمٰعیلؒ جیسا خلاف کے سینوں میں دھڑکنے آیا اور آج اس نے اپنا علم ابوالاعلیٰ مودودی کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ نام کچھ بھی رکھ لو۔ زمانہ کوئی سا بھی مان لو۔ کشمکش چاہے ابوبکر اور مرتدین کی سمجھ لو یا عبداللہ اور ناصر اور اخوان کی۔ کیمپ بس دو ہی ہیں۔ وہی دو جو حضرت عیسیٰؑ اور موسیٰؑ کے دور میں تھے۔ وہی جو خاتم الانبیاءؐ کے عہد میں تھے۔ وہی جو آج مصر، انڈونیشیا، پاکستان اور دیگر ممالک میں نظر آ رہے ہیں۔ فرق صرف ظاہری شکلوں کا ہے، لبادوں اور لباسوں کا ہے۔ خد و خال اور ظروف و زمان کا ہے۔ حقیقت اور جوہر میں کوئی فرق نہیں۔

ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریف پنجہ فگن نئے ٭ وہی فطرت اسد اللّٰہی وہی مرحبی وہی عنتری
(آئین جمہوریت نمبر)

قافلہ آزادیٔ نسواں منزل بہ منزل

عورت کو صدرِ مملکت بنانے کی تحریک کے علمبردار

:جوش و غضب میں:

"کوئی بلا تنہا نہیں آتی" یہ اہل دانش کا مقولہ ہے۔ اور اس کا مصداق عورت کو مرد کے دوش بدوش، سیاسیات میں لاکھڑا کرنے والے حضرات کا طرزِ عمل ہے۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ دلائل سے وہ مقابلہ نہیں کر سکتے تو انہوں نے اپنے سے اختلاف کرنے والوں کو "علمی استبداد" کا نشانہ بنایا اور انہیں ہر اس تہمت سے نوازا جو ہمیشہ ان لوگوں پر لگائی گئی ہیں۔ جو گرد و پیش کو نظر انداز کر کے کلمہ حق کہنے کو ہی ذریعہ نجات یقین کرتے ہیں۔

آزادیٔ نسواں کے علمبردار اس نئے قافلہ نے اپنے سے اختلاف رکھنے والوں کو کن الفاظ و اصطلاحات سے نوازا ہے۔ اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ذرا اپنے حوصلے کو بلند کیجئے!

۱- علمائے سوء:- تاریخ میں علماء دین کے ہمیشہ سے دو طبقے رہے ہیں۔ ایک وہ جس نے اقتدار کے سامنے جبینِ نیاز خم کر دی، حکمرانوں کی نفسانی خواہشات کو جائز اور ان کی سربراہی کو رحمت ثابت کرنے کے لئے قرآن و حدیث میں تحریف کی۔ اور اس چند روزہ زندگی میں عارضی نفع کمایا۔ اس طبقہ کو ہمارے مورخ علماء سوء کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اس دور میں بھی .... بعض وہ ہیں جو اپنے ضمیر کے خلاف جبر و استبداد کے حق میں فتوے گھڑ کر پبلک کو گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ انہی صفوں میں وہی مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کرنے والوں کو جرأت مند اور ایثار پیشہ کہہ کر انہیں مبارکباد دیتے ہیں۔ (ایشیا ۲۲ دسمبر ۶۴ء)

۲- درباری علماء:- بعض درباری علماء نے چیختے ہوئے بیانات جاری کرنے شروع کئے۔ کہ کوئی عورت اسلامی مملکت کی سربراہ نہیں ہو سکتی۔ ادھر مولانا مودودی سے مولانا اطہر علی صاحب تک (یہ "سے تک" قابل توجہ ہے) اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے لے کر مفتی محمد حسین نعیمی تک ہر مکتب فکر کے علماء نے اعلان کر دیا۔ کہ دگرگوں حالات میں عورت کے سربراہ مملکت بننے پر کوئی پابندی نہیں۔ (شہاب ۲۰ دسمبر ۶۴ء صفحہ ۹)

جو علماء کرام اور مفتیان عظام، اس قسم کے اہم اور ہمہ گیر مسائل میں از راہ مروت یا تساہل، ایسی اصطلاحات میں اظہار رائے یا فتوے صادر کر دیتے ہیں۔ جن کا مفہوم علمی زبان میں کچھ اور ہے۔ اور عام لکھے پڑھے لوگ ان الفاظ سے دوسرے معانی لیتے ہیں۔ انہیں اپنے موقف پر نظر ثانی کرنی چاہیے، عند اللہ ایسے حضرات افتراق امت کا باعث بھی بن سکتے ہیں۔ اور مغالطہ دہی کے مرتکب بھی ا

۳- جکڑے ہوئے علماء:- اگرچہ چند حضرات نے (عورت کی سربراہی کیخلاف) فتویٰ دیا بھی ہے۔ تو یہ ایسے ہی ہے جیسے بے چارے جامعۃ الازہر کے جکڑے ہوئے علما جو نہ حق بات کہہ سکتے ہیں۔ اور نہ ہی کوئی ٹھیک رائے دے سکتے ہیں۔ (ایک حبیبیہ عالم نوائے وقت ۲۵ر نومبر)

۴- نجی مفادات کی خاطر:- "افسوس کہ چند ر اور نام نہاد پیر صاحبان اپنے "نجی مفادات" کی خاطر یہ غلط پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ کہ قرآن و حدیث کے مطابق کوئی خاتون سربراہ مملکت نہیں بن سکتی۔

بڑے دکھ کی بات ہے۔ کہ یہ مولانا اور پیر حکمران جماعت کو برسر اقتدار رکھنے کے لئے سادہ لوح مسلمانوں میں ایسے کتابچے تقسیم کر رہے ہیں۔ جن میں قرآن و حدیث کی غلط تاویلیں ہوتی ہیں۔ ان حالات میں کسی ایسے عالم دین کے لئے جو اسلام سے محبت کرتا ہے۔ خاموش رہے۔ ممکن ہے۔ میں صاحب فراش ہونے کے باوجود ان "نام نہاد علماء" اور پیروں کی سرگرمیوں کو دیکھ رہا ہوں۔ اور انہیں چیلنج کرتا ہوں۔ کہ اپنے اس دعویٰ کی قرآن و حدیث سے کوئی سند پیش کریں کہ خاتون سربراہ مملکت نہیں بن سکتی۔ اس کے برعکس میں یہ محسوس کرتا ہوں۔ کہ ایسے علماء اور پیروں کے فتاویٰ کے مطابق ووٹ دینا حرام ہے"؛ جو اپنے مفادات کی خاطر قرآن و حدیث کی غلط تاویلیں کرتے ہیں۔ اگر کسی کو اس سلسلے میں مجھ سے اختلاف ہو تو وہ مدرسہ امداد العلوم فرید آباد ڈھاکہ میں مجھ سے تبادلۂ خیالات کر سکتا ہے۔ (مولانا اطہر علی صاحب --- نوائے وقت ۵ر دسمبر)

چوہدری غلام محمد صاحب امیر جماعت اسلامی حلقہ کراچی ارشاد فرماتے ہیں :-

ان دنوں پریس ٹرسٹ کے اخبار "مشرق" میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا مضمون بھی عورت کی سربراہی کے مسئلہ پر چھپا ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں بحث کرتے ہوئے۔ منجملہ دوسری چیزوں کے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ .... متحدہ محاذ کا کوئی مرد (صدر ایوب) کے مقابل میں کھڑا ہونے کی جرأت نہ کر سکا۔ .... ان (مولانا اصلاحی صاحب) سے اس چیز کی توقع نہ تھی .... اس فضا میں متحدہ محاذ کا معرض وجود میں آنا اور صدر ایوب کو دندان شکن جواب دینا۔ حزب اختلاف

کے رہنماؤں کی "مرحومیت" کی ایسی دلیل ہے۔ جسے مردان حر تو سمجھ سکتے ہیں۔ مگر یہ ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ جو ہتھیار ڈال چکے ہوں۔ اور جن کے نزدیک آمریت کا طنطنہ ہی اہلیت واستحقاق کی دلیل ہو۔ (ایشیاء ١٤ر دسمبر ٦٥ء)

اللہ اکبر! ہتھیار ڈال چکنے کا الزام عائد کر رہے ہیں چوہدری غلام محمد صاحب اور وہ بھی مولانا امین احسن اصلاحی پر ـــــ اور یہی چوہدری صاحب محترم مولانا اصلاحی صاحب کو یہ فرما رہے ہیں۔ کہ ان کے نزدیک آمریت کا طنطنہ ہی اہلیت واستحقاق کی دلیل ہے۔ جل جلالہٗ

ایک شہ پارہ

اس ضمن میں نہیں البکہ یوں ہی ایک صاحب قلم کا شہ پارہ ملاحظہ فرمائیے:

اسی طرح اگر بعض ہمارے محقق علماء جو عورت کی صدارت کے سلسلے میں جماعت اسلامی پاکستان پر دانت کچکچا رہے ہیں اور مارے اشتعال کے ان کی زبان تک بگڑ گئی ہے۔ ذرا آنکھیں کھول کر اور دل و دماغ کو بیدار کر کے ملاحظہ فرمالیتے کہ فاطمہ جناح کی صدارت کی تائید کس پس منظر، کن حالات اور کن مضمرات و محرکات کے تحت کی جارہی ہے تو واویلا اور شور و غوغا کا کوئی موقع ہی نہ تھا۔ مگر وہ جو کہا ہے خالق ارض وسمانے:

"اور ہم نے ایسے بہتیرے جن اور انسان جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے دل ہیں مگر وہ ان سے نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے نہیں دیکھتے۔"

کون جانے ہم میں سے کیسے کیسے باوجود اپنے جبہ و دستار کے جہنم کا مزا چکھ کر رہنے والے ہیں۔ کچھ لوگوں کی مشکل یہ ہے کہ ان کے دل و دماغ مولانا مودودی کے عناد سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور اس عناد کی تہہ میں جہاں نفسانیت اور شیطانی وساوس کارفرما ہیں، وہیں ایک بہت بڑا فساد جڑ پکڑے ہوئے ہے جس نے آجکل اکثر و بیشتر علماء و فضلاء اور زہاد و عباد کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ اسلام کے جامع تصور سے محرومی اور جزو کو کل باور کر لینے کی غلط فہمی! ـــ سہرا چاہیے بھی تصوف کے سر باندھئے یا کسی اور کے سر۔ یہ بہر حال حقیقت ہے کہ پُرامن عبادت وریاضت اور بے خطر تعلیم و تذکیر کو کامل اسلام سمجھ لیا گیا ہے اور اعلائے کلمۃ الحق اور غلبہ دین کیلئے حزب الشیطان سے غیر مختتم آویزش اور ٹکراؤ کو ذہنوں سے جھٹک کر کوڑے پر پھینک دیا گیا۔ تخیل کچھ ایسا ہے، جیسے (باقی ص ١٩١ پر)

"نمائندگان" اہلحدیث اور مسئلہ عورت کی صدارت

قطعی نامناسب اور موقع و محل کے خلاف

یہ مسئلہ کہ اسلامی نقطہ نظر سے عورت سربراہ مملکت بن سکتی ہے۔ یا نہیں ؟ فی الواقع بڑا اہم ہے۔ اور پاکستان میں (اگر یہ اسلامی ریاست ہو تو) اس کو زیر بحث لانا بڑا ضروری ہے لیکن اس وقت اس مسئلہ کو چھیڑنا قطعی نامناسب اور موقع و محل کے خلاف ہے کیونکہ اس ملک میں نہ اسلامی قوانین نافذ ہیں۔ اور نہ اس کو کبھی اسلامی مملکت بنانے کا خلوص نیت سے تہیہ کیا گیا ہے۔ بلکہ یہاں کیفیت یہ رہی ہے کہ ہمیشہ اسلام اور اس کے تقاضوں سے دامن کشاں رہنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور عملاً ایسے حالات پیدا کئے جاتے رہے ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ رائے ہے اس اخبار کی جس کی پیشانی پر مسلک اہلحدیث کا داعی اور جماعت اہلحدیث کا ترجمان کا مستقل کتبہ آویزاں ہے جس جماعت کا یہ ترجمان ہے اس کے امیر محترم ابھی پچھلے دنوں متعدد اشاعتوں میں اضافہ کنے تصور دین اور ان کی ترجمانی پر مفصل تنقید فرما چکے ہیں۔ اور ان حضرات کا سب سے بڑا احترام "مقلدین" پر یہ ہے کہ یہ اپنے ائمہ کے اقوال کو حدیث کے بالمقابل بعض اوقات ترجیح دے کر شرک فی الرسالت کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ —— اور اب اس جماعت کے سرکاری آرگن کا زوال و ادبار ملاحظہ ہو۔ کہ یہ مسئلہ کی اہمیت کو تو تسلیم کرتا ہے لیکن اسے اس وقت چھیڑنا قطعی طور پر نامناسب خیال کرتا ہے۔ کہ ایسا کرنا موقع و محل کے خلاف ہے —— گویا اب معیار اور محور موقع و محل ہے!

علاوہ ازیں چونکہ اس کے نزدیک ملک میں اسلامی قوانین نافذ نہیں ہیں اور کبھی بھی پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کا خلوص نیت سے تہیہ نہیں کیا گیا۔ اس لئے یہ بحث کہ عورت کو صدر مملکت بنانا جائز ہے یا نہیں —؟ یہ بحث قطعی طور پر "نامناسب ہے —— لیکن یہ حاملین نمائندگی مسلک اہل حدیث کیا فرمائیں گے اگر کوئی شخص ان سے یہ کہے کہ چونکہ پاکستان میں اسلامی قانون نافذ نہیں اس لئے چوری، زنا، ڈکیتی، خیانت، قمار بازی، شراب نوشی سینما بینی، قحبہ گری، عریانی — اور — اور شرک، بدعت — کسی بھی موضوع پر بحث قطعی نامناسب ہے اور محل و موقع کے خلاف ہے —— کیا اس استدلال کا کوئی جواب یہ اپنے پاس رکھتے ہیں؟

خدا کے بندو! جادۂ حق چھوڑ کر کہاں بھٹک رہے ہو؟

جناب الاعتصام مزید فرماتے ہیں۔

جن لوگوں نے آئین کی رو سے عورت کو حق صدارت عطا کیا ہے۔ وہ بھی گناہ میں برابر

شریک ہیں۔ ؟ ......

انہیں (عورت کو صدرِ مملکت بنانے کی کوشش کو جائز کہنے والوں کو) معلوم ہونا چاہیئے کہ اصل گناہ گار وہ نہیں جو عورت کو سربراہ مملکت بنانے کے حامی ہیں۔ بلکہ وہ ہیں جو آئین کے خالق ہیں۔ اور جنھوں نے عورت کو اتنا عظیم الشان حق عطا کیا ہے۔ کیا یہ جرأت کریں گے کہ انہیں بھی ٹوکیں اور کتاب و سنت کے احکام ان کے سامنے بھی رکھیں ؟ (الاعتصام ۶۴ء)

جی ہاں! خدائے ذوالجلال کی توفیق سے اس وقت بھی جب آئین بن رہا تھا۔ ارباب اختیار کو ٹوکا گیا تھا۔ اور اب بھی یہ کلمۂ حق انکے سامنے برملا کہا گیا اور کہا جاتا رہا ہے۔ کہ جن لوگوں نے دستور بنایا ہے۔ وہ بھی مجرم ہیں۔ لیکن یہ ارشاد کس حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ترجمہ ہے۔ کہ اگر دستور میں کسی ناجائز یا غلط بات کی اجازت ہو تو جو لوگ اس غلط بات کے مرتکب ہوں وہ اصل گناہ گار نہیں ہوں گے۔

جو قرآن سید الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس میں **تو لا تزر وازرۃ وزر اخری** لکھا ہوا ہے۔ — اور پھر یہ بھی تو سوچیے کہ اگر دستور میں شرک کرنا جائز لکھا ہو یا دستور اس باب میں خاموش ہو یا قانون کسی گناہ کبیرہ کو جائز قرار دیتا ہو جیسے کہ یہ غلط ترین قانون ابھی تک موجود ہے۔ کہ زنا قابل راضی نامہ ہے — تو کیا اس کے بعد سب کو چھٹی مل گئی کہ یہ سارے کام کرتے رہیں اس لئے اصل مجرم تو آئین بنانے والے اور قانون ساز ہیں۔ جو لوگ اس پر عمل کریں وہ آپکی منطق کی رو سے **بری الذمہ ہیں؟**

آہ دین کی غربت کہ یہ لوگ دین کے نمائندے ہیں!

کھلی چھٹی — اسلام سے کوئی تعلق نہیں!

یہی ترجمان مسلکِ اہلحدیث "الاعتصام" رقمطراز ہے۔

"تعجب ہے۔ آج صدر ایوب جگہ جگہ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ عورت اسلام کی رُو سے اور علماء کے فتووں کی روشنی میں سربراہِ مملکت نہیں بن سکتی۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ان انتخابات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ اس آئین کی روشنی میں منعقد ہو رہے ہیں۔ جو خود صدر ایوب کے ذہن و فکر کی ایجاد ہے۔ اور اسی آئین میں عورت کو سربراہِ مملکت بننے کا اختیار دیا گیا ہے۔ یہ بات تو ترتیب آئین کے وقت سوچنے کی تھی۔ آج نہیں۔ ! آج آپ یہ بات کہتے ہیں تو لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اب اسلام یاد آ گیا ہے۔ پہلے اسلام کہاں گیا تھا ؟ اور اسے دیس نکالا دے دیا گیا تھا ! یاد رہے اس قسم کی باتیں **معقول حالات** ہی میں کہی جائیں تو زیب دیتی ہیں۔ ہنگامی دور اور ضرورت کے وقت یہ دروکئے جائیں تو لوگ ان کا پس منظر تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اسی ٹوہ میں لگ جاتے ہیں کہ ان کے پیچھے کیا

جذبات وعوامل کارفرما ہیں.

کیا صدر ایوب یہ اعلان کریں گے کہ ان کے بنائے ہوئے آئین کی یہ شق غلط اور خلاف اسلام ہے؟ یا یہ فتویٰ باز مشائخ ان سے یہ اعلان کرائیں گے؟ توبہ کے دروازے بند تو نہیں ہو گئے.

کیا آئین کو مرتب کرتے وقت یہ گنجائش محض عورتوں کو خوش کرنے کے لئے رکھی گئی تھی؟ اگر اس وقت ان کی خوشی مقصود تھی تو آج بھی اسی پر قائم رہیئے!

علاوہ ازیں بتایا جائے کون قابل ذکر علماء ان کے ساتھ ہیں؟ چند بندگانِ مصلحت بین اور متمنیان جاہ وحشمت کو علماء دین اور مفتی اسلام نہیں کہا جاتا.

افسوس! یہ علماء اپنے آپ کو بھی بدنام کر رہے ہیں۔ دوسرے علماء کی ذلت کے بھی سامان فراہم کر رہے ہیں اور اسلامی احکام کی نئی سے نئی تعبیریں کرکے اس کی بھی اثر انگیزیوں کو مجروح کرتے موجودہ صدارتی انتخاب کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے. اپنی صواب دید کے مطابق جس کا جس کو جی چاہے ووٹ دے۔ (الاعتصام)

صدر ایوب کے ساتھ کون ہے اور کون نہیں؟ اس سوال سے تو ہمیں کوئی واسطہ نہیں، ہمیں یہ ضرور عرض کرنا ہے کہ جہاں تک صدارتی مسئلے کا تعلق ہے آپ کی یہ رائے انتہائی طور پر غلط ہے۔ اس کا تعلق اسلام سے کوئی نہیں۔ دستور میں کسی خامی یا غلطی سے یہ دروازہ تو نہیں کھل جاتا کہ ہر بات پر مسلم قوم اسلام سے بے نیاز ہوکر ہی گزرے۔ یہ مشورہ کوئی بے دین گروہ دے تو دے جن کی پیشانی آیات واحادیث سے آراستہ ہے انہیں ایسی بات کہتے وقت ندامت محسوس ہونی چاہیئے۔

یہ بات کہ چند بندگان مصلحت بین" اور "متمنیان جاہ وحشمت" ہی ہیں جو اس شرعی مسئلے کو بیان کر رہے ہیں، سوءِ فہمی تو ہے ہی بیانی بھی ہے — اور پھر چلیئے اگر اس مسئلہ حق کی تائید اگر چند غلط لوگ بھی کر رہے ہیں تو اس سے کہاں لازم آگیا کہ اب یہ مسئلہ دینی مسئلہ ہی نہیں رہا ہے کتنے غلط کار لوگ ہیں جو قرآن کو اپنی خواہشات کیلئے پیش کرتے ہیں مگر کیا کوئی بدگو، نعوذ باللہ من ذالک قرآن مجید کے بارے میں لاابالیانہ پن کا اظہار کر سکتا ہے؟

اور یہ آخری بات کہ

"معتدل حالات" ہی میں "اسلام" کی بات کہنی چاہیئے! — خدا سے ڈرو! کن کا نام لے کر عزت ووسائل زندگی حاصل کر رہے ہو؟ دور نہ جاؤ۔ ولی اللہ احمد شہید اسماعیل شہید، عبداللہ غزنوی (نور اللہ مراقدہم) کے جانشین ہو تم؟ — ان سب کا مسلک یہی تھا۔ کہ "معتدل حالات ہی میں" جائز ناجائز کی بات کرنی چاہیئے۔ بالیتہم کنتم ترابا!

عورت کو صدرِ مملکت نامزد کرنے کا پہلا ثمرہ

خواتین کو سیاسی جدوجہد میں پورا پورا حصہ لینا چاہیئے

• محترمہ بیگم صاحبہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعتِ اسلامی پاکستان

[جو علمائے کرام اس وقت صدر ایوب کو جابر و آمر اور محرف فی الدین قرار دے کر مس فاطمہ جناح کی صدارت کو شرعاً "جائز" ثابت کرنے میں کوشاں ہیں اور اضطرار یا اھون البلیتین کے تحت عورت کی صدارت کو ضروری ظاہر کرنے میں مصروف ہیں۔ وہ ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہم اصولاً عورتوں کے سیاست میں آنے کو خلافِ اسلام ہی سمجھتے ہیں۔ اور قرآن و حدیث نے ان کے لئے جو گھر کے میدان میں ہی محدود رہنے کا حکم دیا ہے اسے ہی درست خیال کرتے ہیں ———— یہ علماء تو سادگی۔ لیا فرما رہے ہیں اور اس پہلو کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ کہ اس دور میں مغربی افکار نے جو سب سے بڑا حملہ مسلم اقوام پر کیا ہے۔ اس نے الحاد و دہریت کے بعد سب سے زیادہ شدت "عورت" ہی کے مسئلے پر اختیار کی ہے؛ چنانچہ اس وقت بیشتر مسلم ممالک، تہذیب، تمدن، معاشرت اور سیاست سبھی میدانوں میں عورت کی آزادی کے وہ خطرناک مناظر گوارا کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں جن سے ہزار ہا خرابیوں کے باوجود ہند و پاک کے مسلمان نسبتہً "محفوظ" تھے۔ مگر ان سادہ لوح علماء کے حالیہ فتاویٰ اور "تحریکیت زدگی" نے اچھی بھلی عورتوں کو ایک ہی مرحلے میں یہاں لا کھڑا کیا ہے۔ کہ وہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو "سیاسی تحریکات" میں کھینچ لانے کو خدمتِ اسلام تصور کرنے لگی ہیں۔ ہر چند کہ ابھی چند ماہ ہی سے یہ تحریک شروع ہوئی ہے تاہم اس کے اثرات سے مستقبل کے خطرات کا بھانپنا کچھ مشکل نہیں۔

اس ضمن میں مغربیت زدہ مسلمانوں کی عورتوں نے کیا اثر لیا ہے کہ اس کا جائزہ تو بعد میں لیا جائے گا صحبتِ امروز میں ہم جماعتِ اسلامی کے امیر حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی بیگم صاحبہ کا ایک مختصر سا مضمون پیش کرتے ہیں۔ جس میں انہوں نے برملا فرمایا ہے کہ عورتوں کو چاہیئے کہ وہ جلسے کریں اور ان میں

خواتین کو جمہوریت و آمریت میں فرق سمجھائیں۔ اور وہ عورتوں سے اپیل کریں کہ وہ انسان کو اس کے پیدائشی

حقوق دلانے کے لئے رائے عامہ تیار کریں ــــ اور اب جبکہ مرد سیاسی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو رہے ہیں

تو اس کمی کو پورا کرنے کے لئے مسلمان عورتیں "شرعی حدود" کے اندر رہتے ہوئے کام کریں ــــ یہ محتاط انداز بیان! اور

شرعی حدود و قیود کی پابندی کی تلقین اس وقت کیا وقعت رکھے گی جب فی الواقعہ مسلمان عورتیں، حسبِ ارشاد محترمہ بیگم صاحبہ سیاسی میدان میں کود پڑیں گی۔ اس کا اندازہ ہر صاحبِ بصیرت بآسانی لگا سکتا ہے۔

بہرحال ہم معاصر "ایشیا" کے شکریہ کے ساتھ "خواتین مادرِ ملت کے حق میں مہم چلائیں" کے عنوان سے شائع شدہ مضمون درج ذیل کرتے ہیں۔ "ادارہ"

خواتین مادرِ ملت کے حق میں مہم چلائیں

بیگم مولانا مودودی

"صدارتی انتخاب نمبر" کے لئے بیگم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی خدمت میں پانچ سوالات بھجوائے گئے ان کے مندرجہ ذیل جوابات انھوں نے قلم بند کرائے ہیں۔

سوالات

۱ موجودہ حکومت نے خواتین کے حقوق پر کیا ڈاکے ڈالے ہیں؟

۲ خواتین اس حکومت کو بدلنے کے لئے کیوں کوشش کر رہی ہیں؟

۳ بحالیٔ جمہوریت کی مہم میں عورتیں کس طرح حصہ لے سکتی ہیں؟

۴ کیا اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے خواتین موجودہ دور کی سیاسی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتی ہیں؟ جواب مثبت میں ہے تو کس طرح؟

۵ صدارتی انتخاب کے سلسلے میں خواتین کے نام خاص پیغام اور ہدایات

جوابات

۱ موجودہ حکومت کا یہ پراپیگنڈا کہ اس نے عورتوں کو حقوق دیئے ہیں بالکل غلط ہے۔ عائلی قوانین کے ذریعے سے عورتوں کی کوئی خدمت انجام نہیں دی گئی۔ بلکہ جو کارنامہ انجام دیا، یہ ہے کہ نکاحِ دوم بھی عورتوں کے حق میں کسی طرح سے بھی مفید ثابت نہیں ہوئیں۔ جن مردوں کو ایک سے زائد شادیاں کرنی ہیں۔ وہ اب بھی کرتے رہتے ہیں۔ بس رشوت کا ایک اور ذریعہ نکل آیا ہے۔

۲ جس طرح مرد غلط طرزِ حکومت کو بدلنے یا صحیح کرنے کی کوشش کے ذمہ دار ہیں اسی طرح خواتین بھی اس کی ذمہ داری سے مستثنیٰ نہیں۔ اصلاح معاشرہ میں عورتوں کو بھی اسی طرح حصہ لینا چاہیئے جس طرح مردوں کو۔

۳ عورتوں کو چاہیئے کہ وہ جلسے کریں اور ان میں خواتین کو بتائیں کہ جمہوریت کیا ہے اور اہمیت کیا ہے؟ اور

آمریت کے نتائج کیا ہیں! پھر وہ عورتوں سے اپیل کریں کہ وہ انسان کے پیدائشی حقوق دلانے کے لئے رائے عامہ تیار کریں۔

۴ دراصل اسلام عورتوں پر سیاسی ذمہ داریاں نہیں ڈالتا، حکومت کا نظم ونسق چلانا مردوں ہی کا کام ہے۔ مگر جب مرد اس کام کو کما حقہ ادا نہ کریں۔ تو اس کمی پورا کرنے کے لئے مسلمان عورتوں کو شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے کام کرنا چاہیئے۔

۵ میرا یہ خیال ہے کہ خواتین کو اس جدوجہد میں پورا پورا حصّہ لینا چاہیئے۔ عورتوں کو ہم خیال بنائیں اور کوشش کریں کہ بنیادی جمہوریتوں کے بعض ارکان پر ان کا اثر ہے۔ وہ مادر ملت کے حق میں ووٹ ڈالیں۔

یہ ہے پہلا ثمرہ عورت کو صدر مملکت نامزد کر کے اس کے حق میں شرعی دلائل مہیا کرنے کا۔ سوچئے اگر حزب اختلاف ناکام ہو جائے اور صدر ایوب دوبارہ صدر منتخب ہو جائیں تو صورت حال یہ ہو گی کہ جس اضطرار کی بنا پر اس حرام کو حلال کیا گیا وہ تو حزب اختلاف کے نقطۂ نظر سے اور بھی زیادہ شدید ہو جائے گا تو ضرورت ہو گی کہ حزب اختلاف اپنی مہم کو بدستور مس فاطمہ جناح کے زیر قیادت چلائے۔ ایسے عالم میں محترمہ بیگم صاحبہ اور انہی کی طرز پر سوچنے والی دوسری خواتین کیا انتخابات کے بعد عام سیاسی مہمات کو شروع کر دیں گی ؟؟؟

اہل حدیث یا تارک حدیث

لیجئے "سلفی" کہلانے والوں نے بھی فیصلہ صادر فرمادیا ہے کہ وہ "نادر ملت" ہی کو ووٹ دیں گے ——
بہت دنوں سے "جماعت الحدیث" کے نام سے اعلانات ہو رہے تھے کہ الحدیث بی ڈیز کی راہ نمائی کے لئے فیصلہ ہونے والا ہے۔ اولاً "جماعت الحدیث" کے بڑے گروپ کے قائد و امیر مولانا محمد اسماعیل صاحب نے اعلان فرمایا کہ اس اجتماع سے ہمارا کوئی تعلق نہیں اور دبی زبان سے "جمہوریت کی نشوونما" کرنے والوں کی حمایت پر جماعت کے بی ڈیز کو ابھارا، اس کے بعد یہ اجتماع ہوا اور دو تین اصحاب کی تقریریں اخبارات میں شائع ہوئیں جن سے یہ تاثر لیا جا رہا تھا کہ یہ حضرات "ابوالملت" کی جانب متوجہ ہیں۔ مگر جن تین اصحاب پر مشتمل "بورڈ" نامزد کیا گیا۔ انہوں نے متفقہ طور پر طے کر دیا ہے کہ وہ "نادر ملت" کے حق میں ہیں۔

اب سنئے ان محدثین کرام "علیہم الرحمۃ والغفران" کی ایمان افروز استدلال، اس "سلفی" قسم کے فیصلے کے لئے!
بورڈ نے فریقین (حزب اقتدار اور حزب اختلاف) سے رابطہ قائم کیا اور مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور و فکر کے بعد بورڈ نے "کثرت رائے" سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ صدارتی انتخاب کے سلسلے میں متحدہ حزب اختلاف کی حمایت کی جائے" (تنظیم یکم جنوری ۶۵ء)

کیا کوئی ذی شعور فرد جماعت الحدیث میں ہے جو ان ارکان بورڈ سے سوال کرے کہ

الف:- بورڈ نے فریقین سے کونسی شرائط طے کرانا منظور کی تھیں۔ کہ جو فریق ان شرائط کو مان لے گا۔ یہ اس کے حق میں فیصلہ صادر کر دیں گے؟

ب:- اس بورڈ نے دونوں گروہوں کے کن افراد سے "رابطہ" قائم کیا؟ کیا گفتگوئیں ہوئیں۔ کن کن شرائط کو انہوں نے تسلیم کیا اور کن شرائط کو رد کیا؟

ج:- اب جو حزب اختلاف کی حمایت کا فیصلہ اس بورڈ نے کیا ہے تو بتلایا جائے کہ یہ کن شرائط پر ہوا ہے۔ ان سے معاہدہ جو ہوا ہے۔ اس کا متن شائع کیا جائے اور بتایا جائے کہ اس معاہدے کے بروئے کار آنے کی ضمانت کیا ہے؟

اگر "جماعت الحدیث" کا یہ بورڈ ان تینوں سوالات کا کوئی جواب نہیں دیتا تو یہ سمجھ لیجئے کہ یہ ساری کارروائی اندھی عقل کا نتیجہ ہے اور بورڈ کے ارکان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جماعت الحدیث میں کوئی فرد نہ عقل رکھتا ہے۔ نہ شعور۔

یہ دو تین آدمی ہی عقل مجسم ہیں اور جسطرح چاہیں جماعت کے ایمان ، مسلک ، عقل ، ضمیر اور مفاد کو داؤں پر لگا سکتے ہیں ۔

یہ گفتگو تو فیصلے کے متن پر ہوئی ہے ——— اب ذرا اور آگے بڑھیئے جماعت کے ناظم اعلیٰ مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی کا یہ ارشاد گرامی ، یعنی ان کا الکتا جملہ تنظیم میں شائع ہوا ہے ۔

جماعت کا یہ فیصلہ "جماعتی زندگی" اور اسکی سیاسی بیداری کا ثبوت ہے"

جی ہاں جماعتی زندگی ، پر تو ہم ابھی کچھ کم ہی عرض کریں گے اس لئے کہ بیچاری جماعت تو آپ چند حضرات کے دم قدم سے جو دن دگنی اور رات چوگنی "ترقی" کر رہی ہے ۔ اس کے بعد اس مجبور و بے بس اور مظلوم و مسلوب بلکہ کہنا چاہیئے مغصوب اور نہب زدہ جماعت پر تو ترس کھانا چاہیئے نہ کہ اس کے احوال دکوائف اور جو غصب ونہب ہو رہا ہے ۔ اس کی تفاصیل سے طبائع میں تکدر پیدا کیا جائے . . . . . .

رہا مسئلہ سیاسی بیداری کا تو اگرچہ ہمارا اصل عنوان تو ہے ایمانی بیداری یا ایمانی موت تاہم ذرا پہلے اسی "سیاسی بیداری" ہی پر کچھ غور کر لینا چاہیئے

فیصلے کا پس منظر

تنظیم اہلحدیث کے اس شمارے میں وہ ، وجوہ دی گئی ہیں جو اس جماعتی موقف کا پس منظر ہیں ارشاد ہوا ہے ۔

۱:- عورت کی سربراہی کا مسئلہ اسوقت زیر بحث لایا جا سکتا ہے جب اس میں اسلامی آئین نافذ ہو اور نظام حکومت کتاب وسنت کے مطابق ہو ۔

ہم نے یہ دلیلیں بار ہا بار جماعت اسلامی کے درجہ چہارم کے کارکنوں سے سنی تو اس دلیل کو نامعقول سمجھ کر در خور اعتنا نہیں سمجھا ۔ لیکن اب جبکہ ایک دینی جماعت کو اس دلیل سے گمراہ کرنے کی کوشش کی جانے لگی ہے تو اسکی نامعقولیت کو نظر انداز کرتے ہوئے بحث ناگزیر ہو گئی ۔

پہلی گزارش تو یہ ہے کہ اگر اس ملک میں اسلامی آئین نافذ نہیں اور نظام حکومت کتاب وسنت کیمطابق نہیں تو اسکی وجہ سے صرف عورت کی سربراہی کے مسئلہ کو زیر بحث نہ لانے کا جواز ہی کیوں ؟ غیر اسلامی آئین اور کتاب وسنت کے خلاف نظام حکومت کی وجہ سے زنا ۔ چوری ۔ ڈکیتی ۔ اغوا ۔ قتل ۔ شراب نوشی ۔ شراب کشید ۔ شراب کی فروخت اور پھر اسی طرح ۔ یہ شرک ۔ بدعت ۔ ان سب امور پر بحث کیوں ؟ اور یہ روز بھاؤ کیا کہ حکومت ۔ رقص ۔ موسیقی ۔ قحبہ گری ۔ زن ومرد کا اختلاط ۔ بے پردگی اور فلاں فلاں فحاشی کے

فروغ کا باعث کیوں بن رہی ہے۔

اگر ایک مسئلے کو اس لئے نظر انداز کر رہے ہیں کہ آئین اسلامی نہیں تو دوسرے مسائل پر بحث کس دلیل کی بنا پر ضروری ہو گئی۔ مہربانی کیجئے مذہب کی بساط لپیٹئے۔ یہ روز روز لوگوں کو مشتعل کرنا چھوڑئے۔ جواں جی ہیں آئے انہیں کرنے دیجئے اور کہہ دیجئے کہ آئین تو اسلامی ہے نہیں اس لئے یہ پابندیاں اور مباحث کیوں؟

دوسری گزارش یہ ہے کہ آپ لوگ تو اپنے سوا ہر فرقے کو اس لئے مَا اَنَا عَلَیْہِ اَصْحَابِی کا مصداق نہیں مانتے کہ آپ ہر ماحول پر ہر زمانے اور گردوپیش کی ہر ناموافقت بلکہ ہر مخالفت کے علی الرغم اتباعِ سنت اور قال اللہ و قال الرسول پر ایمان کو مقدم رکھتے ہیں۔ یہ آپ نے کب سے سیکھا ہے کہ اگر ماحول غیر اسلامی آئین والا ہو تو خود بھی غیر اسلامی کام کرنے لگو۔ بلکہ اس کام کے اسلامی اور غیر اسلامی ہونے کی بحث ہی ترک کر دو۔ اور یہ آپ نے قال اللہ اور قال الرسول پر ایمان کی جگہ قال ایوب اور قال آئین کب سے اور کہاں سے سیکھا ہے؟

۲:۔ دوسرا پس منظر اس فیصلے کا آپ نے یہ فرمایا ہے کہ عورت کو صدارت تک پہنچانے کی ذمہ داری چونکہ ارباب حکومت پر ہے اس لئے آپ اب جو مس فاطمہ جناح کو مادر ملت کی حیثیت سے صدر مملکت بنانے چلے ہیں تو آپ بری الذمہ ہیں۔

خدا کے خوف کا واسطہ تو ہم آپ کو نہیں دیں گے لیکن یہ تو بتایئے کہ ارباب حکومت نے صرف یہی ایک کام تو نہیں کیا کہ عورت کو صدارت تک پہنچایا ہے انہوں نے تو عورت کو کلب۔ سینما۔ ہوائی جہاز، ہسپتال اور معاف کیجئے محفل ہائے رقص و سرود اور چکلے تک بھی پہنچایا یا پہنچانے کو گوارا کیا ہے کیا کل آپ عورت کو خود بھی انہیں مقامات پر پہنچانے چلیں گے؟ اور یہ سارے کام اب آپ اس لئے جائز قرار دے دیں گے کہ اصلی ذمہ داری تو پڑ چکی ارباب حکومت پر۔ اس لئے اب آپ جو جی میں آئے کریں آپ بری الذمہ ہیں اور جس طرح آپ نے تیسرے پس منظر میں وما ظلمھم اللہ ولکن کانوا انفسھم یظلمون سے استدلال کیا ہے۔ یہاں وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی سے استدلال کر لیجئے کچھ تو شان مفسری کا مظاہرہ ہونا چاہیئے۔

۳:۔ تیسرا استدلال یا پس منظر آپ کے فیصلے کا یہ ہے کہ چونکہ صدر مملکت نے عورت کو حکمرانی کا حق دے کر اپنے لئے مصیبت کے دروازے خود کھولے ہیں اسلئے اب جو کچھ ہو رہا ہے یہ "مکافات عمل" ہے اور قرآن مجید کا ارشاد بھی یہی ہے وَمَا ظلمھم اللہ ولکن کانوا انفسھم یظلمون بالکل بجا صدر نے جو کچھ لیا اسکی "مکافات عمل" انہوں نے دیکھ لی اور اس سے عبرت بھی پکڑی اور ایک تعارفی جلسے میں انہوں نے یہ کہدیا کہ دستور مرتب کرتے وقت ذہن میں یہی تھا کہ صدارت کے عہدہ کے لئے مرد ہی کھڑا ہوا کریں گے لیکن اب اس تجربے کے بعد آئندہ دستور میں یہ صراحت کر دی جائے گی کہ صدر مسلمان مرد ہی ہو سکتا ہے ——— خیر صدر کا معاملہ رہ جائیں۔ یہ

تو فرمایئے کہ آپ آج جو عمل خود کر رہے ہیں اسکی مکافات کے لئے بھی آپ تیار ہیں! اور کل جب اسکی مکافات آپ اور آپکے ساتھیوں اور دوسرے لوگوں پر عملاً وارد ہوگی تو اسوقت۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ کی صدائے حق کا جواب آپ کیا دیں گے؟

۴ تا ۶ وجوہ میں آپ نے ایک ہی بات لکھی ہے کہ صدر نے آئین بناتے وقت علماء کی بات نہیں مانی تھی اور آج علماء اور مشائخ کے فتووں کی پناہ ڈھونڈی جا رہی ہے، چنانچہ پیر اور "خوشامدی مولوی" فتوے اور لمبے واریاں دے رہے ہیں لہٰذا جماعت اہلحدیث نے یہ فیصلہ کیا ہے۔

اللہ اکبر! معرفت اور تبحر علمی نیز بصیرت و سیاست دانی۔ اسے کہتے ہیں کہ چونکہ آج سے تین چار سال قبل صدر ایوب نے علماء کی بات نہیں مانی تھی لہٰذا، لہٰذا، اب لہٰذا اب علماء، صدر ایوب کی بات مانے لیتے ہیں اور غیر اسلامی دستور کے مطابق مادر ملت کو ووٹ دینے کا فتویٰ صادر کرتے ہیں ——— اگر اس بصیرت و حق پرستی کے بعد بھی کوئی جماعت اہلحدیث" (اس لفظ سے عام جماعت مراد نہیں بلکہ وہ مرکزی جماعت اہلحدیث" مراد ہے جسکے تین رکنوں" نے یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے ورنہ مسلک اہلحدیث اور افراد اہلحدیث فی نفسہ ہمارے قلب و جگر کی دنیا ہیں اور ہم خود دوسرے متدین طبقات کیطرح ان سے گہری محبت رکھتے ہیں)، کو مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي الْيَوْمَ کا مصداق نہ سمجھنے لگے اور آپکی "سلفیت" کا قائل نہ ہو تو اس کے بدبختی ہونے میں کیا شبہ ہے۔

رہا یہ کہ "خوشامدی" مولویوں سے فتاویٰ دلائے جا رہے ہیں تو گزارش ہے کہ "بالا کورٹ" کے ان مجاہدین کی عظمتوں کا کون قائل نہیں جو لَا يَخَافُونَ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ کے عملی پیکر اور اِنَّا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ کی تفسیر مجسم ہیں ——— اگر ان کے نزدیک دوسرے سبھی "خوشامدی" ہیں تو انہیں اپنی سربلندی کی وجہ سے دوسروں کا پست دکھائی دینا، عیب نہیں ہنر ہے۔

ساتویں دلیل "ادارہ" تنظیم اہلحدیث نے دی ہے کہ "جماعت اہلحدیث صدارتی انتخاب کے مسئلہ میں غیر جانبدار بھی نہ رہ سکتی تھی کیونکہ اسطرح برائی کو مزید تقویت، خلاف اسلام آئین سازی اور نام نہاد پیریں کے کاروبار مراقبہ کو زیادہ فروغ حاصل ہونے کا خطرہ تھا!

صَدَقَتْ مَا قَالَتِ الْاِدَارَةُ" لیکن ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ مادر ملت کو ووٹ دینے سے برائی کو مزید تقویت پہنچنے کا کوئی خطرہ تو لاحق نہیں ہوتا؟ ——— شائد آپ آپکے نزدیک، غیر اسلامی آئین کی وجہ سے، بے پردگی، غیر محرم مردوں کے ساتھ صبح و شام رہنا۔ ان سے مصافحہ کرنا انکی معیت میں طویل ترین سفر کرنا۔ نرسنگ کی تبلیغ کرنا۔ مخلوط تعلیم کے ادارے قائم کرنا۔ یہ سب باتیں تو جائز

ہی ہوں گی ـــــ اور آپ کی بصیرت نے یہی فیصلہ کیا ہو گا کہ جس عوامی لیگ نے ۱۹۵۶ء کے دستور پر اس لئے دستخط نہیں کئے تھے کہ اسمیں اسلام کا تذکرہ ہے۔ اب وہی عوامی لیگ دستور کو اسلامی بنائے گی، جس مولانا بھاشانی نے نو نکاتی پروگرام کی ترتیب کے مرحلے میں کہہ دیا تھا کہ ہم "اسلامی معاشرے" کے معرض وجود میں لانے کی ذمہ داری اس لئے نہیں لے سکتے کہ ہم سیکولر (لادینی) نظام کے قائل ہیں۔ جس محمود الحق عثمانی نے اسوقت یہ بیان پریس میں دیدیا تھا کہ ہمارے جن نمائندوں نے نو نکاتی پروگرام میں عائلی قوانین کی تنسیخ کے ذمہ دار نہیں ہیں ـــــ اور ہاں جس مس فاطمہ جناح نے جب بھی ان سے سوال کیا گیا کہ آپ عائلی قوانین کو منسوخ کریں گی! تو انہوں یہ کہکر ٹرخا دیا کہ عوام جو فیصلہ کریں گے وہی ہو گا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ قوانین کو اسلامی کیسے بنائیں گی؟ تو انہوں نے فرمایا ملک مسلمانوں کا ہے ہم نے قانون بنانا ہے تو اور اسلامی قانون ہوتا کیا ہے؟ اس متحدہ محاذ اور متحدہ محاذ کی اس قائدہ و امیرہ سے آپ "اسلامی دستور" کی توقع رکھتے ہیں ـــــ اگر اس بصیرت ایمانی" پر ہزاروں نصوص شرعیہ قربان کر دی جائیں۔ شائید سودا آپ کے نزدیک خسارے کا نہیں ہو گا؟

اہلحدیث یا تارک حدیث!

یہ تو تھا قصہ آپ کے موقف یا فیصلے کے پس منظر کا ـــــ اب آپ سے عرض یہ کرنا ہے۔

اہل حدیث کا مفہوم تو اب تک یہی سمجھا جاتا رہا ہے جو ماحول کی ہر چیز کو نظر انداز کرتے ہوئے وہی بات کہے جو کتاب و سنت میں بیان کی گئی ہو۔ اور اسی حکم پر عمل پیرا ہو **فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم** کے تحت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس سے صادر ہو اور ہر قسم کی مصلحت و ضرورت کا وہی حل تلاش اور قبول کرے جو کتاب و سنت میں بیان ہوا ہے وہ اہلحدیث ہے۔

اب دیکھئے آپ اور آپ کا متحدہ محاذ یہ کر رہا ہے کہ ہم مصائب اور پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ آمریت و استبداد ہم پر مسلط ہے اور ظلم و بربریت کا دور دورہ ہے مزید برآں اسلام کو مسخ کیا جا رہا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ مس فاطمہ جناح کو ملک کا صدر بنا دیا جائے۔

قطع نظر عقلی استدلالات، سیاسی احوال، احزاب اختلاف کے باہمی تضاد اور خود مس فاطمہ جناح کی تعلیم و تربیت عقائد، نظریات، عملی زندگی اور مزاج کے ـــــ اگر آپ اسی قسم کے اہلحدیث ہیں جو آپ کے اسلاف تھے تو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ یہ ہے کہ

لن يفلح قوم ولوا امرهم امرأة وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جو اپنے امور کی سربراہ عورت کو بناتی ہے ان الفاظ میں جو تاکید جو تحدی اور جو قطعیت ہے وہ آپ سے بھی مخفی نہیں ـــــ اب دیکھئے

بات یوں ہوگی کہ آپ نے حزب اختلاف کے اس عقیدے پر ایمان کا اظہار کیا ہے کہ

موجودہ بربادیوں اور تباہیوں کا واحد علاج ہے ——— مس فاطمہ جناح کی صدارت اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا دوٹوک اعلان ہے

وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی ——— جس کی سربراہ عورت ہو!

اب بتایئے کس کی بات صادق ہوگی ؟ خدائے ذوالجلال نعوذ باللہ من ذالک اپنے رسول کی بات کی تکذیب فرمائیں گے اور حزب اختلاف کی تصدیق ——— ؟ تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً ۔

اب آپ ہی بتایئے کہ آپ فیصلہ کر کے اہل حدیث رہے ہیں یا تارک حدیث ؟ اور اگر آپ ہماری بات سنیں تو اب ہم برملا کہتے ہیں کہ

جماعت اہلحدیث مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا حافظ محمد عبداللہ روپڑی (نور اللہ مرقدہما) کی وفات کے بعد علم۔ تقوی۔ بصیرت اور اصابت رائے ہر پہلو سے یتیم ہو چکی ہے ——— اور یہ ان لوگوں کو غور کرنا چاہیئے جو اس مسلک سے محبت رکھتے ہیں اور جنہیں کتاب وسنت پر وہی اعتماد ہے جو ہمارے اسلاف رحمہم اللہ علیہم اجمعین کو تھا۔


ڈیزائن
نیم پلیٹ
سینما سلائیڈ
مہریں
ہاف ٹون
ٹرائی کلر
زنک
بلاک
لائلپور بلاک کمپنی فون 3216 (P.P)
بھوسے والی گلی نمبر ۳ بھوانہ بازار لائل پور
S.EJAZ



(عبدالرحیم اشرف ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے ڈیلی بزنس پریس لائلپور میں چھپوا کر دفتر "المنبر" جناح کالونی لائلپور سے شائع کیا)

دین اسلام کے متعلق صحیح معلومات

اور اپنے -- اندر یقین پیدا کرنے کے لئے -- مندرجہ ذیل کا مطالعہ فرمائیے

تصانیف مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ

اسلام کیا ہے؟	اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہی نہیں بلکہ قابل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کیلئے بھی اس کتاب کا مطالبہ کافی ہے -	۲۰۲۵
دین شریعت	توحید رسالت آخرت نماز روزہ زکواۃ حج اخلاق و معاملات دعوت جہاد سیاست و حکومت اور احسان و تصوف ان تمام مباحث پر نہایت دلنشین انداز میں محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے کہ دل و دماغ اور عقل و وجدان ایمان و اطمنان سے معمور ہو جاتے ہیں-	۳۰۳۷
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے	کتاب اللہ نے نوع انسانی کو کیا دیا ہے کن چیزوں کی طرف خاص طور سے دعوت دی ہے یہ کتاب دراصل قرآن پاک کی اسی دعوت کی ترجمان ہے -	۳۰۵۰
نماز کی حقیقت	نماز کی حیثیت کتاب و سنت کے نزدیک کیا ہے ائمہ دین خصوصاً امام غزالی مجدد الف ثانی شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ اجمعین کے عارفانہ ارشادات و تعلیمات کا عطر کھینچ کر اس کتاب میں بھر دیا گیا ہے -	۱۰۹۵
کلمہ طیبہ کی حقیقت	اسلام کے کلمہ دعوت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح ایسے دلنشین انداز میں اور اتنی تحقیق کے ساتھ کی گئی ہے کہ ایک ایک لفظ کے مطالعہ اور یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور عقل و جذبات اور دل و دماغ میں اس کلمہ مطہرہ کا اثر جاگزین ہوتا ہے -	۵۰ پیسے صرف

Phone : 3001 WEEKLY R. L. No. 7294

AL-MINBER

Editor : Abdul Rahim Ashraf

Vol. 9 | [redacted] 20/27 SHAABAN 1384 HIJRI | No. [redacted] 23-24

عبدالرحیم اشرف ایڈیٹر اور پبلشر نے ڈیلی بزنس پریس سے چھپوا کر دفتر جناح کالونی لائلپور سے شائع کیا۔